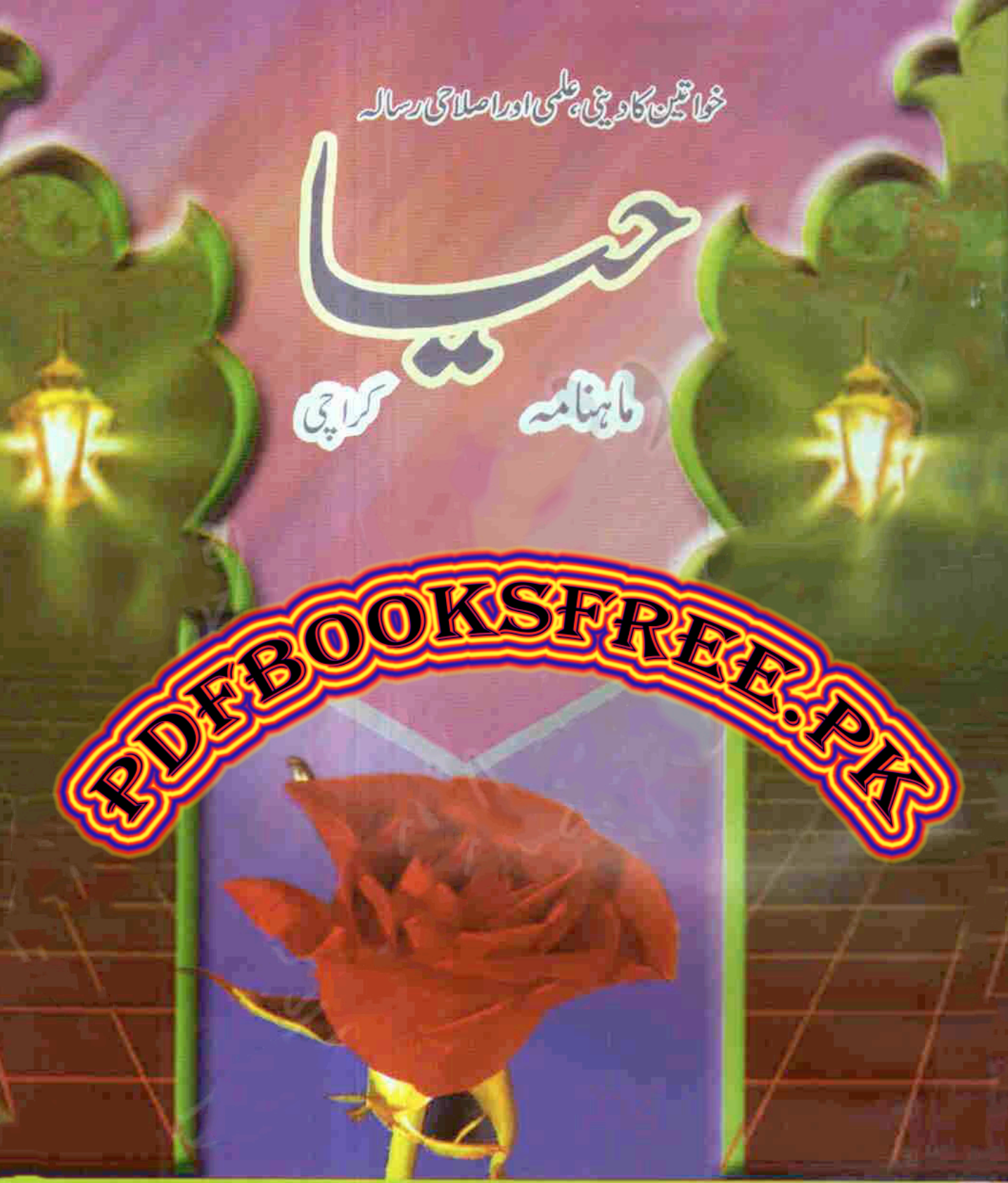
خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

حیا

ماہنامہ کراچی

PDFBOOKSFREE.PK



مشرقی روایتی مٹھائیاں • عربی مٹھائیاں • بنگالی مٹھائیاں • فرنچ کریم کیکس • ربڑی • رسملائی • آئسکریم • قلفی فالودہ • ممکو • دیسی گھی کے حلوہ جا

◄ بالمقابل کے۔ای۔ایس۔سی۔بلنگ آفس،
مین بازار مسلم آباد، ملیر سٹی، کراچی، پاکستان۔
فون نمبر: (92-21)-4510612
Mobile: 0300-4510612

حاشمہ سویٹس

► D-1/16، نزد آر۔سی۔ڈی۔گراؤنڈ،
سعود آباد، ملیر کالونی، کراچی، پاکستان۔
فون نمبر: (92-21)-4507486
Mobile: 0302-4507486

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئینہ

نمبر شمار	مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
1	رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا تنویر الحق تھانوی	9
2	والدین کے حقوق	مولانا مفتی نعیم	14
3	اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا	مولانا عبدالستار	21
4	رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر خیال آفاقی	25
5	عظمتوں کے مینار	مولانا عاشق الٰہیؒ	51
6	مغرب میں مسئلہ نسواں	عبدالقیوم ندوی	64
7	عورت، ثریٰ سے ثریا تک	مولانا نایاب سیتامڑھی	73
8	مرد اور عورت کی یکساں صلاحیتیں	رضی الدین سید	83
9	داستانِ مجاہد	نسیم حجازی	85
10	ایک زندگی ایک کہانی	ام حیات ہنگورا	103
11	کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں	بنت مولانا عبدالمجیدؒ	115
12	فردوس بریں	مولانا عبدالحلیم شرر	123
13	جب پو پھٹی	ادارہ	137

آئینہ

14	کسی کی ادا، دعا بن جاتی ہے	تبسم محسن علوی	159
15	عہد وفا	زہرہ اسماعیل	161
16	حضرت سلمان فارسی	سعید علوی	171
17	انجانِ مجرم	فائزہ صدیقی	175
18	قبول اسلام	ادارہ	177
19	اردو شاعری	خ-ا	181
20	یہ حسین یادیں	سکینہ عائشہ محمد رمضان	189
21	نشہ اس موبائل کا	عطاء الحق قاسمی	194
22	سہانا بچپن	فائزہ صدیقی	196
23	تبسم	محمود عباسی	197
24	روشن چراغ	ادارہ	199
25	باورچی خانہ	ادارہ	202
26	گلدستہ حیا	ادارہ	205
27	حیا کی محفل	ادارہ	215

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

خدا تعالیٰ کی پکار!

خدا کی طرف سے پکار آتی ہے.....!

میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے وزارتیں اور بادشاہتیں حاصل کر لیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے رقص و سرور کی محفلیں جمائیں لیکن تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے فحاشی، عریانی اور بدکاری کی انتہا کر دی، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے جوئے اور سٹے کا بازار گرم کیا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے ساغر اور مینا، شراب، ہیروئن، چرس اور بھنگ کا استعمال کر کے دیکھا، مگر تجھے سکون نہ ملا، تو نے نت نئے فیشن اختیار کیے، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے محلوں میں کمال حاصل کر لیا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے سمندروں اور صحراؤں کو چھان مارا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو چاند ستاروں تک جا پہنچا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے سائنسی علوم سے حیرت انگیز مشینیں ایجاد کر ڈالیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔

آ..... بھولے بھٹکے مسافر میرے دروازے پر آ، میں تیرا رب ہوں، میں تیری ضروریات کا کفیل ہوں، میں تجھے حصولِ سکون کا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ چیزیں تجھے سکون نہیں دے سکتیں، اوظلوم اور مجہول انسان! تو کبھی کتنا بھٹکا ہے، انگاروں پہ بیٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈک نصیب ہو، گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتا ہے کہ مجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں، کانٹوں پر بستر بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ چین بھی نہ ہو، تیل چھڑک کر تیل جلاتا ہے اور چاہتا ہے کہ آگ بھی نہ لگے، اپنے خالق و مالک کو بھلا رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ پر پریشانیاں بھی نہ آئیں، او میرے ناسمجھ بندے!

نہ سیم و زر کی چھنا چھن تجھے سکون دے سکتی ہے، نہ تخت و تاج تیرے دل کے اضطراب کو دور کر سکتے ہیں، نہ رقص و سرور اور موسیقی تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے، نہ زنا کاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہے، نہ منشیات کا استعمال تیرے قلب و دماغ کو سکون دے سکتا ہے۔ اگر تجھے سکون ملا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا، میرے ذکر کی خوشبو سے ملے گا۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب:..... تمہیں دل کا سکون اور سچی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی، تم جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے، تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہیں ہوں گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورِ نبوت

ترتیب: مولانا محمود عباسی

بیٹی.....رحمت اور راحت کا سامان

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو صنفوں میں پیدا فرمایا ہے، ایک مرد اور ایک عورت، اس طرح پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے، مگر بیٹیوں کی پیدائش پر احادیث طیبہ میں بہت سے فضائل آئے ہیں، ملاحظہ ہوں:

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتہ بھیجتے ہیں جو (آ کر) کہتے ہیں: اے گھر والو تم پر سلامتی ہو، پھر اس بچی کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں، کمزور سے پیدا ہوئی ہو، قیامت تک اس کے کفیل (نگرانی کرنے والے) کی مدد کی جائے گی۔" (المعجم الصغیر للطبرانی)

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو، پھر وہ نہ تو اس کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرے اور نہ (برتاؤ میں) لڑکوں کو اس پر ترجیح دے یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسے لڑکوں کے ساتھ کرتا ہے، اس اچھے سلوک کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔" (مسند احمد، مستدرک حاکم)

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھی لڑکیوں کی پیدائش کے ذریعے آزمایا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کر کے (آزمائش میں کامیاب ہوا) تو یہ لڑکیاں اس کیلئے قیامت کے روز جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔" (ترمذی)

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص پر لڑکیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری ہو اور وہ اس کو صبر و تحمل سے انجام دے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔" (ترمذی)

☆.....اب جو لوگ بیٹی کی پیدائش پر رنجیدہ ہوتے ہیں، وہ خدارا ان فضائل پر ضرور غور کریں، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی کے پیدا ہونے پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ اہل جاہلیت کے فعل پر رد ہو جائے۔ (تفسیر روح البیان) مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت اور ذلت سمجھنا جائز نہیں یہ کفار کا فعل ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ج 5)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آوازِ حیا

رب کائنات و سماوات، ہمارے پاک ملک کے بھٹکے ہوئے، سوئے ہوئے اور غافل لوگوں کے دلوں کو ایمان و یقین کی جلاء عطا کردے! اخلاص اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ ''آگے بڑھنے اور عیش پسندی'' کے بھاگتے ہوئے قدموں میں قناعت کا احساس پیدا کردے، اب دل پارہ پارہ اور خون آلود انگلیوں میں لکھنے کی طاقت بھی نہیں رہی۔

اے میرے رب! تیرے پیارے رسولؐ کے امتی تجھ سے فریاد کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں، ہمیں نیت اور عمل دونوں کو بہتر کرنے کی توفیق عطا کر!

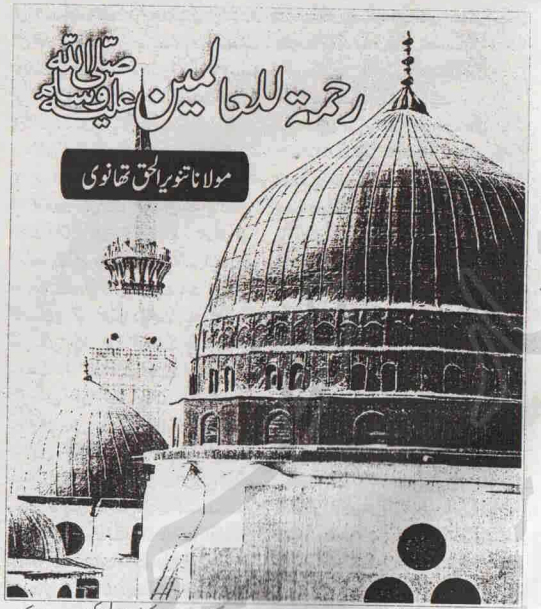
کیا حال کیا احوال! سلطنت مغلیہ کو تباہ کرنے والے اپنے نہیں، سات سمندر پار سے آنے والے غیر تھے، ہم بدنصیب اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں لٹ چکے ہیں! ملکی ذخائر گیس سے بھرے ہوئے ہیں، چولہے ٹھنڈے..... کاروبار بند! ریلوے کا محکمہ قائم، وزیر باتدبیر موجود، اعلیٰ افسران حاضر، ریل گاڑی غائب! ملکی ایئر لائن جس کا معیار بین الاقوامی تھا، ٹھپ، معلوم نہیں کیا دن دیکھیں گے اور کیا کیا برداشت کریں گے! ارباب اقتدار گندگی اور غلاظت کے سمندر سے ایک دوسرے پر ہاتھ بھر بھر کر کیچڑ اچھال رہے ہیں، ایک تالاب میں سب ننگے کھڑے ہیں! کیا کہوں.....! کیا لکھوں۔

ایران کا صدر معمولی گھر میں رہتا ہے، پرانے ماڈل کی کار میں سفر کرتا ہے، امیر ملک کا غریب صدر!

اور میرے غریب ملک کے امیر صدر، وزراء..... لکھنا بیکار ہے، الفاظ ختم ہو چکے ہیں!

ہاں ایک بات ضرور کہوں گی، دعاؤں کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے! اب ہر شخص کو اپنے حصے کا بوجھ خود اٹھانا ہے، دوسروں پر انگلیاں اٹھانے کے بجائے اپنے گریبان میں جھانکنا ہے۔

آپ کی مدیرہ
مہر افروز مہر



حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، جو اسلامی عقیدے کے مطابق ابھی تک بقید حیات ہیں اور اللہ خالق سماوات وارض نے ان کو آسمانوں میں اٹھالیا ہے اور قرب قیامت میں وہ زمین پر اتارے جائیں گے۔ اس تمہید کی ضرورت اس لئے پڑی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوات کے بعد تقریباً ساڑھے پانچ سو یا چھ سو سال تک دنیائے انسانیت اور مخلوق خدا، ہی کی ذات اقدس اور آسمانی تعلیمات سے یکسر محروم رہی۔ صورتحال کا اندازہ ایک بڑی آسان اور موٹی سی مثال کے ذریعے لگایا جاسکتا ہے، جیسے اسکول، کالج یا کسی مدرسے اور مکتب کی کلاس یا درجے میں شاگرد اور طلباء بغیر استاد کے رہ جائیں، بااستثنائے چند طلبا، جو دھما چوکڑی اور مچھلی بازار کا نقشہ نظر آتا ہے۔ فی زمانہ یہ مشاہدہ بالکل عیاں اور بیاں ہے، کچھ اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ حالات دنیا کے ہوگئے تھے، کاروبار زندگی درہم برہم ہوکر رہ گیا تھا، انسانی قدریں مٹ چکی تھیں، ماں، بہو، بیٹی کے امتیازات پامال ہو چکے تھے، معاشرتی ظلم وستم عروج پر تھا، بات بات پر خونریزی روز کا معمول تھا۔ غرضیکہ جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مال، عزت وآبرو کا تحفظ یکسر ختم ہو کر زندگی وحیوانیت کا راج تھا، اسی کو "دورِ جاہلیت" کے نام سے آج تک موازنے کے طور پر تحریر وتقریر میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنی مشہور "مسدس" میں منظوم انداز میں جا بجا پیش کیا ہے، مثلاً:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جب دنیا کے بے ڈھب حالات اس نہج پر پہنچ گئے تو رحمت خداوندی جوش میں آئی، غالباً عادت اللہ اور سنت اللہ بھی یہی ہے کہ ایک حد حالات وواقعات کی لازماً ہوتی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمت اور شانِ جمال کے کھلے مظاہر دکھاتے ہیں، چنانچہ قدرت کا رحمانی فیصلہ ہو گیا کہ اس بیش قیمت اور انمول موتی کو اس مبارک سیپ سے نکالا جائے جس کی بابت یہ کہنا بالکل بجا اور مبنی برحقیقت ہے کہ لا مثل لہ، ولا مثال لہ، ولا شبیہ لہ، ولا نظیر لہ..... (مراد یہ ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ کوئی مثل ہے، نہ مثال ہے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شباہت کسی میں پائی گئی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نظیر بن سکا) ان کا نام نامی اور اسم گرامی ہے "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم" اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار اور لاتعداد درود وسلام اور ان گنت انوار وبرکات و

لازوال رحمتیں نچھاور فرمائیں، آمین۔ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا مصداق تھا، اس مصرعہ کے:

آگئے پہلو میں راحت ہوگئی
اور دنیا سے پردہ فرمانا، ایسا لگا جیسے:
چل دیئے اٹھ کر قیامت ہوگئی

سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بڑی ہی غیر معمولی نوعیت کی ہے، صورۃً وظاہراً تو بشری ولادت کے انداز میں یکساں کہلائی جاسکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بشری ولادت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہمسر نہ پہلے ہوگا اور نہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی میں ہوسکتا ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا ایک بہت بڑا حصہ ان واقعات کا بھی ہے جو قبل ولادت عالم ظہور میں رونما ہوئے جو ہر خاص و عام نے چشم خود دیکھے اور محسوس کئے۔

سورۃ الفیل، ایک مشہور ومختصر (عام مسلمانوں کو زبانی یاد رہنے والی) سورت ہے، بظاہر اس کے کسی لفظ اور جملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا ذکر نظر نہیں آتا لیکن اس کو ایک خاص مناسبت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ ابرہہ نامی یمن کا بادشاہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا اور ارادہ یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور یوں اس کا نام ونشان ختم ہو جائے گا۔ واقعہ کی قدرے تفصیل عام طور پر سب کے علم میں یقیناً موجود ہی ہے۔ مختصر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا محترم جناب عبدالمطلب کعبے کے متولی تھے، وہ اپنی قوم یا خاندان کے افراد کو لے کر اس لئے پہاڑی پر چڑھ گئے کہ اللہ اپنے گھر کی حفاظت میں کسی کا محتاج نہیں ہے، بہرحال ہاتھی والوں کو بڑی ہی عبرتناک شکست کے ساتھ ساتھ بدترین ہلاکت و بربادی بھی ہوئی۔ اس واقعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ولادت پاک کا جو ڑ یہ بتایا جاتا ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد ابھی پچاس یا پچپن دن باقی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں خانہ کعبہ کو محفوظ ومامون بنا دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے قبل جو عجیب وغریب نشانیاں دیکھی گئیں ان کو "ارہاص" کہا جاتا ہے، جیسے مثال کے طور پر ایک بہت ہی اہم واقعہ زم زم کے کنویں کی بازیابی کا ہے کہ اسی ایک واقعہ میں دو نعمتوں کا حصول بھی کسی رحمت سے کم نہیں ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس جرہم قبیلے کے ایک ممتاز شخص مضاض بن عمرو کی لڑکی سے شادی کی، ان سے بارہ اولاد ہوئیں، جن کے نام تورات میں مذکور ہیں، گویا کہ کعبہ کی تولیت خاندان حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں ایک عدنان بھی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے خاندان سے ہیں۔ قبیلۂ بنی جرہم کا جھگڑا بعض قبائل سے ہوا تو بالآخر وہ اراضی کعبہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور جاتے جاتے محض انتقاماً اپنا غصہ اور غبار نکالنے کے لئے چاہِ زم زم کو ایسا بند کر گئے کہ پھر اس کا نام ونشان ہی نہ مل سکا، حالانکہ عرب میں پانی کا مل جانا ایک بہت ہی بڑی نعمت تصور کیا جاتا تھا، پانی کی خاطر تو لوگ قتل مکانی کیا کرتے تھے۔ روایات میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ احفر برّہ (برّہ کو کھودو) انہوں نے پوچھا برّہ کیا ہے؟..... وہ کیفیت ختم ہوگئی، پھر اگلے روز دیکھا کہ کہا جارہا ہے، احفر مضنونۃ (مضنونہ کو کھودو)..... پوچھا مضنونہ کیا ہے؟ کیفیت ختم ہوگئی۔ تیسرے روز حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے کہ احفر زمزم (زم زم کو کھودو) دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ کل صبح ایک کوا کعبے کے قریب جس جگہ ٹھونگیں مارتا ہوا نظر آئے، وہی جگہ زم زم کے کنویں کی ہے۔ یہ روایت بھی ہے کہ فرشتے کے ذریعے سے چاہِ زم زم کی نشاندہی کرائی گئی۔ بہرحال حضرت عبدالمطلب نے صرف اپنے بڑے لڑکے حارث کو ساتھ لیا اور کھودنا شروع کیا لیکن یہ تنہا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ ایسے وقت میں انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے تو میں یہ کنواں ان کے ساتھ مل کر کھودسکوں گا اور ایک بیٹے کو راہِ خدا میں قربان بھی کردوں گا، اللہ نے یہ آرزو پوری کی، دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو، کس کے نام پر نکلتا ہے؟ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا، جو کہ والد ماجد ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور صلب پدر (باپ کی پشت) میں آپ آرام فرما ہیں لیکن حضرت عبداللہ کچھ اتنے غیر معمولی حسین وجمیل تھے اور بھائیوں میں چھوٹے بھی تھے، اس لئے خاندان کی عورتوں اور تمام بہنوں نے رونا شروع کردیا۔ وہ عبداللہ کو ذبح کرنے کے حق میں نہ تھیں، حضرت عبدالمطلب کے دوست احباب بھی آڑے آئے، بہ مشکل تمام عبدالمطلب کو اس پر آمادہ کیا کہ عبداللہ کے فدیہ میں اونٹ ذبح کردیئے جائیں۔ چنانچہ عبداللہ اور اس اونٹوں کی پرچی ڈالی گئی تو پھر عبداللہ کا نام نکل آیا، پھر یہ رائے ہوئی کہ دس اونٹ مزید بڑھا دیئے جائیں، غرضیکہ ہر بار دس اونٹ کا اضافہ کیا گیا۔ 90 اونٹوں تک ہر بار حضرت عبداللہ کا نام نکلا لیکن سو اونٹوں پر جا کر اونٹوں کی پرچی نکل آئی۔ اونٹوں کی قربانی دے کر عبداللہ کی جان بچ گئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل انسانی جان کی قیمت دس اونٹ ہوا کرتی تھی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلب پدر میں موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حضرت عبداللہ کی جان بچ گئی اور انسانی جان کی قیمت میں دس سے بڑھا کر 100 اونٹوں کے برابر کردی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی..... غرضیکہ ایسی بہت سی نشانیاں اور علامتیں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک سے قبل ظہور میں آئیں۔ یہاں تک کہ ایک قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت 12 ربیع الاول، پیر کے دن، صبح کا سہانا وقت تھا، ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ ہدایت ورحمت کا یہ آفتاب افق مکہ پر طلوع ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے 8 سے لے کر 12 تک بتائی جاتی ہے، اصل میں یہ اختلاف بڑے بڑے علماء کی تحقیق کے مطابق ہے جن کو غلط نہیں کہا جاسکتا، لیکن فی زمانہ ہمارے مسلمان بھائی اس کو حق و باطل کی جنگ میں بدل دیتے ہیں اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو علمائے دین پر اس الزام کو تھوپتے ہوئے موازنہ کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے تو اپنے نبی کی ولادت کی تاریخ 25 دسمبر کو محفوظ رکھا لیکن مسلمان اتنا بھی نہ کرسکے۔ ان دونوں طبقوں کی اصلاح کے لئے عرض کرتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کا مسئلہ کوئی اخروی نجات کا نہیں ہے۔ قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے، کسی بھی مسلمان کی نجات اس سوال پر موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ اس بحث میں الجھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم گرامی دادا نے "محمدؐ" اور والدہ ماجدہ نے "احمدؐ" رکھا۔ روایت یہ ہے کہ ان دونوں ناموں کی بشارت دادا اور والدہ کو خواب میں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد جو سب سے پہلی فضیلت ظاہر ہوئی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی روایت ہے کہ جب آپ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بطن سے جدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نور نکلا جس کے سبب مشرق ومغرب کے درمیان سب روشن ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دیئے ہوئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ اسی نور کا ذکر ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ اس نور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے شام کے محل دیکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی واقعہ کی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات ولادت میں یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آگیا اور 14 کنگروں کا گر پڑنا، بحیرۂ طبریہ کا دفعتاً خشک ہوجانا اور فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا جو ایک ہزار برس سے برابر روشن تھا کہ کبھی نہ بجھا تھا۔ یہ واقعات اشارہ ہیں، سلطنت فارس وشام کے زوال کی طرف، ایک یہودی نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان میں ایک فشانی، مہر نبوت دیکھی تو بے ہوش ہوکر گر پڑا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے گروہ قریش! سن رکھو، واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ مشرق اور مغرب سے اس کی خبر شائع ہوگی۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا، پھر ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ نے پلایا اور اس کے بعد رواج کے مطابق چونکہ شہر کے رؤسا اور شرفا اپنے شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرسکیں، نیز یہ کہ عرب کی خالص خصوصیات بھی اس طرح محفوظ رہتی تھیں، اس دستور کے مطابق قبیلۂ ہوازن کی ایک بہت ہی نیک خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کے نصیب میں یہ سعادت آئی اور انہوں نے دودھ پلا کر دو برس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ ماجدہ کے سپرد کردیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو مدینہ سے واپسی پر مقام ابواء میں والدہ

ماجدہ کا انتقال ہوگیا اور یہیں مدفون ہوئیں اور جب آٹھ برس کے ہوئے تو دادا حضرت عبدالمطلب بھی بیاسی سال کی عمر میں انتقال فرما گئے اور مقام حجون میں مدفون ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور حضرت ابوطالب سگے (ایک ہی ماں کے بطن سے) بھائی تھے، اسی لئے عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا۔ ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے، اپنے ساتھ سلاتے اور باہر بھی (کھانے پھرانے کے لئے) اپنے ساتھ ہی لے کر جاتے۔ عرب میں چونکہ بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا، بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ دس سال کی عمر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، گویا کہ آگے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق خدا اور کل انسانوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی سیرت وکردار کی نگرانی کا فرض منصبی انجام دینا تھا، اس کا تجربہ اس کم سنی ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرادیا گیا۔

قارئین کرام! جو کچھ احقر نے لکھ دیا، وہ اللہ کے کرم سے ہے اور جو نہ لکھ سکا وہ مجھ سمیت کسی کے بھی بس کی بات نہیں، بقول شیخ سعدیؒ:

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہنیاں در اول وصف تو ماندہ ایم

شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں صدیوں سے لکھنے والوں کی عمریں گزر گئیں لیکن انہوں نے اعتراف کرلیا کہ اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کا حق ادا نہ کرسکے۔

میں اپنی اس پُرسعادت تحریر کو ایک نکتے پر اختتام پذیر کررہا ہوں۔

وہ یہ کہ شکم مادر سے لے کر حضرت ابوطالب کی آغوش تربیت تک اور اس کے بعد بھی، مسلسل پے در پے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یتیمی کے حالات آتے رہے۔ پیدائش سے تقریباً دو ماہ قبل والدہ ماجدہ عبداللہ کا سایہ اٹھ گیا، پھر والدہ اور دادا بھی چلے گئے۔ اللہ قادر مطلق اپنی قدرت ذوالجلال والاکرام کا بھرپور مشاہدہ آسمان وزمین اور کائنات کے ذرے ذرے سمیت قیام تک آنے والے کل بنی آدم کو کھلے کانوں اور جاگتی آنکھوں کرانا چاہتا ہے کہ جب میں بڑے سے بڑا عظیم الشان کام کسی سے لینے پر آجاؤں تو ایک یتیم بچے سے لے کر دکھادیا اور بڑی بڑی طاقت اور ساز وسامان رکھنے والے بھی عاجز رہ جاتے ہیں۔ آج بھی وہ اللہ کسی بھی چیز میں کسی غیر اللہ کا محتاج نہیں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں بن کر آئے اور وہ عظیم انقلاب پیدا کرگئے کہ اس کی مثال رہتی دنیا تک بھی پیش نہیں کی جاسکتی، بقول شاعر:

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

یہ پیغمبرانہ کارنامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نے انجام دیا لیکن 1433 سال بعد اس سرمایۂ حیات کی بقاء صرف اور صرف اس شعر میں مضمر ہے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب کا قطعہ ہے:

تم اب بھی سب پہ بھاری ہو ذرا تسلیم اگر کرلو
وہ قوت حق نے دی ہے ایک اگر سر دو تو سو سر لو
دلوں کو بغض سے خالی کرو، اخلاص سے بھر لو
نہ خود رائی کرو ہر امر میں تم حکم رہبر لو
اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



دین اسلام سلامتی اور عافیت کا دین اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا سلامتی وعافیت کی ضمانت ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات قیامت تک بنی نوع انسان کی فلاح وہدایت کے لئے ہیں اس جہاں فانی میں یہ تعلیم ہر اس غیر مسلم کے لئے بھی مفید ہے جو اس پر عمل پیرا ہو، مسلمان کو تو خصوصی طور پر اس کا پابند ہونا چاہئے تاکہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو۔

زندگی کے تمام شعبہ جات میں رہنمائی حاصل کرنے کا ذریعہ شریعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مکمل اور واضح ہدایات عطا فرمائی ہیں، ان ہدایات میں اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حقوق العباد کی مکمل تشریح ہے۔ حقوق العباد دین کا بہت اہم شعبہ ہے اور یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ حقوق اللہ ادا نہ کرنے کے گناہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خدانخواستہ حقوق اللہ کی ادائیگی سے متعلق کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کا علاج بہت آسان ہے کہ انسان کو جب بھی اس پر ندامت پیدا ہو تو توبہ استغفار کر لے لیکن بندوں کے حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اگر اس پر کبھی ندامت ہو اور اس پر توبہ استغفار کر لے تب بھی وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک کہ حق دار کو اس کا حق نہ پہنچایا جائے یا جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کردے اس لئے حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

حقوق العباد سے غفلت:..... حقوق العباد کا معاملہ جتنا سنگین ہے ہمارے معاشرے میں اس سے غفلت اتنی ہی عام ہے، ہم لوگوں نے چند عبادات کا نام دین سمجھ رکھا ہے، یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، تسبیح وغیرہ ان چیزوں کو تو ہم دین سمجھتے ہیں لیکن حقوق العباد کو ہم نے غیر ضروری سمجھ رکھا ہوا ہے، اس میں اگر کوئی شخص کوتاہی یا غلطی کرتا ہے تو اس کو اس کی سنگینی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے:..... اسلامی فقہ جس میں شریعت کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اس کو اگر چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک حصہ عبادت کے بیان پر مشتمل ہے اور بقیہ تین حصے حقوق العباد کے بیان میں ہیں یعنی ان میں معاملات، معاشرت اخلاق وکردار کو سمجھایا گیا ہے۔

والدین کے حقوق:..... حقوق العباد میں اہم حق والدین کا ہے، اس لئے قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں

اس حق کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، والدین کا مقام اتنا اونچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے بعد فوراً والدین کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ والدین کی حیثیت اللہ تعالیٰ نے کیسی عظمت والی بنائی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔“ (پارہ نمبر ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۲۳)

اسی طرح قرآن کریم میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور والدین سے اچھا سلوک کرو گے۔“ (پارہ نمبر ۵، سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۶)

والدین کے ادب واحترام اور اطاعت کی بڑی اہمیت ہے، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے، جیسا کہ سورۃ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے۔

ترجمہ: تم میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔ (پارہ نمبر ۲۱، سورۃ لقمان، آیت ۱۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا واجب ہے۔

والدین کی اطاعت وخدمت کے فضائل احادیث کی روشنی میں

(۱)..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: نماز اپنے وقت پر ادا کرنا، اس نے پھر دریافت کیا، اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے، تو آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ (صحیح بخاری)

(۲)..... حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے اس کی حفاظت کرو یا ضائع کرو۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم)

(۳)..... حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

(۴)..... حضرت ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے، ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں ہی تیری جنت ہیں یا دوزخ، مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں۔ (ابن ماجہ)

(۵)..... بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں اور ابن عساکرؒ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لئے اپنے ماں باپ کا فرماں بردار رہا، اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھلے رہیں گے اور جو ان کا نافرمان ہو، اس کے لئے جہنم کے دو دروازے کھلے رہیں گے، اگر ماں باپ میں کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت یا دوزخ کا کھلا رہے گا، اس پر ایک شخص نے سوال کیا، یہ جہنم کی وعید کیا اس صورت میں بھی ہے کہ ماں باپ نے اس شخص پر ظلم کیا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی اور ان کو ایذا رسانی پر جہنم کی وعید ہے، خواہ ماں باپ نے لڑکے پر ظلم کیا ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کہ انہوں نے ظلم کیا ہو تو یہ بھی ان کی خدمت و اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ (بیہقی، ابن عساکر)

حج مقبول کا ثواب

(۶)..... بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو خدمت گزار بیٹا اپنے والدین پر رحمت و شفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں (۱۰۰) سو مرتبہ اس طرح نظر کرلے، آپ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا۔

والدین کی حق تلفی کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں

(۷)..... بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابی بکرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور سب گناہوں کی سزا تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں قیامت تک مؤخر کر لیتے ہیں، سوائے والدین کی حق تلفی اور نافرمانی کرنے والے کے کہ اس کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی دی جاتی ہے۔ (بیہقی)

جنت ماں کے قدموں میں ہے

(۸)..... معاویہؓ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ سے اس بارے میں مشورہ کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا، کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر ان ہی کے پاس ان کی خدمت میں رہو، ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، نسائی)

باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک

(۹)..... حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اعلیٰ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے مرنے کے بعد یا اس کی غیر موجودگی میں اس کے دوستوں کے ساتھ احسان و سلوک کرے۔ (مشکوٰۃ شریف)

والدین کا حق

(۱۰)..... حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے، ان کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، یہ میرے والد ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے آگے نہ چلنا، ان سے پہلے نہ بیٹھنا، ان کا نام لے کر نہ پکارنا، ان کو برا نہ کہنا۔ (الطبرانی)

والدین کی خدمت کا نتیجہ دنیا میں

حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے، وہ بیمار ہوا، ان بیٹوں میں سے ایک نے اپنے تین بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمارداری اس شرط پر کرو کہ تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا تو تم کرو، ورنہ میں اس شرط پر تیمارداری کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لوں گا، وہ اس پر راضی ہو گئے کہ تو ہی اس شرط پر تیمارداری کر ہم نہیں کرتے، اس نے خوب خدمت کی، لیکن باپ کا انتقال ہو گیا اور شرط کے موافق اس نے کچھ نہ لیا، رات کو خواب میں دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے، فلاں جگہ سو دینار (اشرفیاں) مدفون ہیں، وہ تو لے لے، اس نے خواب ہی میں دریافت کیا، ان میں برکت بھی ہوگی، اس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے، صبح کو بیوی سے خواب کا ذکر کیا، اس نے ان کے نکالنے پر اصرار کیا، اس نے نہ مانا، دوسرے دن پھر خواب دیکھا، جس میں کسی دوسری جگہ دس دینار بتائے، اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا، اس نے کہا، برکت اس میں نہیں ہے، اس نے صبح کو بیوی سے اس کا بھی ذکر کیا، اس نے پھر اصرار کیا، مگر وہ نہ مانا، تیسرے دن پھر اس نے خواب دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے، فلاں جگہ جا، وہاں تجھے ایک دینار (اشرفی) ملے گا، وہ لے لے، اس نے پھر وہی

برکت کا سوال کیا، اس شخص نے کہا، ہاں اس میں برکت ہے، یہ جا کر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جا کر اس سے دو مچھلیاں خریدی، جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا جس قسم کا موتی کسی نے نہیں دیکھا تھا، بادشاہ وقت نے ان دونوں کو بہت اصرار سے نوے (۹۰) خچروں کے بوجھ کے بقدر سونے سے خریدا۔

والدین کی نافرمانی کا وبال

والدین کی اطاعت واجب ہے، اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض ہو جاتا ہے اور بالکل ایسا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے، بشرطیکہ ماں باپ جس کام کا حکم دے رہے ہیں، وہ شرعاً جائز ہو اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو ایسا گناہ ہے جیسا نماز چھوڑ دینا گناہ ہے، اس کو عقوق الوالدین کہا جاتا ہے، یعنی والدین کی نافرمانی اور بزرگوں نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

والدین کے ساتھ خیر خواہی پر جنت میں داخلہ

ایک شخص کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہوں گے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نہ جنتی ہے اور نہ جہنمی، اتنے میں ایک فرشتہ ایک صحیفہ لا کر اس کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھے گا، جس پر اُف (والدین کی تکلیف وصدمہ کی آواز) لکھا ہوا ہوگا، جو بدی کے پلڑے کو وزنی کر دے گا، اس لئے کہ وہ اُف ایسا کلمہ ہے جو دنیا کے پہاڑوں کے مقابلے میں بھاری ہے، چنانچہ اس کے لئے جہنم کا فیصلہ ہوگا، وہ شخص اللہ تعالیٰ سے جہنم سے نجات کی درخواست کرے گا، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے، اس کو واپس لاؤ، پھر اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے، اے ماں باپ کے نافرمان، تو کس بناء پر جہنم سے چھٹکارے کی درخواست کرتا ہے، وہ شخص کہے گا، اے رب میں جہنم میں جانے والا ہوں، مجھے وہاں سے چھٹکارا نہیں، کیونکہ میں والد کا نافرمان تھا اور میں اچھی دیکھ رہا ہوں کہ میرا باپ بھی میری طرح جہنم میں جانے والا ہے، لہٰذا میرے باپ کے بدلے میرا عذاب دوگنا کر دیا جائے اور ان کو جہنم سے چھٹکارا دیا جائے، یہ سن کر اللہ تعالیٰ ہنس پڑیں گے اور فرمائیں گے، دنیا میں تو اس کا نافرمان تھا اور آخرت میں تو نے اس کو پچالیا، پکڑ اپنے باپ کا ہاتھ اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔ (المتذکرہ القرطبی/۳۱۹، زرقانی، ۱/۳۱۹)

عبرتناک واقعہ

ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی نزع کا وقت تھا، سب لوگ یہ کوشش کر رہے تھے کہ زبان پر کلمہ جاری ہو جائے، مگر اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا تھا، چنانچہ لوگ ایک بزرگ کو لائے اور ان سے پوچھا کہ اس کا کیا عمل نکالا جائے کہ اس کی زبان پر کلمہ ہو جائے، آپ اس کے لئے معافی مانگئے، انہوں نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے والدین کی نافرمانی کی ہے، اس کے نتیجے میں اس پر یہ وبال آیا ہے، جب تک ان کی طرف سے معافی نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوگا، اس بات سے اندازہ لگائیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا اور ان کا دل دکھانا کتنی خطرناک اور وبال کی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

ماں کی خدمت کا نتیجہ

..... ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے، امام غزالیؒ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کیا، لیکن بعد میں جب ان کی خدمت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا، لہٰذا اس خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

والدین کے انتقال کے بعد بھی مغفرت

..... حضرت مالک بن ربیعہؓ نے فرمایا کہ ہم ایک مرتبہ رسول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنوسلمہ کے ایک صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا والدین کی وفات کے بعد بھی میرے اوپر والدین کے ساتھ کوئی ایسی نیکی کرنا باقی رہتا ہے جو میں ان کے ساتھ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لئے استغفار کرنا، ان کے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کا اکرام کرنا اور ان رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا جن کے ساتھ صلہ رحمی صرف ان کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ایک حدیث میں آتا ہے، جو لڑکا اپنے والد کے مرنے کے بعد جمعہ کو قبرستان جائے تو اللہ کی طرف سے اس جانے والے کے لئے مغفرت کا اعلان ہے۔ آپ دیکھئے ہمارا دین اسلام کیسا بہترین دین ہے کہ کوئی مرنے کے بعد بھی اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے، اللہ کے یہاں پھر بھی مغفرت ہے۔

والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت:.....

اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد کو اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ہم نے کتنی بڑی نعمت کھو دی اور ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا، اس کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ رکھا ہے، فرمایا کہ اگر کسی نے والدین کے حقوق میں کوتاہی کی ہو اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو تو اس کی تلافی کے دو راستے ہیں، ایک ان کے لئے ایصال ثواب کی کثرت کرنا، جتنا ہو سکے ان کو ثواب پہنچائے۔

صدقہ دے کر، یا نوافل پڑھ کر، یا روزہ رکھ کر یا قرآن کریم کی تلاوت کرکے، ہو، اس کے ذریعے اس کی تلافی ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ والدین کے اعزا اقرباء دوست احباب کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا ماں باپ کے ساتھ کرنا چاہئے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی تلافی فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور سب انسانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

والدین کی اطاعت کن چیزوں میں واجب ہے اور کہاں صرف اختلاف کی گنجائش ہے، اس پر علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے، ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں ہے، حدیث میں ہے: ”خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“ مثلاً والدین کہیں داڑھی کٹاؤ، ناچ کسی کو قتل کرو، نماز چھوڑ دو تو یہ بات نہیں مانی جائے گی۔

مسئلہ:..... جب تک جہاد فرض عین نہ ہو جائے فرض کفایہ کے درجے میں رہے، اس وقت تک کسی لڑکے کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہونا جائز نہیں۔

مسئلہ:..... جب کوئی چیز فرض عین یا واجب علی العین نہ ہو، کفایہ کے درجے میں ہو تو اولاد کے لئے وہ کام بغیر ماں باپ کی اجازت کے جائز نہیں، اس میں تکمیل علم دین حاصل کرنا اور تبلیغ دین کے لئے سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے یا لوگوں کو تبلیغ و دعوت کے لئے جائے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔

مسئلہ:..... والدین کے ساتھ حسن سلوک کا جو حکم قرآن وحدیث میں آیا ہے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی تھی، ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے، خصوصاً ان کی وفات کے بعد۔

خلاصہ:..... ان آیات قرآنیہ، احادیث طیبہ اور واقعات سے حاصل کلام یہ نکلا کہ والدین اللہ تعالیٰ کے طرف سے بہت بڑی نعمت ہیں اور والدین کی نعمت دنیا میں ایک بار ہی ملتی ہے، بار بار نہیں ملتی، تو ہم سب کو چاہئے کہ ہم والدین کی قدر کریں، ان کی اطاعت کریں، کیونکہ آنکھوں کی قدر کوئی نابینا سے پوچھے اور زبان کی قدر گونگے سے پوچھے اور ماں باپ کی قدر کوئی

اس سے پوچھے، جس کے ماں باپ نہ ہوں۔

یہ تمام باتیں ہم نے پڑھیں، اب اس کو پڑھنے کے بعد ہم اپنے آج کے اس ماحول اور اس زمانے کا جائزہ لیں کہ ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے، ماں باپ کو غصے سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ گالی گلوچ سے بات کی جاتی ہے، ماں باپ کو قتل کی دھمکی تک دی جاتی ہے بلکہ بعض بدبخت قتل بھی کردیتے ہیں، یہ سب کچھ آج اس زمانے میں ہو رہا ہے، بیوی کو حیثیت دی جاتی ہے اور ماں باپ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ ان کو ذلیل کرکے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے، آج یہ سب کچھ اس معاشرے میں ہو رہا ہے اس کو عقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی کہا گیا ہے جبکہ ایک حدیث میں آتا ہے چار شخصوں کی لیلۃ القدر میں بھی بخشش نہیں ہوتی۔

(۱) شراب پینے کا عادی، (۲) قطع رحمی کرنے والا، (۳) بغض رکھنے والا، (۴) والدین کا نافرمان۔

تربیت اولاد

جس طرح حقوق العباد میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کی عزت وخدمت اور ان کا احترام کرے، اسی طرح والدین پر بھی شریعت نے یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی درست تربیت کریں۔

قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں اس جانب بھی خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

قرآن کریم اور تربیت اولاد

☆.....اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۲)

☆.....اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) آگ سے۔

احادیث طیبہ اور تربیت اولاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد اپنے گھر کا رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اپنے بیٹے کو ادب سکھائے، یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر سکھاؤ اور باادب بناؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت۔ (الطبرانی)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور جنگیں اسی طرح یاد کرایا کرتے تھے، جس طرح انہیں قرآن کریم کی سورتیں یاد کراتے تھے۔

امام غزالیؒ نے ”احیاء العلوم“ میں یہ وصیت کی ہے کہ بچے کو قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور نیک لوگوں کے واقعات اور دینی احکام کی تعلیم دی جائے۔

اچھی تربیت کے ثمرات

انسان کو اچھی صحبت اچھا بناتی ہے اور بری صحبت اس کو برا بنا دیتی ہے، اگر ہم نے اپنے گھر کا ماحول شروع ہی سے یہ رکھا کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولنا، سچ بولنا ہے، نماز کا اہتمام کرنا ہے اور بڑے لوگوں کی عزت کرنا، علمائے کرام کی قدر کرنا، ان کی توہین نہ کرنا، تو جب یہ بچہ بڑا ہوگا تو صرف یہ خود ہدایت یافتہ ہوگا، بلکہ کتنے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بچپن ہی سے اللہ اللہ کہنا سکھائیں اور اللہ والے لوگوں کی صحبت اور ان کی مجالس میں لے کر جائیں، اس سے بہت فائدہ ہوگا، شیخ ابوطالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہے:

”ایک سالک نے ایک اللہ والے سے عرض کی کہ میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے بہت غافل ہوں، نیکیوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معاملے میں سست اور بہت کاہل ہوں، کوئی نصیحت فرمائیے کہ میں اس کی تلافی کروں، انہوں نے جواب دیا، بھائی! اگر تو اولیاء اللہ سے محبت کر سکے، ان کی قربت حاصل کر سکے تو فوراً کر، شاید وہ تجھے اپنے دل میں رکھ لیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر روز ستر بار اپنے اولیاء کے قلوب پر نظر رحمت فرماتے ہیں، شاید کسی دن اس کی محبت کی وجہ سے جو تو ان سے رکھتا ہے، تیری جانب بھی نظر رحمت سے دیکھ لے اور تجھے دنیا و آخرت کی پریشانی سے اور گناہوں سے نجات مل جائے۔"

یہ بات تو مشہور ہے، بچپن کی عادت، بچپن تک نہیں جاتی، اگر ہم نے اپنے بچوں کی درست تربیت کی اور اپنے بچوں کی عادت بچپن ہی سے لباس میں شلوار قمیص کی ڈالی اور ان کو سلام کرنے کی عادت ڈالی، کھانا سنت طریقے سے، سونا جاگنا وغیرہ سنت طریقے سے سکھایا اور اس کا عادی بنایا تو وہ اپنی زندگی یہود و نصاریٰ کے طریقے سے نہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے طریقے سے گزاریں گے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا ایک واقعہ: .....شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "آپ بیتی" میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں باپ نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوبصورت تکیہ بنا دیا تھا جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے، مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی اور ہر وقت اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے، ان کو تکیہ کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ ابا جی میرا تکیہ لے لیجئے، یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس طرح پیش کیا جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا ہو، لیکن جس وقت وہ تکیہ میں نے پیش کیا، اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چیٹ رسید کی اور فرمایا: ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو درحقیقت باپ کی عطا ہے، لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا تھا، اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگا دی، لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی اور اس کے بعد سے ذہن کا گویا رخ ہی بدل گیا۔

اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی چاہئے، تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور بچہ صحیح طور پر نکھر کر سامنے آتا ہے۔

بری صحبت کے نتائج:.....جو اچھوں میں بیٹھے گا، اللہ اس کو اچھا بنائے گا، جو بروں میں بیٹھے گا، وہ برا بنے گا، اچھی بری صحبت کے اثرات بچوں اور بڑوں سب پر ہی پڑتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نبی اور پیغمبر ہیں، ان کا لڑکا بروں کے ساتھ رہا، وہ طوفان نوح میں غرق ہو گیا۔

یہ والدین کا فریضہ ہے کہ وہ بچے کے دوستوں پر نظر رکھیں، اسے بری صحبت سے اور ڈش، وی سی آر، ویڈیو گیم وغیرہ سے بچائیں، وہی والدین اولاد کی صحیح تربیت کر سکتے ہیں جو اس جانب ابتداء سے توجہ دیتے اور اولاد کی نگرانی کرتے ہیں۔ آج والدین اپنی اولاد کی نافرمانی کا شکوہ تو کرتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس میں اصل قصور تو ان کا اپنا ہے، اگر وہ بچوں کی درست تربیت کرتے، انہیں شروع سے اپنے حقوق سے روشناس کراتے، بری صحبت سے بچانے کا اور دینی تعلیم دینے کا اہتمام کرتے، اللہ والوں کی صحبت کا اور نماز روزے کا عادی بناتے تو آج وہ بڑھاپے میں والدین کے لئے درد سر بننے کی بجائے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتے، ان کی خدمت کرتے اور انہیں راحت پہنچاتے۔

آیئے! عزم کریں کہ ہم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں گے، اللہ تعالیٰ اس کے ثمرات ہمیں ہماری زندگی ہی میں دکھلا دے گا، کیونکہ وہ کسی کی محنت ضائع نہیں کیا کرتا۔

اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا

مولانا عبدالستار

اللہ رب العزت نے اس دنیا کا سلسلہ ایسا بنایا ہے کہ کچھ چیزوں میں انسان کو با اختیار بنایا ہے اور کچھ چیزوں کا اختیار صرف اپنے پاس رکھا ہے اور ان میں انسان کو بے اختیار کر دیا ہے، اتنا اختیار تو اسے دیا ہے کہ وہ بیج ڈالے لیکن اگلا مرحلہ کہ اس بیج کی نشوونما ہوتی ہے یا نہیں، یہ اختیار اپنے پاس رکھا ہے، یہ اختیار تو بندے کے پاس ہے کہ دکان کھول کر بیٹھ جائے لیکن اب اس کی دکان پر گاہک آئے گا یا نہیں، یہ اختیار اپنے پاس رکھا ہے، نسل انسانی کے بقاء کے لئے زوجیت کے رشتہ کو قائم کرنے اور شادی کرنے کا اختیار تو اس کے پاس ہے لیکن اب اس شادی کے بعد یہ صاحب اولاد بنتا ہے یا نہیں، یہ اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے تو اسباب و وسائل کو ترتیب دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے لیکن پھر ان ثمرات کا ظاہر ہونا اور نتیجہ کا مرتب ہونا اس کا اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔

میرے عزیزو! اب اگر یہ بندہ اللہ کے اختیار میں دخل اندازی شروع کر دے گا کہ یوں نہیں، یوں ہونا چاہئے تھا، ایسے نہیں ایسے ٹھیک ہے تو پریشان ہو جائے گا اور اگر اللہ کے اختیار پر اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جائے گا کہ جیسے میرے مولیٰ نے چاہا لیا ہے، میں اس پر دل و جان سے راضی ہوں تو دنیا جنت بن جائے گی۔

بیٹے کا پیدا ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے، اب اگر بیٹی پیدا ہو جائے یہ بہ پریشان ہو جائے تو نادانی ہوگی، اولاد کا ملنا اس کے اختیار میں نہیں ہے، اب تاخیر پر پریشان ہونا ہے تو اپنی زندگی خراب کرے گا، اچھی معیشت کے لئے اسباب اختیار کر سکتا ہے لیکن خوشحال معیشت کا مل جانا اس کے اختیار میں نہیں ہے، غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے گا تو پریشان ہو جائے گا۔

ہاں میرے عزیزو! اس دنیا کو جنت بنایا جا سکتا ہے، پرسکون بنایا جا سکتا ہے، راحت اور چین سے بھرپور بنائی جا سکتی ہے، جب بندے میں یہ خوبی پیدا ہو جائے کہ غیر اختیاری چیزوں میں اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا اسے آ جائے، اے اللہ! اگر تیری چاہت یہ ہے تو میں بھی اس پر راضی ہوں، یہ ایمان والوں کی سب سے بڑی خوبی ہے، اللہ رب العزت نے حضرات صحابہ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:..... "اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی"

میرے عزیزو! یہ بڑا کمال تھا ان کا، وہ تو ایسے اللہ کی رضا پر راضی تھے کہ پتھی ریت پر لٹائے جاتے، انگاروں پر جلائے جاتے نیزے پر اٹھائے جاتے، پھانسی کے پھندوں پر لٹکائے جاتے، پیٹ پر پتھر باندھے کی نوبت آ جاتی لیکن تب بھی اپنے مولیٰ سے راضی رہے، مجال ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ کبھی ان کی زبانوں پر شکوے کے کلمات آئے ہوں، کیونکہ وہ دنیا کی حقیقت کو سمجھ چکے تھے کہ اس دنیا میں جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور جسے اللہ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے اس پر راضی ہو جانے میں ہی بھلا ہے۔

آج کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جن کی پریشانیوں کی وجہ سے صرف یہی ہے کہ وہ ان حالات کو سنوارنا چاہتے ہیں جو ان کے اختیار میں نہیں ہیں، ارے نادان ہیں، انہیں بھی دور کیا جائے اور کسی کام کے بننے اور سنورنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ "اللہ کی نافرمانی اور نارضگی والے اعمال" ہیں اور یہ آج ہم سب کی زندگیوں میں موجود ہیں، اس لئے انہیں بھی دور کیا جائے، سب سے پہلے کرنے کا کام یہی ہے کہ اپنی زندگیوں کو گناہوں سے پاک کیا جائے اور پھر جائز حد میں رہ کر اسباب اختیار کئے جائیں اور پھر بھی اگر کام کے بننے میں تاخیر ہو رہی ہے تو اسے اللہ کی رضا سمجھ کر راضی ہو جائے کہ اللہ کی رضا یہی ہے اور ہم اس پر راضی ہیں، یہ بہت بڑا کمال ہے، بہت بڑھیا خوبی ہے۔

ہمارے دل کو اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے حالات پر راضی ہونا اللہ تعالیٰ کے ہم سے راضی ہونے کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ یہ کیفیت ہم سب میں پیدا فرمادے۔ اللہ رب العزت ہم سے راضی ہیں، اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اسباب اور تدبیر کرنے کے بعد جو بھی نتیجہ آجائے، جو بھی ثمرہ ظاہر ہو جائے اس پر ہمارا دل پریشان نہ ہو اور دوسری علامت یہ ہے کہ امتحان کی گھڑی میں اللہ سے تعلق اور بڑھ جائے تاکہ پتہ چلے کہ اسے اللہ رب العزت نے صفت رضا عطا فرمادی ہے، کیونکہ ہمارے بس میں تو تدبیر کرنا اور اسباب کا اختیار کرنا ہے، اس سے آگے تو کچھ نہیں کر سکتے، اس لئے پھر جو بھی نتیجہ آجائے اس پر دل و جان سے اللہ سے راضی ہو جائیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ جب یہ اللہ کے دربار میں پہنچیں گے تو اللہ رب العزت فرشتوں کے ذریعے یہ اعلان کروائیں گے۔

"اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آجا کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی۔"

یعنی چل اب اللہ کی طرف، آج اللہ بھی تم سے راضی ہو گیا ہے، اس لئے کہ تم بھی دنیا میں اپنے اللہ سے راضی رہا کرتے تھے، اب یہ چیز ہمارے اندر پیدا ہو جائے کہ ہم بھی اللہ رب العزت کے فیصلوں پر راضی رہنا شروع کر دیں اس کا ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ اللہ کی محبت کو بڑھایا جائے، اس لئے کہ جتنی اللہ کی محبت بڑھتی ہے اتنی ہی دل میں اللہ کے فیصلوں پر رضا کی کیفیت بڑھتی ہے، محبوب کی طرف سے آئی ہوئی تکلیف میں تکلیف کا احساس نہیں ہوتا محبوب کی طرف سے پیش آنے والے حالات پر پریشان نہیں کرتے تو جس قدر محبت بڑھے گی اسی قدر دل میں اللہ کے فیصلوں پر رضامندی بڑھے گی، یہی تو خوبی ہوتی ہے اللہ کے پیارے بندوں میں کہ وہ ٹوٹ کر اللہ رب العزت سے محبت کرتے ہیں، تاریخ بھری پڑی ہے کہ اللہ والوں کے جنازے جیل سے بھی نکلے، ان کے جسم کو برہنہ کر کے کوڑے بھی لگائے گئے، ان کے چہروں پر سیاہی مل کر انہیں گلیوں میں گھمایا بھی گیا، ان کے بدنوں کے ٹکڑے بھی کئے گئے لیکن مجال ہے کہ ان کی زبانوں پر شکوے کے کلمات آئے ہوں، اس لئے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار لوگ تھے۔

ایک صحابی رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ابلتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں پھینکا جانے لگا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بادشاہ کے کارندوں نے سمجھا کہ ڈر گیا ہے اسی لئے رو رہا ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ شاید اب بادشاہ کی فرمائش کو قبول کر لے انہیں بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ سے کہنے لگے کہ یہ ڈر گیا ہے اور رو رہا ہے،

بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو بڑا خوش ہوا کہ ایک صحابی رسول کو دین سے ہٹانا آسان ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اب بھی اپنی پیشکش پر قائم ہوں اگر تم اسلام سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہو تو میں اپنے وعدے پورے کروں گا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: میرا رونا، خوف اور ڈر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ میرے پاس صرف ایک زندگی ہے، میرے دل کی چاہت تو یہ ہے کہ کاش میرے پاس اتنی زندگیاں ہوتیں جتنے میرے جسم کے بال ہیں اور میں ان سب زندگیوں کو ایک کے بعد ایک اپنے محبوب کے لئے قربان کر دیتا۔

میرے عزیزو! ہمارے اندر اللہ کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی رہنے کی کیفیت پیدا ہو جائے اس کے لئے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اپنے دل میں اللہ کی محبت کو بڑھایا جائے، پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ سے اللہ کی محبت کو مانگا کرتے تھے، پیارے نبی کی دعا ہے:

"اے اللہ اپنی محبت دے دے اور اس کی محبت بھی دے دے جو آپ سے محبت کرتا ہو اور ایسے اعمال کی مجھے توفیق عطا فرمادے جو آپ کی محبت تک پہنچانے والے ہوں اور اے مولیٰ اپنی محبت کو اتنا بڑھا دے کہ مجھے آپ کی ذات اپنی جان اور اپنے اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو جائے۔"

دوسری چیز کہ جس سے ہمارے اندر یہ خوبی (اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا) پیدا ہو سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی تکلیف، کوئی پریشانی آئے تو اس لمحے یہ سوچ لے کہ اس سے بڑی تکلیف بھی آسکتی تھی، یہ تو اللہ رب العزت کی مہربانی ہے کہ اس نے چھوٹی سی تکلیف میں ہی نمٹا دیا، اس سوچ کی مدد سے بھی آدمی کے لئے اللہ رب العزت کے فیصلوں پر راضی رہنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس لئے میرے دوستو! جب کوئی تکلیف آئے تو دیکھیں کہ لوگ تو میری اس تکلیف سے بھی بڑی تکالیف میں مبتلا ہیں، شیطان تکلیف کے وقت دکھاتا ہی یہی ہے کہ تو ہی بس تکلیف میں ہے باقی تو ساری دنیا مزے کر رہی ہے حالانکہ ایسا وہ نہیں نظر آتے جو فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوتے ہیں، وہ نہیں دکھائی دیتے جو ہسپتالوں میں پڑے تڑپ رہے ہیں، وہ نہیں دکھائی دیتے جو پوری زندگی رینگتے ہوئے گزار دیتے ہیں اور ساری زندگی انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کتنوں سے زیادہ اللہ نے اچھے حال میں رکھا ہوا ہے تو اگر یہ سوچ نصیب ہو جائے تو اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا آسان ہو جائے گا۔

تیسری چیز کہ جس سے ہمارے اندر بھی یہ خوبی (اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا) پیدا ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ خیال کرے "یہ تکلیف اور آزمائش ایسی مہربان ذات کی طرف سے آئی ہے جو رحیم بھی ہے، کریم بھی ہے، علیم اور خبیر بھی ہے تو ضرور اس میں میرا کوئی بھلا ہوگا۔" جیسے اگر کسی بیماری کی وجہ سے آپریشن کی ضرورت پڑ جائے اور ڈاکٹر پیٹ کاٹ دے تو نہ تو اسے ڈانٹتے ہیں اور نہ ہی شکوے کرتے ہیں، اس لئے کہ ڈاکٹر کے بارے میں ذہن میں ہے کہ وہ ہمارا خیر خواہ ہے، ہمدرد ہے، میری جسمانی صحت کے بارے میں اسے مجھ سے زیادہ علم ہے تو میرے عزیزو! اگر آنے والی آزمائش کے متعلق بھی یہ سوچ لیا جائے کہ یہ مہربان کی طرف سے آئی ہے، حکیم، علیم اور خبیر ذات کی طرف سے آئی ہے تو یقیناً اس میں خیر ہی ہوگی نا، اس سوچ کی برکت سے بھی بندہ اپنے مولیٰ کے فیصلوں پر راضی ہو جاتا ہے۔

چوتھی چیز کہ جس سے ہمارے اندر بھی یہ خوبی (اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا) پیدا ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ خیال کریں کہ اس آزمائش کے ذریعے اللہ رب العزت میرا امتحان لے رہے ہیں کہ میں اللہ کی محبت میں کھرا ہوں یا کھوٹا، اس آزمائش کی برکت سے میری خطائیں معاف ہوں گی اور درجات بلند ہوں گے، میرے عزیزو! اگر یہ یقین بھی پیدا ہو جائے تو ان شاء اللہ، اللہ کے فیصلوں پر راضی ہونے کی دولت نصیب ہو جائے گی۔

میرے عزیزو! اگر ہم اپنے اندر یہ چار خوبیاں پیدا کر لیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو ان شاءاللہ ہر حال میں اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی خوبی بھی ہمارے اندر پیدا ہوجائے گی اور پھر جب ہم اللہ کی طرف جانے لگیں گے تو یہ خوشخبری ہمارا بھی مقدر بنے گی۔

چلو اللہ کی طرف سے اس حال میں کہ تم اللہ سے راضی ہو وہ تم سے راضی ہو اور اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہوجاؤ اور جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوجاؤ۔

اس لئے میرے دوستو! اس بات کی فکر کریں کہ ہمارے اندر یہ خوبیاں کیسے پیدا ہوجائیں؟ اس کے لئے اللہ کی محبت کو بڑھائیں اور تین چیزیں ایسی ہیں جن سے اللہ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے:

(۱).....پہلی چیز کثرت نوافل، (۲).....دوسری چیز کثرت ذکر واذکار، (۳).....تیسری چیز اللہ والوں کی صحبت

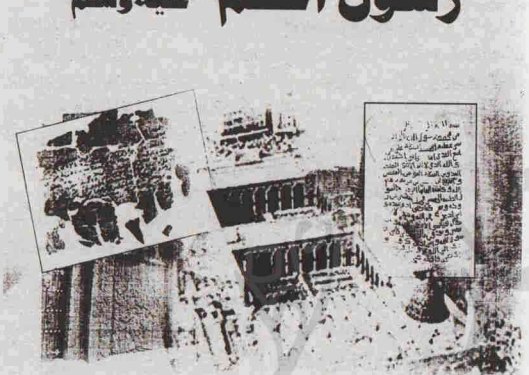
میرے دوستو! ان کاموں کا کچھ اہتمام ہوجائے کہ اگر نوافل کی عادت نہیں ہے تو ان کی عادت بنائی جائے، فرض نمازوں سے پہلے اور بعد جو نوافل ہیں کم از کم انہی کو شروع کردیں اور اگر عادت ہے تو اہتمام سے ان میں توجہ بڑھادیں اور ان میں جان پیدا کرلیں اور آہستہ آہستہ جب اللہ رب العزت ہمت دیں تو اشراق اور چاشت میں سے کوئی ایک شروع کریں اور پھر جب اللہ اور ہمت عطا فرمائیں تو اوابین یا تہجد میں سے کسی کا اہتمام ہوجائے، بس اس کا اہتمام ہو کہ جس کی توفیق مل رہی ہے اس سے آگے بڑھیں اور اگر اللہ کے فضل سے ان سب کی توفیق مل رہی ہے تو پھر ان میں جان پیدا کریں کہ دھیان بڑھ جائے، خشوع بڑھ جائے۔

میرے عزیزو! اللہ کرے ہمیں اس بات کی ضرورت تو محسوس ہو کہ اللہ کی محبت ہماری زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس لئے کہ جب ضرورت محسوس کریں گے تو پھر ان دواؤں کا استعمال بھی آسان ہوجائے گا، جیسے اگر کاروباری سیزن عروج پر ہے کیوں نہ ہو لیکن کوئی عین اس وقت بیمار ہوجائے تو فوراً سب چھوڑ چھاڑ کر اسپتال پہنچتا ہے یا نہیں؟ اس وقت اس کے پاس علاج کے لئے وقت نکل آتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لیکن اللہ کی محبت میں کمی آچکی ہے، اب اس محبت میں اضافہ کیسے ہو؟ اس کی آج کل ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی، اس لئے اس کے لئے وقت نکالنا بھی دشوار ہے، اگر ضرورت محسوس کریں گے تو پھر تہجد پڑھنا، نوافل کا اہتمام کرنا، کچھ دیر خلوت میں بیٹھ کر اپنے مولیٰ کو یاد کرنا سب آسان ہوجائے گا۔

میرے عزیزو! اسی طرح ہر روز تلاوت قرآن کے لئے بھی ایک وقت مقرر کرلیں اور ایک مقدار بھی متعین کرلیں کہ اتنی تلاوت تو میں نے ہر حال میں ہر روز کرنی ہی کرنی ہے، اگر چہ اس کا آغاز ایک رکوع سے ہوجائے اور پھر آہستہ آہستہ اسے بڑھاتے چلے جائیں اور صبح وشام کی تسبیحات کا بھی اہتمام کرلیں چند تسبیحات ہیں، انہیں بھی خلوت میں بیٹھ کر توجہ اور اہتمام سے کیا کریں، مناجات مقبول کی بھی ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کریں، یہ روحانی زندگی کے لئے بہت ہی معمولی غذا ہے، اس کی برکت سے اللہ رب العزت کی محبت بھی بڑھے گی اور اللہ کی معرفت بھی نصیب ہوگی اور پھر جب مصیبت آئے گی تو اسے پہچان ہوجائے گی کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے آزمائش ہے۔

میرے عزیزو! آج ہی سے نیت کرکے ان اعمال کو شروع کردیں اور مسلسل کرتے رہیں، تسلسل ٹوٹنے نہ پائے، پانی کا قطرہ قطرہ بھی کسی چٹان پر مسلسل گرتا ہے تو اس پر نشان پیدا کردیتا ہے تو یہ اعمال بھی اگرچہ معمولی ہیں لیکن اگر مسلسل کریں گے تو ان شاءاللہ ان کے نتائج بہت دیرپا ہوں گے، اگر تسلسل ٹوٹ گیا تو پھر اس کی برکتیں نصیب نہیں ہوں گی، ثواب ضرور مل جائے گا لیکن وہ صفات پیدا نہیں ہوں گی جو مطلوب ہیں ان اعمال کے تسلسل کی برکت سے ایک بڑی خوبی "اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا" بھی نصیب ہوجائے گی اور دنیا جنت بن جائے گی اور آخرت میں بھی کامیابی ملے گی۔ اللہ مجھے بھی اور آپ کو بھی کہنے سننے سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم



قسط نمبر 36

پروفیسر خیال آفاقی

حیان نے آج صبح ہی اپنی تمام علمی اور تدریسی سرگرمیوں سے فارغ ہوکر، ابوغنم کی طرف جانے کا ارادہ کرلیا تھا اور اب یہ دیکھ کر کہ زید اپنے ادارے میں خاصا مصروف ہے، اکیلا ہی یہاں سے ایک سواری مستعار لے کر چراگاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

"اہلاً وسہلاً مرحبا"۔ ابوغنم، حسب سابق، اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھل اٹھا، اس نے پُرجوش انداز میں اس کا خیر مقدم کیا اور معانقے کے بعد شکوہ کرنے لگا۔ "کیا بات ہے برخوردار، بہت مصروف لگتے ہو، اتنے دن کے بعد، اپنے اس غریب چچا اور عاجلہ کی یاد آئی ہے؟" حیان نے معذرت کی اور بتایا۔

"واقعی مصروفیات کے سبب تاخیر ہوئی، ورنہ اکثر یہاں آنے کی سوچتا ہوں۔" اس کے بعد اس کی متجسس نظریں عاجلہ کو تلاش کرنے لگیں، آخر اس نے پالیا، ایک طرف بیٹھی بکریوں میں مصروف ہے، جیسے ہی حیان اس کے قریب گیا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی، حیان نے پیار سے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور خیر خیریت معلوم کرنے لگا۔

"لو وہ اس کا لاڈلا بھی آگیا!" ابوغنم ایک طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ عاجلہ کا "لاڈلا" اٹھلاتا ہوا قریب آنے لگا۔

"عزیز بیٹے! تمہیں نہیں معلوم، یہ آج کل بہت تیز ہوتا جارہا ہے، وہ وہ شرارتیں کرنے لگا ہے کہ اپنے ہم زبان ساتھیوں کو حیران کردیتا ہے، لگتا ہے سارا گلہ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی دلچسپ حرکتوں سے مزے لوٹتا ہے، ضرور اس کی اچھی کود پر ہنستے ہوں گے یہ۔"

"بہت خوب عم محترم! کیا عمدہ فرمایا آپ نے، جانوروں کا ہنسنا" حیان ہلکے سے ہنسا۔

"بیٹا یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، جب یہ کھاتی پیتی، دیکھتی اور سنتی ہے تو کیا ان کے لئے ہنسنا منع ہے.....؟ اور کیا تم نے خود نہیں کہا تھا کہ تمہارے والد محترم کے انتقال پر عاجلہ اداس ہوگئی تھی بلکہ آنکھوں میں پانی بھر لائی تھی۔"

"جی ہاں، مجھے اس وقت یہی محسوس ہوا تھا، دیکھئے اب بھی ایسا ہی لگ رہا ہے کہ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگی ہیں۔" حیان نے عاجلہ کی طرف دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" دراز قد ابو غنم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ پھر اس نے بکریوں کے تازہ دودھ اور سوکھی کھجوروں سے اس کی ضیافت کی اور حیان مختصر سی گفتگو کے بعد، آئندہ ملاقات کا وعدہ کر کے واپس ہو گیا۔

راستے میں اس نے ایک جگہ چند راہ گیر بدوؤں کو دیکھا، جو باجماعت نماز کا اہتمام کر رہے ہیں، اس نے بھی اپنا اونٹ ان کے جانوروں میں باندھا اور چادر بچھا کر ان میں شامل ہو گیا۔ امامت کے فرائض ایک معمر بدو نے انجام دیئے۔ نماز کے بعد سب اپنے عزیزوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے اور اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

○

ادارے میں زیدنے حیان کے لئے کھانا بچا کر رکھ لیا تھا، لیکن حیان، ابو غنم کی ضیافت میں اتنا کچھ کھا چکا ہے کہ اب ظہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا، وہ اس سے رخصت ہو کر مسجد نبوی کی طرف چل دیا، مگر راستے میں زرگر کے پاس رکا اور سلام دعا کے بعد اس سے شکوہ کرنے لگا۔

"عم محترم! آپ اس خاکسار کو بدنام کریں گے، مجھے آپ سے یہ امید ہرگز نہیں تھی!"

"پیارے بیٹے! تمہارے ایسے نیک نام نوجوان کو بدنام کرنا خالص سونے میں ملاوٹ کرنے کے مترادف ہے، تو کیا تم میرے لئے یہ گمان رکھتے ہو کہ میں اپنی مصنوعات میں کھوٹ ملاتا ہوں؟"

"نہیں جناب والا، آپ تو سونے سے بھی زیادہ کھرے انسان ہیں ماشاء اللہ۔" حیان جلدی سے بولا۔

"البتہ میرا اشارہ اس طرف ہے کہ آپ نے برادر معظم زید کو میری بے کاری شاعری سے خبردار کر دیا!" حیان نے کہا اور زرگر بچوں کی طرح ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

"عزیز من! میں تو اس معاملے میں کورا ہوں لیکن جو حقیقت تھی وہ میں نے ان سے کہہ دی، کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو کہ وہ اشعار جو تم اس روز اپنی دھن میں گنگناتے جا رہے تھے، تم نے خود نہیں کہے تھے؟" حیان لاجواب سا ہو کر مسکرا دیا۔ لیکن اس کی ہنسی میں ایک حجاب شامل ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ زرگر صاحب نے اسے قائل کر دیا ہے۔ پھر وہ اس کے اصرار کے باوجود یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا اور رخصت ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

موسم روز بروز معتدل ہوتا جا رہا ہے، اسی اعتبار سے استاد صاحب اور شاگرد دونوں کے جسم پر لباس ہلکا ہونے لگا ہے۔

"جی عزیز بیٹے، گزشتہ کل ہم نے کہاں ختم کی تھی؟" استاد عبدالرحمن اپنی نشست سنبھالتے ہی حیان سے مخاطب ہوئے اور حیان جواب میں کہنے لگا۔

"استاد محترم! آپ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کے بارے میں تذکرہ فرما رہے تھے۔"

"ہاں، غالباً عزیز مصر کی بات ہو رہی تھی!"

"جی آپ نے فرمایا، عزیز مصر مقوقس نے سفیر رسولؐ، حضرت حاطبؓ کو عزت سے مہمان ٹھہرایا، پھر حضور نبی علیہ السلام کے جواب میں خط لکھ کر اور تحائف دے کر انہیں رخصت کیا۔!"

"بالکل درست کہا تم نے۔" استاد صاحب اطمینان

سے بولے اور پھر وسیلوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ "اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے نامۂ مبارک کے جواب میں کیا لکھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک وسیلی اٹھائی اور چراغ کے قریب کر کے پڑھنے لگے۔

"یہ خط محمد بن عبداللہ کے لئے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کی جانب سے۔ السلام علیکم! اس کے بعد، میں نے آپ کا مکتوب پڑھا، جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اور جس چیز کی طرف مدعو کیا ہے، اس کو میں نے خوب سمجھ لیا ہے، بلاشبہ مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی اور آنے والے ہیں، لیکن میرا خیال اس سلسلے میں یہ تھا کہ اس نبی کا ظہور ملک شام میں ہوگا، میں نے آپ کے قاصد کی خاطر و مدارات کی ہے اور بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کر رہا ہوں، ان کی قبطیوں میں بہت عزت ہے اور آپ کے لئے ملبوسات اور سواری کے لئے ایک خچر بھی ارسال ہے، میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی کا نزول کرے۔"

استاد صاحب نے خط پر سے چہرہ اٹھایا تو حیان بے صبری سے بولا۔

"اس کا مطلب وہ ایمان نہیں لایا؟"

"ہاں، حضرت حاطبؓ اس کا خط اور تحائف لے کر حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا۔" بدنصیب اپنی حکومت کی وجہ سے دامن بچا گیا، تاہم اس کے ملک کو برباد نہیں ہے۔"

"افسوس! یہ کیسے عقل مند لوگ تھے استاد گرامی کہ جانتے پہچانتے ہوئے بھی محض حکومت و دولت کی خاطر حق کو قبول کرنے سے محروم ہو جاتے تھے؟" حیان کے جواب میں استاد صاحب نے ایک طویل اور سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"بس بیٹا، بہت کم لوگ ہیں جو یہ فیصلہ کر پاتے ہیں کہ اصل اقتدار اور دولت کیا ہے، فانی اور عارضی چیزوں کو دائمی اور ابدی عیش و آرام پر فوقیت دے کر، بہت ہی خسارے میں رہتے ہیں، ایسے لوگوں کا ان عظیم نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار بندوں کیلئے لافانی بنا کر محفوظ کر دی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک خالی نظروں سے اپنے سامنے دیکھتے رہے، پھر بولے۔

"تاہم ان دونوں لڑکیوں کو جنہیں مقوقس نے حضور نبی کریم کی خدمت میں ہدیتاً روانہ کی ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت حاطبؓ کی تبلیغ اور کوششوں کے سبب ایمان سے سرفراز فرما دیا۔ یہ خوش نصیب خواتین ماریہ اور سیرین، دونوں بہنیں ہیں، ان میں سے ماریہ قبطیہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں داخل فرمالیا اور سیرین، حضرت حسانؓ بن ثابت کو عطا کی گئی۔ عزیز مصر نے مابور نامی ایک خصی غلام بھی آپؐ کی نذر کیا تھا جس کو آپؐ نے حضرت ماریہؓ کی خدمت پر مامور فرما دیا۔"

"استاد محترم! عزیز مصر نے رسول اللہ کے لئے ایک خچر بھی تو ہدیہ کیا تھا، اس کا کیا ہوا؟"

"ہاں وہ سفید رنگ خچر، جس کا نام دُلدُل تھا، کہا جاتا ہے، اس کی مثال پورے عرب میں نہیں تھی، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی سواریوں میں آخر وقت تک رہا، دیگر تحائف میں ملبوسات اور منقش چرمی موزے بھی تھے۔" یہ کہہ کر استاد صاحب خاموش ہو گئے اور حسب عادت، اپنی پیشانی کو چٹکی سے دبانے لگے، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس سے آگے کا حال اپنے ذہن میں تازہ کر رہے ہیں۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں والیٔ یمامہ کے نام بھی ایک نامۂ مبارک ہے، اس کے قاصد، حضرت سلیطؓ بن قیس عامری ہیں جو انصار سے تعلق رکھتے ہیں، تو پہلے تم یہ سمجھ لو کہ یمامہ، عرب کے اس حصے میں واقع ہے جو شرق میں عمان کی طرف اور مغرب میں حجاز کی جانب ہے، اس کے بعض حصے جنوب میں صحرائے ربع الخالی اور شمال میں خیبر تک ملتے ہیں۔ پہلے اس کا صدر مقام جبر تھا، بعد میں یہ آس پاس کا سب علاقہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی یمامہ کہلانے لگا۔ زمانہ قدیم کی تاریخ بتاتی ہے کہ یمن ہی وہ جگہ ہے جو مشہور قبائل طلسم اور جدیس کا مسکن تھا، تاہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارکہ میں یہاں بنو حنیفہ رہائش پذیر ہیں، اسی قبیلے کا ایک فرد، مسیلمہ کذاب کے نام سے بدنام ہوا جس نے حضور ختم الرسل کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس کی تفصیل تو خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر کے دور خلافت میں سن سکو گے، ابھی ہم جو بات کررہے ہیں، اس کا تعلق ہوذہ بن علی سے ہے جو کسریٰ کی طرف سے یمامہ کا والی ہے۔"

"یعنی، یمن کی طرح یمامہ پر بھی ایران کی حکومت تھی؟" حیان نے پوچھا۔

"ہاں دور رسالت میں، پورا جنوبی عرب ہی کسریٰ کی مقبوضات میں شامل تھا، یمن کے بارے میں تو تم سن چکے ہو کہ کس طرح وہاں کے عامل باذان کی طرف سے بھیجے گئے آدمیوں کی کایا پلٹ گئی تھی، گرفتار کرنے آئے لیکن خود ہی اسیر بنی ہو کر رہ گئے، پھر خود باذان بھی نبی علیہ السلام پر ایمان لے آیا، اب سفیر رسولؐ حضرت سلیطؓ بن قیس عامری، نامہ مبارک لے کر یمامہ پہنچے ہیں۔" یہ کہہ کر استاد صاحب نے وسیلوں میں سے ایک کا انتخاب کیا اور چراغ کے قریب کر کے پڑھنے لگے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم..... یہ مکتوب اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے ہوذہ بن علی کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کے تابع ہوا، امابعد! تمہارے علم میں یہ بات رہے کہ میرا دین تمام عرب وعجم کی حدود تک پہنچے گا اور غالب رہے گا، تو تمہیں چاہئے کہ اسلام قبول کرلو، تاکہ سلامتی میں آجاؤ، رہا تمہارا ملک، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، اس پر بدستور تم ہی برسر اقتدار رہو گے۔"

والیٔ یمامہ نے خط کا متن سن کر فوری کوئی جواب نہیں دیا، البتہ کچھ سوالات سفیر رسولؐ سے کرنے لگا تب حضرت سلیطؓ نے اس کے سامنے باقاعدہ ایک خطبہ دیا، فرمایا۔ "اے ہوذہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک بڑے قبیلے کا سردار بنایا ہے، تو جن کا جانشین ہے، وہ اب دوزخ کی آگ میں ہیں، تو یہ حکومت اور سرداری تجھے بھی نار جہنم میں نہ دھکیل دے۔ فی الاصل سردار وہ ہے جو ایماندار ہو اور تقویٰ کو زادراہ کے طور پر رکھتا ہو، تیرے ایک فیصلے سے تیری پوری قوم تیگو کار بن سکتی ہے، لہٰذا تو اسے بدبخت نہ ہونے دے، میں تجھے ایک عمدہ اور سچے دین کی قبولیت کا مشورہ دیتا ہوں اور اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور شیطان کے تابع ہونے سے تجھے روکتا ہوں، کہ اگر تو نے تسلیم کرلیا تو فلاح پا جائے گا، اور خوف سے نکل کر امن میں آجائے گا اور انکار کیا تو دشمن کہلائے گا، جس کا مستقبل تاریک اور خطرناک ہے۔"

"الامان الحفیظ!" حیان خوفزدہ ہو کر بولا۔ استاد صاحب نے اپنے بیان کو جاری رکھا۔

"والیٔ یمامہ اپنے دربار میں، حضرت سلیطؓ کی صدائے حق سن کر کہنے لگا۔" اے ابن قیس، یہ سرداری مجھے اللہ نے بخشی ہے، کہ اگر یہ سیادت تجھے ملی ہوتی تو پھولا نہ سماتا، لہٰذا میں ابھی ان امور پر غور کروں گا، اس کے بعد اس مکتوب کا جواب دے سکوں گا!"

چنانچہ حضرت سلیطؓ نے اس کے جواب کا انتظار کیا اور یمامہ میں ٹھہرے رہے۔ اس عرصہ میں والیٔ یمامہ نے دمشق سے تعلق رکھنے والے ارکون نامی ایک نصرانی عالم سے رابطہ کر کے مشورہ طلب کیا" ارکون" سارا معاملہ سن کر بولا۔ "واللہ کتب سابقہ میں یہی وہ تمام نشانیاں درج ہیں جن کی رو سے وہ نبی موعود یہی ہیں جو آخر الزماں بھی ہیں، خود مسیح علیہ السلام نے بھی جس آنے والے نبی کی بشارت دی تھی، وہ ساری علامات ان میں موجود ہیں، میرا مشورہ تو یہ ہے کہ سر تسلیم خم کردے! قیام و استقلال نصیب ہوگا۔" لیکن بدنصیب ہوذہ کو ارکون کا مشورہ پسند نہ آیا، حکومت اور طاقت کے نشے میں اس نے گھر آئی ہوئی نعمت عظیم سے روگردانی کی اور خود کو خسارے میں ڈال لیا۔ اس نے سفیر رسول کو بلا کر ایک

خط ان کے حوالے کیا اور خلعت و انعام دے کر رخصت کردیا۔" یہ کہہ کر استاد صاحب پھر وسیلوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک وسیلہ اٹھا کر پڑھنے لگے۔" اس نے لکھا ہے۔" جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت خوب اور بہترین ہے، میں اپنی قوم میں ایک مشہور شاعر اور بہترین خطیب ہوں، اس وجہ سے سارا عرب میری عزت، پاس اور لحاظ کرتا ہے، لہٰذا اگر آپ مجھ کو حکومت میں شریک کرلیں تو مجھے آپ کی پیروی میں کوئی عذر نہ ہوگا۔" حضور سرور عالمؐ نے اس کے جواب میں فرمایا۔" اگر وہ مجھ سے ذرا سی بنجر زمین بھی مانگے تو میں نہیں دوں گا۔" پھر فرمایا۔" وہ خود بھی تباہ و برباد ہوا اور جو کچھ اس کے قبضے میں ہے وہ بھی گیا۔"

"افسوس ان بدنصیبوں پر کہ جن کو عظیم پیشکش کو قبول نہ کر کے اپنا نقصان کیا!" حیان تاسف کرتے ہوئے بولا۔

"استاد محترم! اس نصرانی عالم ارکون کا کیا ہوا؟ کیا وہ بھی کسی مصلحت کا شکار ہوگیا؟"

"ارکون اس وقت تو نہیں معلوم کس وجہ سے اسلام قبول نہیں کر سکا، لیکن بعد میں جب حضرت صدیقؓ کے دور خلافت میں یمامہ پر حملہ کر کے نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا گیا، اس وقت ارکون کو خالدؓ بن ولید کے ہاتھ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔"

"اور وہ، میرا مطلب استاد گرامی اس بدقسمت ہوذہ کا انجام کیا ہوا؟"

"ہوذہ اس مکتوب کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا، حضور نبی کریمؐ فتح مکہ سے فارغ ہوئے تھے کہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا، جبرئیل نے مجھے ہوذہ کی موت کی اطلاع دی ہے۔" پھر آپؐ نے صحابہ کو ہوذہ کے ہم وطن مسیلمہ کذاب کے بارے میں بھی پیشگی اطلاع دی، فرمایا، "یمامہ میں عن قریب ایک کذاب، نبوت کا دعویٰ کرے گا، جو آخر کار، میری وفات کے بعد قتل کردیا جائے گا۔"

اور ایسا ہی ہوا، حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں مسلمان مجاہدین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی جانوں کی بھاری قربانی دے کر اس فتنے کو کچل دیا، اور تمہارے علم میں یہ بات بھی لانا چاہتا ہوں کہ نبوت کا یہ جھوٹا دعویدار، یعنی مسیلمہ کذاب سید الشہداء امیر حمزہ کے قاتل وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس طرح وحشی نے اپنے اس فعل کا کفارہ ادا کردیا، جس کی وجہ سے وہ ایمان لانے کے بعد بھی قاتل امیر حمزہؓ ہونے کے سبب ناپسندیدہ سمجھے جاتے تھے۔" استاد صاحب اپنی بات ختم کر کے خاموش ہوگئے، اور حیان بھی بغیر کچھ بولے گم سم نظر آنے لگا۔

"اب ایک اور فرمان روا کی طرف بھیجے گئے مکتوب کا تذکرہ کرتے ہیں۔" استاد صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ والیٔ بحرین المنذر ربن ساوی ہے، لیکن یاد رہے، یہ خوان چہ مکتوبات میں شامل نہیں، جن کا ہم نے شروع میں تذکرہ کیا تھا، لیکن کیونکہ یہ نامۂ مبارک بھی دریافت ہو چکا ہے اور اس کے متن کی نقل بھی میرے پاس ہے، اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اس سے فائدہ اٹھاؤ۔"

"جی شکریہ استاد محترم"..... حیان کو اپنے شفیق و مہربان استاد کی یہ ادا بہت پسند ہے کہ وہ اس کے علم میں اضافہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔

"تو آؤ پہلے بحرین کا حدود اربعہ سمجھتے ہیں۔" استاد صاحب نے وسیلوں میں سے ایک وسیلہ نکالتے ہوئے کہا۔ "مشرقی عرب کا خلیج فارس سے ملا ہوا حصہ، بحرین کہلاتا ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، بحرین دو سمندروں کو کہتے ہیں، تو اس کے مغربی جانب یمامہ ہے، جس کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے، اور شمال میں عراق اور جنوب میں عمان واقع ہے، عہد رسالت میں بحرین بھی کسریٰ کے زیر تسلط تھا، یعنی اس وقت ایران کی طرف سے وہاں عامل مقرر تھا، اور یہ عامل قدیم سے چلے آئے ہیں جو منادرہ کہلاتے ہیں، اس وقت عہد نبوی میں یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا والی، المنذر بن ساوی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف حضرت علاءؓ بن حضرمی کو قاصد بنا کر روانہ کیا ہے، اس معاملے میں المنذر بہت خوش نصیب واقع ہوا کہ اس نے نامۂ مبارک پڑھ کر آپ کی دعوت پر لبیک کہنے میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔"

"سبحان اللہ!" حیان کے منہ سے بے ساختہ نکلا، استاد صاحب بیان کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"المنذر نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار واضح طور پر اس خط میں کیا تھا جو نبی علیہ السلام کے جواب میں لکھا گیا۔ لیکن اس وقت ہمارے پاس ان دستاویز میں صرف اس نامۂ مبارک کی نقل موجود ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول اسلام کے بعد بھیجا تھا، جس سے المنذر کے ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔" استاد صاحب نے پھر ایک ولی اٹھائی اور چہرہ جھکا کر پڑھنے لگے۔ "اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے منذر بن ساوی کے نام..... اللہ کی سلامتی ہو تجھ پر! میں اللہ تعالیٰ کے لئے حمد سرا ہوں کہ وہ لاشریک ہے، میں گواہی دیتا ہوں اللہ کی وحدت کی اور گواہی دیتا ہوں محمدؐ کی رسالت کی، امابعد! میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، اس لئے کہ جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ خود کو ہی فائدہ پہنچاتا ہے، وہ جس نے میرے قاصدوں کی اطاعت کی اور ابراہیمؑ کی پیروی کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے ان کے ساتھ خیر خواہی کی اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی، میرے قاصدوں نے تمہاری تحسین کی ہے، میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی، پس ان لوگوں کی املاک انہی کے قبضے میں رہنے دو جو اسلام لے آئے ہیں، اور خطا کاروں کو میں نے معاف کیا، البتہ ان سے اسلام یا توبہ قبول کرو! اور جب تک تم صحیح اور درست رہو گے تمہیں معزول نہیں کیا جائے گا، اور جو شخص اپنی یہودیت یا مجوسیت پر قائم ہے، اس پر جزیہ ہے۔"

"سبحان اللہ! استادِ محترم، واقعی ولیٔ یمامہ المنذر خوش نصیب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی اور خوش نظر آرہے ہیں۔" یہ کہتے وقت حیان کے چہرے پر خوشی کے آثار ابھر آئے اور اب استاد عبدالرحمٰن پاشا دوبارہ دل کر آگے کے واقعات بتانے کے لئے مستعد نظر آرہے ہیں۔

"حیان! تم نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکتوبات مختلف حکمرانوں کو ارسال فرمائے تو اس کا مقصد کسی حکومت کا تختہ الٹنا، کسی علاقے کو زیر کرنا یا کسی کی سلطنت کو چھیننا اور اس پر قبضہ کرنا نہیں، بلکہ اصل منشا ان سلاطین کو دعوت حق دینا ہے، گویا یہ خالص کار پیغمبری ہے کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے ذریعے ان فرماں رواؤں کو یہ بتایا جائے کہ اصل حکمرانی اللہ رب العزت کی ہے، اور انسان مطلق العنان حاکم نہیں ہوسکتا، یہ تاج و تخت سب اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے ہیں، جس کا مقصد انسانوں کی خدمت ہے تاکہ انہیں غلام بنانا، اس لئے کہ انسان تو حقیقت میں سب اللہ کے عبد اور غلام ہیں، چنانچہ کچھ نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، کچھ نے سرکشی کی اور کچھ نے مصلحت سے کام لیا اور آپ کے پیغام کو حق جانتے ہوئے بھی محض اپنا اقتدار بچانے کی خاطر دنیا پر آخرت کو قربان کردیا، در اصل حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب مقتدر طبقہ راہ مستقیم اختیار کرلیتا ہے تو رعایا پر بھی اس کے براہ راست اثرات مرتب ہوتے ہیں اور عوام خود بخود ان کی تقلید میں سچائی کو اپناتے اور اچھائی کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔ گویا رسول اللہ کی طرف سے یہ اتمام حجت تھا جو ادا کردیا گیا، لہٰذا اب ہم ایک بار پھر عسکری مہم جوئی کی طرف آتے ہیں، اور اب ہمارے سامنے نہایت اہم فوجی مہم ہے جو تاریخ میں غزوۂ خیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس واقعے کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے تمہارے علم میں یہ بات وہنی چاہئے کہ گو نبوت کا عمل جاری ہے، تحریک اسلامی رواں دواں ہے، تاہم یہ نہیں کہ سب کچھ بے خوف ماحول اور پُرامن فضا میں ہو رہا ہے، اور اسلام ہمہ خطرات سے باہر

نکل آیا ہے، نہیں بلکہ خطرات، اسلام کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، بیرونی دشمن تاک لگائے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں پر کہاں سے اور کیسے نقب لگائی جائے اور اندرونی دشمن الگ اپنی سازشوں میں سرگرم عمل ہیں، دن رات منصوبہ سازی کرتے رہتے ہیں کہ ایسا کیا زہر پھیلائیں جو اسلام کی یکجہتی کو، خاکم بدہن، جھلسا کر رکھ دے۔"

"اندرونی دشمن سے استاد گرامی، آپ کی مراد منافقوں سے ہے.....؟"

"ماشاء اللہ! درست سمجھا تم نے۔" استاد صاحب نے حیان کو شاباش دی۔ "منافقین مدینہ، اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، خصوصاً نبی کریم کی مخاصمت میں ان کی خباثتیں کس قدر بڑھی ہوئی ہیں، ان کی کئی جھلکیاں تم گزشتہ واقعات میں دیکھ چکے ہو، مسلمانوں کو ان کے اندر قبائلی عصبیت پھیلا کر آپس میں لڑانے کی سازش ہو رہی ہے، واقعہ افک ہو یا وہ اعتراضات کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کرلی؟ یا یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے تو چار بیویوں کی اجازت ہے اور خود پیغمبر اس سے تجاوز کئے ہوئے ہیں"، وغیرہ وغیرہ۔ کیا کیا نہ اپنی سیاہ قلبی کا مظاہرہ کر چکے ہیں، لیکن یہ اور بات کہ منافقین کو قدم قدم پر منہ کی کھانی پڑی، اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر خود اپنے رسول صادق کی حمایت میں جواب دے کر ان گستاخ اور دریدہ دہنوں کے منہ بند کردیئے، اس کے باوجود یہ اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آسکے۔ مسلمانوں میں رہ کر اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر، اسلام اور مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کی سازشیں اور تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔ خصوصاً یہود کے ساتھ ان کے خفیہ تعلقات و رابطے قائم ہیں۔ حالانکہ یہود کے ان ناپاک وجود سے مدینہ خالی ہو چکا ہے اور اب ان کا مرکز خیبر ہے، جس کا مطلب ہی عبرانی زبان میں قلعہ ہے، یہ ان کا بہت مضبوط ٹھکانا ہے، اور منافقین ان سے درپردہ رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ مدینہ کے سب حالات اور یہاں پیدا ہونے والے تمام واقعات سے انہیں باخبر کرتے رہتے ہیں، اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس گروہ منافقین کا سرخیل عبداللہ ابن ابی ہے، یہ رئیس المنافقین اپنے دل میں رسول اللہ کی طرف سے ہر وقت غبار لئے رہتا ہے، دوسری طرف مشرکین مکہ ہیں، جن سے معاہدۂ امن تو ہو گیا ہے، تاہم مسلمانوں پر دانت پیستے رہتے ہیں اور ان کے اندر مسلمانوں کے خلاف آتش انتقام سرد نہیں ہو پائی ہے، پھر عرب کے دوسرے قبائل بھی مسلمانوں سے ناخوش ہیں وہ انہیں اپنا حریف سمجھتے ہیں اور ہر وقت ان کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام ان تمام حالات سے بے خبر نہیں، بے فکر ہو کر کیونکر بیٹھ سکتے ہیں کہ اسلام صرف مدینہ تک محدود رہنے کے لئے نہیں آیا، ہادیٔ اسلام، رسول آخر الزماں، اللہ کے دین کو پوری دنیا میں پھیلانے کا عزم رکھتے ہیں اور منشائے الٰہی بھی یہی ہے، اور جیسا کہ تم سن چکے ہو، آپ کی کوشش اور خواہش ہے کہ یہ پیغام حق، عالم انسانیت میں افہام و تفہیم کے ساتھ عام کیا جائے۔ اسلام میں جبر نہیں، تشدد آپ کے مزاج کے خلاف ہے، اسلام قتل و غارت اور خون خرابے کو نفرت سے دیکھتا ہے، جیسا کہ تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا، اب تک جتنے بھی غزوات ہوئے ہیں، ان کی ابتداء اسلام مخالف اور امن دشمن عناصر کی طرف سے ہوتی رہی ہے، رسول اللہ نے بہ امر مجبوری اپنے دفاع کے لئے تلوار کو بے نیام کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں کفار و مشرکین کی توحید پرستوں سے دشمنی اور معرکہ آرائی تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن اہل کتاب اور یہود کی مخالفت تعجب خیز اور افسوس ناک ہے، کہ ان کے ساتھ تو کسی جنگجوئی کا تصور بھی ممکن نہیں تھا لیکن آپ کو ان کے خلاف تادیبی اور فوجی کارروائی کرنی پڑی اور انہیں سرزنش کے طور پر مدینہ سے نکال دیا گیا تاکہ انہیں کان ہو جائیں اور نبی علیہ السلام، امن و یک سوئی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں، لیکن یہود اپنی عادت سے باز نہ آئے، اسلام کے خلاف سازشوں کو اپنا وطیرہ بنالیا، اس کے سود خور اور بخیل رؤسا نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے، تمہیں یاد ہوگا، جنگ احزاب انہی کی سازشوں کا نتیجہ تھی کہ کس طرح یہودی سرداروں نے مکہ جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف انتقام پر ابھارا، انہیں اور دیگر عرب قبائل کو مال و دولت کا لالچ دے کر جنگ میں شریک کیا اور دس ہزار سے بھی زیادہ جنگجو چھوٹی سی بستی مدینہ پر چڑھ دوڑے۔"

"جی ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیئے۔" حیان نے پُرجوش انداز میں کہا اور استاد صاحب نے سلسلۂ بیان جاری رکھا۔

"ہاں الحمدللہ دشمن کو اللہ تعالیٰ نے منتشر کر دیا، مدینہ کا حصار ختم کر کے ناکام و نامراد لوٹ گئے، لیکن یہودیوں کا جرم اتنا بڑا اور مکروہ ترین تھا، جو نا قابل بیان تھا، خصوصاً بنی قریظہ نے جو شرمناک بدعہدی کی، اس کے بعد وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں رہے، لہٰذا اللہ نے انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ایسی ہی عبرتناک سزا دلوائی، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دوسرے یہود قبائل ان کے انجام سے سبق لیتے اور اپنی سیاہ کاریوں سے باز آتے اور یہ جانتے ہوئے کہ اسلام ایک سچا دین ہے اور محمدؐ وہی پیغمبر حق ہیں جن کی آمد کے بارے میں ان کے علما اپنی آسمانی کتب سے مژدہ سناتے آئے ہیں، آپؐ کی مخالفت ترک کر کے آپ کے حلیف بنتے اور دین و دنیا کی سرخروئی حاصل کرتے، ذرہ برابر بھی ان کے اندر تبدیلی نہیں آئی، بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور خیبر ان کی سازشوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ مثلاً دیکھو تمہیں یاد ہوگا کہ چار ہجری میں بنونضیر کی مسلسل سرکشی اور بدعہدی کے بعد نبی علیہ السلام نے ان کا بیس روز تک محاصرہ رکھا تھا اور آخر انہیں آپ سے صلح کی درخواست کرنی پڑی اور آپؐ نے اسلحہ نہ لے جانے کی شرط پر ان کی درخواست قبول کی اور جاں بخشی فرما دی، وہ اپنا تمام قیمتی ساز و سامان لے کر خوب خوشیاں مناتے اور گاتے بجاتے مدینہ سے چلے گئے اور خیبر میں اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ رہائش پذیر ہو گئے، ان میں ان کا سردار حیی بن اخطب بھی تھا، یہ بلا کا سازشی اور عیار شخص تھا، اس نے خیبر پہنچ کر اپنی سیاسی چال بازیوں کے ذریعے اس قدر اثر و رسوخ حاصل کیا کہ پورے خیبر کا سردار بن گیا اور یہی وہ بدطینت ہے جس نے مکہ جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور عرب کے دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار کر لیا اور اس تمام کارروائی میں اس نے بے جگر کے مال و دولت خرچ کی اور اس طرح دس ہزار سے زیادہ فوج لے کر مدینہ کو گھیر لیا اور اسی نے مدینہ میں موجود یہود، بنی قریظہ کو اس بات پر ابھارا کہ عقب سے وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں، اور وہ اس کی باتوں میں آ گئے اور نبی کریمؐ سے کئے گئے عہد کو بھلا کر خود بھی مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حیی اور اس گروہ شیاطین کو ناکامی و نامرادی سے ہمکنار کیا اور کفار کا سارا لشکر اللہ کی تیز آندھی نے تہس نہس کر دیا، قریش اور دیگر قبائل اپنے ارادوں کی پسپائی لئے واپس ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ہتھیار اتارے ہی تھے کہ جبرئیل امین نے آ کر خبر دی "یا رسول اللہ! آپ نے خود کو غیر مسلح کر لیا جبکہ فرشتے ابھی حالت جنگ میں ہیں" اور آپؐ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا اشارہ فرمایا، لہٰذا حضور نبی کریمؐ فوراً مجاہدین کو لے کر اس بدعہد یہود قبیلے کی طرف روانہ ہو گئے اور پھر تم نے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے ان غداروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں تہہ تیغ کروایا، ابھی سزا یافتہ بدعہدوں میں حیی بن اخطب بھی تھا جس کی گردن ماردی گئی، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا، اس کے باوجود یہود کی سازشیں ختم نہیں ہوئیں اور اب ان کی

ریشہ دوانیوں کا صدر مقام خیبر ہے، اسی معرکۂ خیبر کا حال میں تمہارے سامنے بیان کرنے جا رہا ہوں۔"

"آپ کا شکریہ استاد محترم کہ آپ میرے لئے اتنی محنت فرما رہے ہیں!"

"عزیز بیٹے، یہ غزوۂ خیبر یہودی فتنے کے استیصال کا بہت بڑا، واقعہ ہے اس لئے ہم اس کو کسی قدر تفصیل اور احتیاط سے بیان کریں گے۔ تو سب سے پہلے ہم خود خیبر کا ایک مختصر سا تاریخی اور جغرافیائی جائزہ لیتے ہیں۔" استاد صاحب نے پہلو بدلا اور کہنے لگے۔

"خیبر مدینہ سے کوئی چار منزل پر شمال مشرق کی طرف ایک قدیم اور زرخیز علاقہ ہے، کہ اگر مدینہ سے پیدل سفر کیا جائے تو فاصلہ طے کرنے میں تین روز لگتے ہیں، یہ کثرت نخلستان و وسیع سبزہ زار پائے جاتے ہیں اور اس کا سبب شاید یہ ہے کہ آبی ذرائع کثرت سے ہیں، یعنی قدرتی چشموں سے یہ علاقہ بھرا ہوا ہے، تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بارہ سو سال قبل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آئے اور ان کی یہ ملک بدری یقیناً ان کی بداعمالیوں کا سبب رہی تھی، یعنی جب رومی حکمران نصر بخت نے بیت المقدس کو تاراج کیا اور بنی اسرائیل کے لشکروں کے پشتے لگا دیئے تو یہ وہاں سے جانیں بچا کر نکلے اور ادھر ادھر دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ کچھ خیبر میں اور کچھ یہاں یثرب میں آن بسے، کہا جاتا ہے کہ خیبر میں سکونت پذیر یہودی اوروں کی نسبت کثرت مال اور شجاعت میں بہت آگے ہیں، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ مستقل مزاجی میں اپنے ہم مذہب افراد پر انہیں فوقیت حاصل رہی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے قلعہ، جو یہاں موجود بہت سے قلعوں میں سے ایک ہے جو نہایت مضبوط ترین ہے اور اسی کی نسبت سے، یہ سارا علاقہ خیبر کہلاتا ہے، یہ شہر چاروں اطراف سے نخلستانوں میں گھرا ہوا ہے، اپنے اپنے قبیلے اور خاندانوں کی الگ الگ بستیاں ہیں جو چھوٹے چھوٹے قلعوں اور محفوظ محل سراؤں پر مشتمل ہیں، ان کی تعداد چودہ بتائی جاتی ہے، ان کے نام بھی تھے، لیکن ان کا ذکر بے سود ہے۔ تاہم یہ اس طرح تعمیر کئے گئے ہیں کہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کو باسانی کمک پہنچا سکتے ہیں، دیگر چیزیں بھی بہت مربوط اور منظم بنائی گئی ہیں۔ خشک اور چراگاہوں کی کمی نہیں، مال مویشی کی بہتات ہے اور زرعی پیداوار بھی وافر ہے، کھجوروں کی پیداوار میں تو گویا یہ علاقہ سونے کی کان واقع ہوا ہے، جہاں تک ان کی فوج یا جنگجوؤں کی تعداد ہے وہ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔" استاد صاحب نے توقف کیا تو حیان جو پہلے ہی ان کی رواں بیانی پر حیران ہے اور زیادہ انہماک سے دیکھنے لگا۔

"جیسا کہ تمہیں بتایا جا چکا ہے، صلح حدیبیہ کے بعد، حضور نبی کریمؐ کو قریش کی طرف سے ایک قدرتی اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے اشاعت اسلام کے ساتھ ہی ریاستی امور کی طرف توجہ فرمانے کا ارادہ کیا، پہلی ترجیح تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کو دی اور اس غرض کے لئے عرب اور اس سے باہر کے فرماں رواؤں کو خطوط لکھوائے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ اسی اثنا میں آپ کے علم میں خیبر سے متعلق کچھ خبریں آنے لگیں کہ یہود، مدینہ پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنا رہے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حیی ابن اخطب جو مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے کئے کی سزا میں انجام کو پہنچ چکا ہے اور اس کے بعد بنی نضیر میں سے ابورافع سلام بن ابی الحقیق، یہودیوں کا سرنیل بنا ہے، حالانکہ یہ اسلام کا مغتصب ہے، مدینہ سے نکالا گیا تو خیبر پہنچ کر وہاں ایک قلعہ قاموس پر قابض ہو گیا، اور کیوں کہ یہ بڑا تاجر اور صاحب اثر ہے، بہت جلدی اہل خیبر کو اپنے اثر میں لے لیا اور حیی بن اخطب کا جانشین بن گیا، یہاں میں تمہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ خیبر سے متصل علاقہ قبیلہ بنو غطفان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیشہ سے یہود خیبر کا حلیف رہا تھا، اور تمہیں یاد ہوگا کہ عیینہ ابن حصن ،بنو غطفان سے ہی تھا جس نے مدینہ کی مشہور چراگاہ میں آ کر حضور نبی کریمؐ کے اونٹوں کو اغوا کیا تھا اور مشہور قد ر امام ابن رُکوش نے تنہا تعاقب کر کے نہ صرف اونٹ واگزار کرا لئے بلکہ انہیں اتنا بھی موقع نہیں دیا کہ وہ خود اور اپنی سواریوں کو پانی پلا سکتے۔"

"جی ہاں استادِ گرامی، میرے ذہن میں یہ واقعہ محفوظ ہے کہ غطفانیوں نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے، اونٹوں کے محافظ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے حضرت زر کو شہید کر دیا تھا اور اونٹوں کے ساتھ ان کی اہلیہ کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔"

"تو پس قبیلہ غطفان کے لوگوں کی مسلمانوں سے جتنی مخاصمت ہے، اتنی ہی وہ خیبر کے یہودیوں سے قربت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کے اس نئے سردار ابورافع سلام ابی الحقیق نے مسلمانوں سے الجھنے کے لئے قبیلہ غطفان کا دورہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے پر آمادہ کر لیا۔ اس کے لئے اس نے غطفانیوں کو بہت سی مالی منفعت اور دیگر مراعات کی پیشکش بھی کی۔ حضور علیہ السلام تک یہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ قبیلہ غطفان اور اہل خیبر کا ایک بڑا لشکر تشکیل پا رہا ہے جو مکن قریب مدینہ کو تاراج کرنے کے لئے پیش قدمی کرنے والا ہے، یاد رہے کہ یہ بات چھ ہجری کی ہے کہ جب حضورؐ اپنے ہمراہ چودہ سو رفیقوں کو لے کر عمرہ کے لئے روانہ نہیں ہوئے تھے، اور صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، چنانچہ ماہ رمضان میں حضور نبی کریمؐ نے ابورافع سلام بن ابی الحقیق کی فتنہ انگیزی کے خاتمے کا ارادہ فرمایا اور اس کے لئے قبیلہ خزرج کے ایک انصاری حضرت عبداللہ بن عتیک کو اللہ تعالیٰ نے یہ حوصلہ اور شرف بخشا کہ نبی علیہ السلام سے اجازت چاہی اور تن تنہا خیبر جا کر کمال چابک دستی کے ساتھ اس دشمن خدا اور رسول کو سوتے میں موت کی نیند سلا دیا۔"

"اللہ اکبر!" حیان ایک دم بولا۔ "یعنی ابورافع کو مار ڈالا؟"

"ہاں، اور اس طرح یہود کے لئے یہ قتد گیا اور حضور پہ اطمینان قلب، جیسا کہ تم سن چکے ہو عمرہ و زیارت کعبہ کے لئے روانہ ہو گئے، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جیسے ہی آپ واپس تشریف لائے اور ابھی آپ شاہان مملکت اور والیان ریاست کو تبلیغی خطوط روانہ کر رہے ہیں اور اب حدیبیہ سے مدینہ میں آپ کی مراجعت کو کل بیس روز ہوئے ہیں، یعنی ذوالحجہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا کہ خیبر کی طرف سے خبریں ملنے لگتی ہیں کہ یہود جارحیت پر آمادہ ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابورافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد یہودیوں نے اپنا سردار، اسیر بن رازم کو بنا لیا ہے، جو حق گریزی اور اسلام دشمنی میں اپنے پیش روؤں سے کم نہیں بلکہ ان سے بھی کہیں دو چند مخاصمت رکھتا ہے، اس نے مسند ریاست پر بیٹھتے ہی تمام قبائل یہود کو جمع کیا اور ایک زوردار تقریر کی، کہا "میرے پیش روؤں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے میں جو تدبیریں اختیار کیں، وہ غلط اور ناقص تھیں، صحیح تدبیر یہ ہے کہ براہ راست خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دارالریاست پر یلغار کی جائے اور میں اسی طریقہ کو اختیار کروں گا۔"

"لعنت اللہ علیہ!" حیان غصے سے بولا اور استاد صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "دشمن اسلام اُسیر نے اپنے جنگجویانہ عزائم کی تکمیل کے لئے عملی کوششیں شروع کر دیں اور پہلا کام اس نے وہی کیا جو اس کا پیش رو کر رہا تھا، یعنی اپنے قریبی حلیف غطفان اور دیگر قبائل میں ایک طوفانی دورہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر ایک فوج غفیر تیار کرنے لگا۔ یہ خبریں جب رسول اللہ کے گوش گزار ہوئیں تو آپؐ نے اس افواہ کی تصدیق کرنا بہتر خیال فرمایا اور اس کام کے لئے حضرت عبداللہ ابنؓ رواحہ کو خیبر کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ اصل حقائق کی تحقیق کر کے لائیں۔ چنانچہ ابنؓ رواحہ چند رفیقوں کو لے کر خیبر کی طرف گئے اور وہاں لوگوں میں گھل مل کر نہایت خفیہ طریقہ پر ان خبروں کی تحقیقات کیں، یہاں تک کہ وہ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے اس مجلس تک جا پہنچے، جہاں خود اُسیر کی زبانی انہیں علم ہو گیا کہ وہ اپنے لوگوں سے اسی مجوزہ حملے پر صلح و مشورے کرنے میں مصروف رہتا ہے، حضرت عبداللہ ابنؓ رواحہ واپس آئے اور تمام حالات، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی عبداللہ ابن رواحہ کی سربراہی میں تیس افراد پر مشتمل ایک سفارت تشکیل دی اور دوبارہ خیبر کی طرف روانہ کیا کہ اُسیر سے گفت و شنید کریں، ممکن ہے وہ جارحیت سے باز آجائے اور کوئی امن کی صورت نکل سکے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابنؓ رواحہ نے خیبر پہنچ کر اسیر سے کہا۔ "رسول اللہ نے ہمیں اس لئے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اگر تم حاضر خدمت ہو جاؤ تو مدینہ میں تمہاری سرداری کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے گا اور خیبر کی حکومت تمہیں حاصل رہے گی۔" وہ اس بات پر راضی ہو گیا اور حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے رفقاء کی تعداد کے مطابق خود بھی تیس افراد اپنے ساتھ لئے مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ کی طرف چل دیا، لیکن اس طرح چلا کہ ہر یہودی کے ساتھ ایک مسلمان کو ساتھ رکھا، خود اُسیر کے حصے میں جو صاحب آئے، وہ حضرت عبداللہ بن انیس ہیں، راستے میں اسیر کی نیت میں فتور آ گیا، چلتے چلتے عبداللہ ابن انیسؓ کو غافل سمجھ کر ان سے تلوار چھیننی چاہی لیکن وہ ہوشیار اور مستعد تھے، فوراً اس بدعہد پر ضرب لگائی جس سے اس کی ران کٹ گئی، لیکن گھوڑے سے گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہ ابن انیس پر وار کیا اور وہ زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عام لڑائی چھڑ گئی اور ایک کے سوا سب یہودی مارے گئے، اور اس طرح نبی علیہ السلام کی طرف سے امن کی کوشش کو صدمہ پہنچا کر، ور اصل خود اس نے اپنا نقصان کر لیا۔

"استادِ گرامی حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر! یہ کیسے صاحب کتاب ہیں، حج فرمایا قرآن کریم نے، عیاری، مکاری، حیلہ سازی اور حق میں باطل کی آمیزش کرنا بنی اسرائیل کی سرشت میں شامل رہا ہے۔"

"ہاں بیٹا قرآن ہی نہیں، انجیل میں بھی ان کے سیاہ کارنامے واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں، یہ قاتلان انبیاء، حضرت مسیح کو بھی اپنی دانست میں مصلوب کر چکے ہیں۔" یہ کہتے وقت استاد عبدالرحمٰن کے چہرے پر بھی افسوس اور کراہیت پیدا ہو گئی۔ "انہوں نے پہلو بدلا اور وہ اپنے مخصوص انداز میں دیوار سے کمر ٹکا کر کہنے لگے۔ "تمہیں یاد دلاتا ہوں کہ جنگ احزاب برپا کرنے میں زیادہ اور سو ر کردار حیی ابن اخطب "قبیلہ بنی نضیر سے تعلق رکھنے والے ابن ابی الحقیق نے ادا کیا تھا، جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر آیا اور یہاں کے مشہور قلعہ قموص پر قابض ہو گیا تھا، یہی شخص یعنی سلام ابن ابی الحقیق اپنے خاندان کا رئیس تھا، جس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع، خاندان کا سرخیل منتخب ہوا ہے اور اب یہ اور دوسرا یہودی سردار، ہوذہ ابن قیس مسلمانوں کے خلاف طاقت جمع کرنے میں پیش پیش ہیں، انہوں نے غطفانیوں کو پیشکش کی ہے کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کر دو ہم اپنے نخلستان کی نصف پیداوار تمہیں دے دیں گے۔ اس شرط پر قبیلہ غطفان نے انہیں اپنی حمایت کا یقین دلا دیا ہے، ادھر مدینہ کے منافقین کی ہمدردیاں بھی یہودیوں کے ساتھ ہیں، مسلمانوں کے معاملات اور عسکری حرکات و سکنات سے انہیں مطلع کرتے رہتے ہیں، منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں کہلا بھیجا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، ان کی حیثیت کیا ہے، مختصر سا گروہ ساتھ ہے، جن کے پاس ہتھیار بھی کام کے نہیں۔" اس کے ساتھ ہی، غطفان کا ایک اور طاقتور قبیلہ، بنو فزارہ بھی یہ سن کر کہ اہل خیبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں، میدان میں آ گیا، بلکہ اس کے نمائندے خود چل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیبر پہنچے اور یہودیوں کو پیشکش کی کہ "ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہو کر جنگ کریں گے۔" یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھوایا، جس میں فرمایا گیا کہ "اے اہل فزارہ تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ! خیبر کی فتح کے بعد تمہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔" لیکن بنو فزارہ نے یہ پیشکش قبول نہیں کی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں یقین نہیں کہ خیبر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو سکے گا۔" استاد صاحب نے مختصر سا توقف کیا اور کہنے لگے۔ "ان تمام حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد، نبی علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ ان طاغوتی طاقتوں کی یلغار کو پہلے ہی روک دیا جائے، لہٰذا اعلان فرمایا گیا کہ "صلح حدیبیہ کے وقت کے حاضرین جہاد کی تیاری کریں۔" چنانچہ اس مہم میں صرف انہی حضرات کو شامل کیا گیا ہے، جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے۔

"یعنی کل چودہ سو مجاہدین؟"

"نہیں، سولہ سو تعداد بھی گئی ہے" حیان کے سوال پر استاد صاحب نے وضاحت کی۔ "کیونکہ حدیبیہ کے وقت کچھ روایات میں تعداد چودہ سو کی بجائے سولہ سو بتائی جاتی ہے، اسی طرح امہات المومنین میں سے بھی حضرت ام سلمہؓ شریک ہوئیں، کیونکہ حدیبیہ کے وقت آپ ہی نبی کریمؐ کے ہم سفر تھیں، ان سولہ سو مجاہدین میں بھی صرف دو سو سوار ہیں، باقی سب پیدل ہیں، اور تم سن چکے ہو کہ ادھر ہزاروں کا اجتماع ہو رہا ہے۔"

"جی ہاں، آفرین ہے مجاہدین اسلام پر، پھر استاد محترم، نبی علیہ السلام جس فوج کے سالار ہوں اس کی تعداد کو کیا دیکھنا۔"

"مرحبا! تم نے درست کہا، یہی جذبہ اور یقین ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مجاہدین کو نہایت قلیل تعداد کے باوجود اکثریت پر فتح عطا فرمائی۔ بلکہ اس موقع پر تمہارے سامنے ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں، یہ جنگ، کہ ہونے جا رہی ہے، اور جو معرکے اب تک ہوتے رہے ہیں، ان میں کچھ فرق ہے، یعنی پہلے جو معرکے ہوئے وہ سب دفاعی نوعیت کے تھے، تاہم یہ بھی ایک طرح دفاعی اقدام ہے کیونکہ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں پہل کی جا رہی ہے اور اس پیش قدمی کا مقصد یہ ہے کہ یہ طاقتیں تبلیغ اسلام کی راہ میں مسلسل رکاوٹ بن رہی ہیں، ورنہ اگر کوئی قوم تبلیغ دین کی راہ میں مزاحم نہ ہو تو اسلام اس سے تعرض نہیں کرتا اور نہ ہی اس قوم کو اسے اپنی رعایا بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس سے صلح اور معاہدۂ امن کرنا کافی سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی قوم بالقصد اسلام کی مخالفت پر مستعد ہو اور دین حق کو مٹانے کے درپے ہو جائے تو اپنی مدافعت کے لئے اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اب تلوار بے نیام کرے اور جارح قوم کو زیر اثر رکھے تاکہ وہ فتنہ و فساد کا سبب نہ بن سکے۔ اس اصول کے تحت تم دیکھو گے کہ خیبر اسلام کے لئے پہلا مفتوحہ ملک ثابت ہوا۔"

"الحمدللہ!" حیان مطمئن لہجے میں بولا اور استاد صاحب نے بیان جاری رکھا۔ "روانگی کے وقت آپ نے ہدف کو خفیہ رکھا۔"

یعنی توریہ فرمایا!

"بالکل درست" حیان کے جواب میں استاد صاحب نے کہا۔ "آپ جب بھی کسی مہم پر نکلتے تو اصل ہدف، کہ کہاں اور کس کی طرف جانا ہے، فوری ظاہر نہیں فرماتے تھے، اس کو توریہ کہا جاتا ہے۔ اب ایک بات اور سمجھنے کی ہے کہ مسلمانوں میں شامل بہت سے منافقین، اسلامی جہاد کو بھی اسی طرح کا ذریعہ معاش سمجھتے رہے ہیں جیسا کہ عرب میں قدیم سے چلا آ رہا ہے، چنانچہ خیبر کی مہم کے لئے بھی وہ اسی جاہلیت کا شکار ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ جنگ بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لئے برپا کی جا رہی ہے، جیسا کہ منافقین کئی موقعوں پر مسلمانوں کے ساتھ صرف اسی غرض اور لالچ کے لئے شریک ہوئے تھے، اسی غلط فہمی

اور ابہام کو دور کرنے کی غرض سے، نبی علیہ السلام نے نہایت واضح طور پر فرما دیا کہ اس مہم میں صرف وہی افراد شریک ہو سکتے ہیں جو مخلص جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنا مقصد رکھتے ہوں۔"

استاد صاحب بے تکان بول رہے ہیں اور حیان اپنی معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ استاد صاحب کی روانی بیان کا بھی قائل ہو رہا ہے۔ استاد عبدالرحمن نے پہلو بدلا اور واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"سات ہجری، ماہ محرم ہے کہ آپ غطفان اور یہود سے مدینہ کے دفاع کی خاطر خیبر کی مہم کو نکلتے ہیں، لشکر کے مقدمہ میں حضرت عکاشہ بن محصن اسری اور یمنہ پر حضرت عمرؓ متعین فرمایا گیا ہے۔ مدینہ کے انتظامی امور کی نگرانی حضرت سباع بن عرفہ غفاری کے سپرد فرماتے ہیں، آپؐ کے ساتھ جیسا کہ تمہیں بتایا گیا، سولہ سو جاں نثار ہیں، ان میں دو سو سوار ہیں، اس وقت آپ کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ لشکر میں کچھ خواتین بھی ہیں، ان میں آپ کی پھوپی صاحبہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب بھی شامل ہیں، تو آپؐ نے خواتین کو طلب کیا اور قدرے برہمی سے دریافت فرمایا۔ "تم کس کے حکم سے ساتھ ہوئی ہو؟" عرض کرتی ہیں۔ "یارسول اللہ! ہم دوران جہاد مجاہدین کی خدمت کا ارادہ رکھتی ہیں، ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں، اور ہم دشمن کی طرف سے آنے والے تیر اٹھا اٹھا کر جاں بازوں کو دیں گی!" آپؐ ان کے جواز اور پیشکش پر خاموشی اختیار فرما لیتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ "لشکر کا رخ شمال کی جانب رکھا جائے۔" یہ راستہ خیبر اور بنو غطفان دونوں کی طرف جاتا ہے، جاں نثار صحب معمول اصل ہدف سے ناواقف ہیں، لیکن انہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ حکم جہاد ہے، رسول اللہ کے ایک اشارے پر سر فروشی کے لئے آپ کے ساتھ چل پڑے ہیں، سارا لشکر اسلام، جہاد فی سبیل اللہ سے سرشار ہے کہ رسول اللہ حضرت عامر ابن اکوع کو یاد فرماتے ہیں۔

"لبیک یا رسول اللہ!" ابن اکوع سراپا نیاز بن جاتے ہیں، ان کی خوش نصیبی عروج پر پہنچ جاتی ہے، جب ارشاد ہوتا ہے۔

"اے ابن اکوع، سواری سے اترو، اور اس کلام سے جو تمہیں آتا ہے، ہمیں کچھ سناؤ!" عامر ابن اکوع فوراً حکم بجالاتے ہیں، سواری سے اتر کر نبی کریمؐ کے مرکب کے آگے چلتے ہوئے رجزیہ اشعار پڑھنے لگتے ہیں۔

اللھم لولانت ماھتدینا
ولاتصدقنا ولا صلینا
فاغفرفداالک ماانقینا
واثبتن سکینۃ علینا
انا اذا صیح بنا اتینا
وثبت الاقدام ان لاقینا
وبالصیاح عولوالینا
ان الذین قد بغوعلینا
اذا ارادو فتنۃ ابینا
ونحن عن فضلک ما استغینا

"استاد محترم! ان اشعار کا مطلب جو میں سمجھ سکا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں؟" آپ تصحیح فرمایئے گا۔"

"مرحبا!" استاد صاحب نے خوش ہو کر کہا۔ حیان ذہن پر زور دے کر کہنے لگا۔

"اے اللہ اگر تیری رحمت ہم پر نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ زکوٰۃ دیتے، نہ نماز ادا کرتے، ہم تجھ پر قربان کہ جو احکام ہم بجا نہیں لائے ان کو معاف فرما دے اور ہم پر سکینت نازل فرما، جب ہمیں پکارا جاتا ہے تو ہم فوراً پہنچتے ہیں تو دشمن سے مقابلے کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ، اور جب کوئی قوم ہمارے خلاف جارحیت اور فتنہ پردازی کی مرتکب ہوتی ہے تو ہم ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مرعوب نہیں ہوتے، یعنی ان کے مقابل کمزوری نہیں دکھاتے، اس کے باوجود اے ہمارے رب! ہم تیرے فضل وکرم سے بے نیاز نہیں ہیں۔"

"سبحان اللہ! بالکل درست سمجھا تم نے، یہی مفہوم ہے ان اشعار کا۔" استاد صاحب نے حیان کی فہم کو سراہا اور مزید کہنے لگے۔ "حضرت عامرؓ کی رجز خوانی نے لشکر کے مجاہدانہ جوش و ولولہ میں اور اضافہ کردیا ہے، حتیٰ کہ سواری کے جانور بھی مست و بے خود نظر آرہے ہیں۔ حضرت عامرؓ جیسے ہی اشعار ختم کرتے ہیں، رسول رحمت عالم کی زبان مبارک سے حضرتؓ ابن اکوع کے لئے تحسین کے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔

"یرحمک اللہ"..... "اللہ تعالیٰ ابن اکوع تجھ پر اپنا رحم فرمائے!" حضرت عمرؓ چونک کے عامرؓ ابن اکوع کی طرف دیکھتے ہیں اور حضور نبی کریمؐ کی ان کے لئے دعا میں رمز کو بھانپ جاتے ہیں، سمجھ لیتے ہیں کہ اس مہم میں حضرت عامر مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوں گے، جیسا کہ بعد میں ہوا۔"

"اللہ اکبر" حیان نے ایک جھرجھری سی لی اور شہادت جو مقصود مومن ہے، اس کے دل میں بھی کروٹیں لینے لگی۔

"اِدھر نبی رحمت، دین حق کی راہ میں پُرفتن گروہ کو متنبہ کرنے کی غرض سے ان کی طرف پیش قدمی رکھے ہوئے ہیں، اُدھر مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی سلول کو آپؐ کے ارادوں کی سن گن ہو جاتی ہے اور وہ یہودیوں کو ایک پیغام کے ذریعے مطلع کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ سے کوچ کر چکے ہیں اور ان کا رخ یقیناً تمہاری طرف ہے تو تم افرادی قوت اور سامان حرب میں ان پر برتری رکھتے ہو، لہٰذا قلعوں سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا!" لیکن بعد کے حالات سے اندازہ ہوا خیبر کے رئیس اعظم سلام بن مشکم نے اپنے اس ہمدرد کے مشورے سے اتفاق نہیں کیا اور اسی میں عافیت سمجھی کہ خود کو قلعوں کے اندر ہی محصور کرلے جائے، یاد رہے اہل خیبر، غطفان کے سردار عیینہ بن حصن اور قبیلہ بنواسد کے سردار طلیحہ بن خویلد کے پاس اپنے آدمی بھیج کر پہلے ہی انہیں خیبر کی نصف پیداوار کی پیشکش پر اس بات کے لئے تیار کر چکے ہیں کہ بنوغطفان عقب سے مسلمانوں پر یلغار کریں اور یہود سامنے سے حملہ آور ہوں گے، اس طرح دوطرفہ حملہ کرنے سے مکمل طور پر ان کا خاتمہ کرنا آسان ہو سکے گا۔"

"ان کے منہ خاک آلود ہوں۔" حیان غفرتہ سے بولا۔

"بیٹا، دشمن حق کو خاک آلود کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے چاہنے والوں کو ہمیشہ بہت سخت منزلوں سے گزرنا پڑا ہے۔" استاد صاحب نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا اور کہنے لگے۔ "اب دیکھو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پیش قدمی فرما رہے ہیں تو آپ کے پیش نظر نہ کوئی مال غنیمت کا حصول ہے اور نہ شوق کشور کشائی ہے، روانہ ہونے سے پہلے ہی اعلان فرما دیا گیا ہے کہ اس مہم میں ان لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں جو غنیمت کا لالچ رکھتے ہوں، چنانچہ لشکر اسلام کا ایک ایک سپاہی صرف اور صرف حق کی سربلندی کے لئے باطل سے نبرد آزما ہونے کا جذبہ لئے ہوئے ہے، سب ہی فقط اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے خواہاں و طلبگار ہیں۔

کاروان حق جیسے ہی جبل عصر سے گزر کر مقام صہبا میں داخل ہوتا ہے، رسول اللہ قیام کا عندیہ فرماتے ہیں، نقیب رسولؐ، حضرت بلالؓ اعلان کرتے ہیں اور لشکر کے قدم رک جاتے ہیں، سواری سے اتر کر نبی علیہ السلام ماحضر طلب فرماتے ہیں، اللہ کے محبوب کا کھانا کیا ہے، ستو ہیں، اسی کو پانی میں گھول کر تناول فرمایا، وضو سے تازہ دم ہوئے اور نماز عصر سے فارغ ہو کر رہبروں کو طلب کر کے فرماتے ہیں۔ "اس وقت ہم خیبر اور غطفان کے درمیان ہیں، بہت احتیاط سے راستہ بتاؤ!" حسیل نامی رہبر عرض کرتا ہے، "یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر سے کئی راستے نکلتے ہیں۔" ارشاد ہوا: "ایک ایک کر کے سب راستوں کے نام بتاؤ!" رہبر نے ایک راستے کا نام "حزن" بتایا، اس کا مطلب ہے سخت اور ناہموار، آپ نے ناپسند فرمایا، رہبر نے دوسرا نام لیا "اشاش" اس کا مطلب ہے مضطرب، آپ نے اس کی بھی نفی فرمائی۔ رہبر نے ایک اور طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک اور راستہ ہے جو اس طرف جاتا ہے، اسے حاطب کہتے ہیں۔" کیونکہ حاطب کا مطلب لکڑہارا یعنی لکڑیاں چننے والا ہے، چنانچہ آپؐ نے اس کے لئے بھی فرمایا۔ "یہ بھی درست نہیں۔" اب رہبر ایک اور طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے نشاندہی کرتا ہے، "یارسول اللہ اس راستے کا نام مرحب ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "بس، اسی کو اختیار کرو!" چنانچہ لشکر آپؐ کے پسند کردہ راستے پر گامزن ہو گیا۔"

"استاد محترم! مرحب کا کیا مطلب ہے؟"

"اس کا مفہوم ہے کشادہ" استاد نے فرمایا اور حیان کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لئے ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضور نبی کریمؐ کی ذوق پسندیدگی پر داد گزار ہے۔

لشکر رواں دواں ہے کہ ایک جگہ یکا یک، نگران لشکر، عباڈ بن بشر کو ایک شخص ہاتھ آجاتا ہے، زیر حراست میں لے کر باز پرس کرتے ہیں، معلوم ہوا، یہ یہودیوں کا جاسوس ہے، بتاتا ہے" دس ہزار غطفانیوں کا لشکر یہودیوں کی مدد کو خیبر کی طرف چل پڑا ہے۔" یہ کہنے سے یقیناً اس کا ارادہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کا ہے، لیکن حضرت عباڈؓ اس پر سختی کرتے ہیں تو وہ سچ اگل دیتا ہے اور جان کی امان طلب کرنے کے بعد بتاتا ہے۔ "سچ یہ ہے کہ یہودی خوفزدہ ہو کر قلعہ بند ہو گئے ہیں۔" حضرت عباڈؓ اسے لے کر نبی علیہ السلام کے حضور پیش کرتے ہیں، آپؐ اس کو زیر حراست رکھنے کا حکم فرماتے ہیں اور جانب منزل روانہ ہو جاتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو نکلیں گے، لہٰذا مقام رجیع پر پہنچ کر آپ نے لشکر کو اترنے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ یہ مقام خیبر اور غطفان کے وسط میں واقع ہے، یہاں اسباب بار برداری خیمہ وخرگاہ چھوڑ دیا اور مستورات کو بھی یہیں ٹھہرا دیا گیا اور اب لشکر کو لے کر خیبر کی طرف پیش قدمی فرماتے ہیں۔ غطفان والوں کو نہر ہوئی کہ نبی علیہ السلام اپنی فوج کو لئے خیبر کا رخ کر رہے ہیں تو مسلح ہو کر مقابلے کے لئے نکلے لیکن رجیع کے مقام پر خیمہ وخرگاہ کو دیکھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ اس طرح تو خود ان کے گھر خطرے کی زد پر آسکتے ہیں، اس خوف نے انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا اور اب یہودیوں کا مضبوط مرکز سامنے ہے، لشکر اسلام وادی حوصہ کے راستے خیبر میں داخل ہوتا ہے، جیسا کہ تمہیں بتایا جا چکا ہے، خیبر بہت سے قلعوں میں سے ایک قلعہ کا نام ہے، لیکن یہ سارا علاقہ ہی اس نام سے منسوب و مشہور ہے، دیگر قلعوں کے نام یہ ہیں۔" استاد صاحب ذہن پر زور دے کر بتانے لگے۔ "قلعہ سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق، مربط وغیرہ، لیکن ان میں سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ قموص ہے، عرب کا مشہور پہلوان مرحب جو اپنی طاقت میں ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا ہے، اسی قلعہ کا رئیس ہے اور ابن ابی الحقیق کا خاندان جس کے بارے میں تم پہلے سن چکے ہو، مدینہ سے جلاوطن ہو کر یہاں بس گیا ہے، اور خیبر کا سرخیل آجکل یہی ابی الحقیق ہے۔ یوں تمام قلعوں میں کوئی بیس ہزار سپاہ موجود ہے۔" استاد صاحب نے پہلو بدلا اور بتانے لگے۔ "خیبر کا نواحی علاقہ شروع ہو چکا ہے، اسلامی لشکر حرکت میں ہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاں نثاروں کو لئے سواد شہر میں داخل ہو جاتے ہیں، عمارتیں نظر آنے لگی ہیں، رات گویا آگے بڑھ کر آپ کا خیر مقدم کرتی ہے، ارشاد ہوتا ہے، "ٹھہر جاؤ!" بلالؓ، حکم نبی عام کرتے ہیں، لشکر تھم جاتا ہے، دست مبارک دعا کے لئے اٹھتے ہیں، آپ اپنی عادت حسنہ کے مطابق کہ جب کسی مقام میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

داخل ہوتے تو جو دعا مانگتے وہی اب طلب فرماتے ہیں۔

انا نسئلک خیر ھذہ القریہ و خیر اھلھا و خیر مافیھا و نعوذبک من شرھا و شراھلھا و شرمافی ھا، یعنی اے اللہ ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس بستی والوں کی خیر چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔'' صحابہ جو آپ کی تقلید کررہے ہیں، آمین کہتے ہیں۔ دعا کے بعد لشکر کے لئے رات یہیں قیام کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے، حالانکہ دشمن نشانے پر ہے لیکن آپ کی سنت ہے کہ رات کے وقت حملے سے گریز فرماتے ہیں، یوں بھی آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں، بلکہ دشمن کے دروازے پر پہنچ کر انہیں یہ احساس دلانا ہے کہ مسلمان کمزور نہیں ہیں، تم اسلام کے خلاف اپنی سازشیں بند کردو، اور اللہ کے رسول کی مخاصمت سے باز آجاؤ۔''

استاد صاحب نے توقف کیا اور کچھ دیر تک یونہی خاموش بیٹھے خلا کو دیکھتے رہے، پھر آنکھیں بند کیں اور کہنے لگے۔

''ادھر اس کھلے مقام پر نبی علیہ السلام اپنے صحابہ کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمارہے ہیں اور ادھر اہل خیبر اپنے سنگین قلعوں میں پڑے غرور کی چادر اوڑھے سورہے ہیں، رات ڈھلنے ہی کہ ماحول پر سے ابھی تاریکی پوری طرح دور نہیں ہوئی ہے، اللہ کے رسول حالت استراحت میں محسوس فرماتے ہیں کہ اذان کی آواز نہیں آئی تو نشست گاہ سے اٹھتے ہیں اور لشکر کو بھی بیدار کراتے ہیں پھر اس جگہ سے روانہ ہوجاتے ہیں۔ خیبر کے قلعے ابھی تک خواب و خاموشی میں ڈوبے ہوئے ہیں، البتہ کسان اور مزدور اپنے مویشی اور زرعی آلات اور اس سے متعلق دوسرے ساز و سامان کے ساتھ کھیتوں میں جانے کے لئے نکل چکے ہیں کہ لشکر اسلامی کو دیکھ کر چونک پڑتے ہیں۔ ''محمدؐ واللہ محمدؐ ہیں، ہاں، ہاں یہ محمدؐ کی فوج ہے۔'' چیختے چلاتے ہوئے قلعوں کی جانب پناہ لینے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ فرماتے ہیں۔ ''اللہ اکبر، خیبر برباد ہوگیا۔'' مزید ارشاد ہوتا ہے۔ ''اور ہم جب کسی میدان میں اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لئے بہت بری ہوتی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اذان کا حکم فرماتے ہیں آواز بلالی بلند ہوئی اور فضا میں ایک نورانی ارتعاش پھیل گیا۔ فجر کا اول وقت ہے کہ نماز ادا کرلی گئی ہے۔'' استاد صاحب نے پہلو بدلا اور کہنے لگے۔ ''ادھر قلعوں میں شریر یہودی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے ہیں، رئیس خیبر سلام بن مشکم نضری کی روح تو پہلے ہی بیمار ہے، اس وقت جسمانی بیماری بھی لاحق ہے، سپاہ اسلامی کی اطلاع پاتے ہی لوگ اس کے پاس جمع ہوکر مشورہ طلب کرتے ہیں، پیہ پُرفتن نہایت مغرور و متکبر لہجے میں کہتا ہے۔ ''جنگ میں قتل ہونا، قیدی ہونے سے بہتر ہے۔'' اور اسی لمحے جنگ کی تیاریاں نہایت زور و شور سے شروع ہوجاتی ہیں۔ عورتوں اور بچوں کو قلعہ کتیبہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ غلہ اور سامان رسد، قلعہ ناعم میں یک جا ہونے لگتا ہے۔ جنگجو قلعہ نطاۃ اور قموص میں محاذ قائم کرلیتے ہیں اور خود ابن مشکم قلعہ نطاۃ میں فوج کے شریک ہوجاتا ہے، مجاہدین نے یہودیوں کو جارحیت پر کمربستہ دیکھ کر پرجوش نعرۂ تکبیر بلند کیا تو رحمت عالم انہیں فہمائش فرماتے ہیں: ''تم جس ذات کو پکار رہے ہو، وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ تم زور سے پکارو، وہ بہت سنتی، آہستہ آواز کو بھی اسی طرح سنتی ہے۔'' تاہم نبی علیہ السلام جو ابھی تک جنگ سے گریزاں ہیں اور آپ کی کوشش ہے کہ یہودی اسلام کی مخالفت ترک کرکے صلح پر آمادہ ہوجائیں، لیکن جب انہیں جارحیت بلکہ پوری شدت کے ساتھ جنگ پر آمادہ دیکھتے ہیں تو آپ اپنے جاں نثاروں کو مخاطب کرکے جہاد کی اہمیت اور اس کے فلسفے پر ایک مختصر خطبہ فرماتے ہیں۔ اس میں وہ نصائح بھی شامل ہیں جو اس فرق اور امتیاز کو واضح کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ جہاد، عام جنگوں کی طرح نہیں ہے، اہل ایمان دنیاوی مال و دولت اور جاہ واقتدار کے لئے نہیں، بلکہ فی سبیل اللہ، محض

اس کی رضا و خوشنودی کے لئے تلوار کو نیام کرتے ہیں، اور اللہ اس بات میں راضی اور خوش ہے کہ اس کی زمین کو فسق و فجور اور فتنہ و فساد سے پاک کردیا جائے، اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام رائج کیا جائے، جہاں خلق خدا امن وسلامتی کے ساتھ اپنے خالق اکبر کے بتائے ہوئے دین کے مطابق زندگی بسر کرسکے، اس کے علاوہ میدان کارزار میں اترنے سے قبل مجاہدین اسلام کے ذہنوں میں آداب جہاد بھی تازہ رہنے چاہئیں کہ کسی بوڑھے، بچے اور خاتون پر ہاتھ نہ اٹھے، بیمار اور گوشہ نشیں پر زد نہ پڑے، امان کے طالب اور صلح پر آمادہ حریف کو قتل نہ کیا جائے، مختصر یہ کہ مجاہد کی شان کے خلاف ہے کہ اس کی ذات سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس کو اللہ اور رسول نے اجازت نہ دی ہو، مثلاً بلاوجہ درختوں کو نہ کاٹا جائے اور فصل برباد نہ کی جائے۔''

''سبحان اللہ، کیا بہترین اور اعلیٰ اصول ہیں اسلام کے۔'' حیان حسین کے بغیر نہ رہ سکا، استاد عبدالرحمٰن کہنے لگے۔

''اب ہم اس طرف بڑھتے ہیں کہ کس طرح میدان کارزار گرم ہوتا ہے۔'' استاد صاحب کے انداز بیان سے لگتا ہے جیسے وہ ان واقعات کو دہرا کر تحریک اسلامی کے اس پہلو کو تازہ کرنا چاہتے ہیں جہاں رسول کے لئے جہاد بالسیف نا گزیر ہوجاتا ہے۔ جب محمد نبی علیہ السلام کا اندازہ ہوگیا کہ یہود جنگ پر پوری طرح آمادہ ہیں تو آپ بھی مجاہدین کی صف بندی فرمانے لگے۔ یہاں تمہیں یہ بھی بتاتا ہوں کہ یہ پہلا موقع ہے کہ جب فوج میں باقاعدہ علم لہرانے کا عمل شروع کیا گیا، یعنی اب سے پہلے چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوا کرتی تھیں، اس بار نمایاں علم برداری کی گئی ہے، خصوصی طور پر تین پرچم بنوائے گئے ہیں، ایک علم جو سفید رنگ کا ہے، علی المرتضیٰ کو دوسرا حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اور تیسرا حضرت حبابؓ بن منذر کو عطا کیا گیا، خود رسول اللہ کا رایت جس کو عقاب کا نام دیا گیا ہے، سیاہ رنگ ہے، یہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے تیار کردہ ہے، جنگ کے دوران میں مجاہدین کے درمیان پہچان کے لئے خفیہ حرف شناخت، یعنی شعار جو مقرر کیا گیا ہے، وہ ہے۔

''یا منصور امت امت۔''

استاد گرامی، اگر میں غلط نہیں سمجھا ہوں تو، اس تعداد کا مطلب ہے ''اے فتح مند! مار و، مارو۔''

''یہی مفہوم ہے۔'' استاد صاحب نے اثبات میں سر کو حرکت دی اور اسی انداز میں واقعات کو آگے بڑھانے لگے جیسا کہ انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ بند آنکھیں کر کے کہنے لگے۔ ''اپنی مسلم سپاہ کوئی محاذ قائم نہیں کرپائی ہے، کیونکہ سالار اعظم نے ابھی تک جنگ کا واضح حکم نہیں دیا ہے، علم بردار اور فوج کے دوسرے سرخیل اپنے قریب ترین قلعہ نطاۃ کا جائزہ لے رہے ہیں کہ یہودی اس کے اندر سے تیراندازی اور سنگ باری شروع کردیتے ہیں، مجاہدین انہی تیروں کو جمع کرکے یہودیوں کو جواب دیتے ہیں اور یہ سلسلہ پورا دن جاری رہتا ہے۔ مجاہدین کے لئے حملہ کرنے کا کوئی موقع نہیں بلکہ اپنا دفاع کرنے میں بھی مشکل محسوس کررہے ہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ قلعہ نطاۃ جس کے قریب مجاہدین جمع ہیں، خاصی بلندی پر ہے، وہاں سے آنے والے تیر ان کی طرف بہ آسانی پہنچ رہے ہیں، جبکہ جوابًا ان کے نشانے بے خطا و بے اثر ہورہے ہیں، دشمن کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ بلندی سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے، ایک وقت اور بھی مجاہدین کو پیش آرہی ہے، وہ یہ کہ آس پاس درختوں کی بہتات ہے اور ان سے چھوکر آنے والی ہوا نہایت ناگوار ہے جو برداشت سے باہر ہوتی جارہی ہے۔

اس پوری کارروائی میں دشمن کے تیروں کی زد میں آکر کوئی پچاس مجاہدین زخمی ہوچکے ہیں، چنانچہ اس مورچہ کے سالار حضرت حبابؓ ابن منذر، سالار اعظم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ باتیں آپ کے گوش گزار کرتے ہیں اور تبدیلی جگہ کی اجازت طلب کرتے ہیں، حضورؐ ان کی رائے کو پسند فرماتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہاری رائے درست ہے، کسی اور جگہ کا انتخاب کرو!" اذان ملتے ہی حضرت حبابؓ اپنے رفیق حضرت محمدؐ بن مسلمہ کو لے کر چاروں طرف گھوم پھر کر جائزہ لیتے ہیں اور آخر مقام رجیع کو بہتر اور محفوظ جگہ پا کر اسی کو لشکر گاہ بنا دیا جاتا ہے۔ لشکر گاہ کی نگرانی کی ذمہ داری حضرت عثمانؓ بن عفان کے سپرد کی جاتی ہے، یہ اس اعتبار سے نہایت ہی موزوں جگہ ہے کہ غطفان اور خیبر کے عین وسط میں ہے، اس طرح دونوں پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل غطفان کوئی چالیس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ خیبر والوں کی مدد کے لئے حرکت میں آئے کہ مسلمانوں کو رجیع کے مقام پر خیمہ زن ہونے کی اطلاع پا کر انہیں فکر لاحق ہوگئی کہ اس طرح خود ان کی اپنی بستیاں غیر محفوظ ہو جائیں گی، لہٰذا یہود کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ کر واپس ہو گئے ہیں۔

"استادِ محترم! واقعی پھر تو یہ مقام جس کا نام رجیع ہے، مسلمانوں کے لئے بہت موثر ثابت ہوا۔" حیان نے خوشی کا اظہار کیا۔

"ہاں، بلکہ اس جگہ ایک مسجد بھی تعمیر کر لی گئی، میں نے وہ مقام اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جہاں مسلمانوں نے، رسول اللہ کے ساتھ پڑاؤ ڈالا تھا۔" استاد صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے بتایا اور کہنے لگے۔ "اب مجاہدین روزانہ یہاں سے نکلتے ہیں اور خیبر کے قلعوں پر حملہ آور ہوتے ہیں، لیکن کوئی واضح کامیابی نہیں مل رہی۔ یہود، بنو غطفان کے علاوہ رومی حکومت کی طرف سے بھی فوجی امداد کی امید لئے ہوئے ہیں۔ آخر سالارِ محترم نبی علیہ السلام حکم فرماتے ہیں۔

"جنوب کی بجائے شمال سے حملہ کیا جائے!"

"اس کا کیا سبب تھا استادِ محترم؟" حیان، رسول اللہ کے احکام و ارشادات کے اندر پوشیدہ رموز کو سمجھنے کا ذوق وشوق رکھتا ہے۔ استاد صاحب صراحت کرتے ہیں۔

"یہ ایک بہت ہی حربی تدبیر اور سیاسی حکمت عملی ہے کہ یہودی اگر قلعہ خالی کر کے شام کی طرف جانا چاہیں تو انہیں روکا جا سکے اور یہود یوں کو یہ احساس ہو کہ وہ بنو غطفان کے ساتھ ساتھ رومی حلیفوں سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ اس طرح اب مسلمانوں کی طرف سے اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ کسی قدر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی بھی کوششیں کی جانے لگی ہیں۔ لیکن معرکہ آرائی صرف دن کی روشنی میں کی جاتی ہے، رات کے وقت ہاتھ روک لیتے ہیں۔ مجاہد اعظم محمد نبی علیہ السلام بہ نفسِ نفیس محاذ پر تشریف لاتے رہتے ہیں، معائنہ کے بعد مختلف ہدایات دیتے اور رہنمائی فرماتے ہیں۔ اس موقع پر ایک دن حبابؓ بن منذر عرض کرتے ہیں۔

"یا رسول اللہ، آپ اجازت فرمائیں تو کھجوروں کے کچھ درخت کاٹ دیئے جائیں، جو جنگ میں حائل ہو رہے ہیں، یوں بھی یہود ان درختوں کو بچوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔" آپ نے اجازت فرمادی اور نہ صرف قلعہ نطاۃ بلکہ دوسرے قلعوں کے درخت کاٹنے کا بھی حکم دے دیا گیا، تو اس دوران حضرت صدیقؓ خدمتِ عالیہ میں عرض کرتے ہیں۔ "یا رسول اللہ جب فتح مبین میں خیبر کی فتح کی طرف بھی اشارہ ہے تو پھر یہ نقصان یہود کی جگہ خود ہمارا زیاں نہیں؟" نبی علیہ السلام اپنے رفیقِ خاص کے مشورے کو قبولیت بخشتے ہوئے حکم واپس لے لیتے ہیں اور جس قدر درخت کاٹے گئے تھے کٹ چکے تھے، بقیہ سے ہاتھ روک دیا گیا۔"

استاد عبدالرحمٰن ایک طویل وقفے کے بعد دوبارہ کہنے لگے۔

"رجیع کا مقام دفاعی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے بہت محفوظ مستحکم ثابت ہوا، غطفان اپنی راہ میں اسلامی لشکر کو حائل دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے، یہودیوں کی مدد سے باز رہے اور واپس لوٹ گئے۔ دوسری طرف قلعِ نطاۃ کے مکین اپنی بلندی سے فائدہ اٹھا کر، تیر اندازی اور سنگ باری کے ذریعہ مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا رہے تھے، رجیع

کے لشکر گاہ بننے سے، مسلمان، یہودیوں کے اس اوچھے ہتھیار سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مجاہدین روزانہ اپنے اپنے سالار کی سرکردگی میں، رجیع سے روانہ ہوتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح یہودیوں کے قلعوں میں سے کسی ایک کو مقبوضہ بنا لیا جائے، لیکن کئی روز گزر گئے اور کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی تو نبی علیہ السلام نے حکم دیا کہ جنوب کی بجائے شمال کی جانب سے حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نئے حکم کے تحت سب سے اول، قلعہ ناعم پر یلغار کا لائحہ عمل بنایا گیا اور اس کی ذمہ داری حضرت محمودؓ بن مسلمہ کے سپرد کی گئی ہے۔ ابن مسلمہؓ اپنی زیرِ قیادت سپاہ کو لے کر ناعم کی طرف بڑھے، یہ قلعہ دفاعی نقطۂ نظر کے اعتبار سے مضبوط ترین قلعہ ہے، لہٰذا مجاہدین فوری طور پر قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے، یہاں تک کہ حضرت محمودؓ ابن مسلمہ اپنے چار بازوں کو لے کر، مسلسل پانچ روز تک حملہ کرتے رہے اور چھٹے روز خود انہیں ایک سانحے سے دوچار ہونا پڑا۔" استاد صاحب نے کہا اور حیان چونک کر دیکھنے لگا۔" استاد عبدالرحمٰن جو خود بھی کسی قدر افسردہ سے ہو گئے ہیں، ایک لمحہ توقف کر کے دوبارہ بولے۔ "اس ہم کو پانچ روز گزر چکے ہیں، چھٹا دن ہے، دشمن، قلعہ بند ہیں، حضرت ابنؓ مسلمہ کی کوشش ہے کہ پیش قدمی کر کے کسی طرح قلعہ تک پہنچا جائے، صبح سے میدان کارزار گرم ہو رہا ہے، موسم اپنی گرمی الگ دکھا رہا ہے، اس کی شدت بڑھی تو حضرت محمودؓ ابن مسلمہ کچھ دیر دم لینے کی غرض سے، قلعہ کی دیوار کے سائے میں لیٹ گئے۔ دیکھ کر بزدل دشمن کو موقع ہاتھ آ گیا۔ بدبخت کنانہ بن الحقیق نے اوپر سے ایک وزنی پتھر آپ پر پھینک دیا، جو ان کے سر پر لگا جس کے صدمے کی وجہ سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔" حیان دل پکڑ کر رہ گیا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" بمشکل اس کے ہونٹوں سے آواز نکل سکی۔ استاد صاحب کہتے گئے۔

"اب شہید کے بھائی محمدؐ بن مسلمہ نے فوج کی قیادت سنبھال لی اور پیش قدمی کر کے اس زور سے حملہ کیا کہ قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔

"اللہ اکبر!" حیان کو محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ ہی ہے۔ لیکن استاد عبدالرحمٰن نے اس کے پرجوش نعرے سے قطعہ نظر، اپنا بیان جاری رکھا۔

"قلعہ کے اندر متحارب افراد کی تعداد کم اور قیمتی ساز و سامان وافر مقدار میں ہے۔ تاہم شروع میں یہودیوں نے مسلمانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن پھر تاب نہ لا کر اپنے لوگوں کی بہت سی لاشیں چھوڑ کر ایک دوسرے قلعہ صعب میں جا کر مورچہ بند ہو گئے۔ اصل میں یہ قلعہ عرب کے مشہور پہلوان مرحب کا مسکن ہے، لیکن وہ یہاں موجود ہونے کی بجائے، دوسرے قلعہ قموص میں محاذ قائم کئے ہوئے ہے، اس طرح یہ پہلا قلعہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح کرایا۔"

"الحمدللہ!" حیان نے تشکر کے لہجے میں کہا اور استاد صاحب جیسے اپنی بات کا اختتام کرنا چاہتے ہیں، بولے۔

"حضرت محمودؓ بن مسلمہ کی نعش کو لشکر گاہ میں پہنچا دیا گیا، نبی علیہ السلام نے شہید کی نماز جنازہ ادا فرمائی اور یہیں رجیع کے مقام پر سپرد خاک کیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بلند فرمائے۔"

"آمین!"..... "اب ہم، خیبر کے دوسرے قلعہ صعب بن معاذ کی بات کرتے ہیں۔" استاد صاحب نے سلسلہ بیان کو جاری رکھا۔ "یہ قلعہ بھی بہت زیادہ مضبوط اور محفوظ سمجھا جاتا ہے، اس کی تسخیر کے لئے حضرت محمدؐ بن بشر انصاری کا انتخاب کیا گیا ہے۔ وہ اپنے زیرِ قیادت مجاہدین کو لے کر روزانہ قلعہ کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہودیوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہے، ظاہر ہے، وہ قلعہ بند ہو کر جنگ کر رہے ہیں اور مسلمان کھلے میدان میں ہیں، دو بدو جنگ ہو تو اللہ کے شیر، اللہ کا نام لے کر دشمنوں کو زیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے میں ذرا دیر نہ کریں، لیکن اس وقت دشمن محفوظ جگہ بیٹھ کر نبرد آزما ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کو پیش قدمی میں وقت اور فتح میں تاخیر ہو رہی ہے، محاصرہ خاصا طویل ہوتا جا رہا ہے، مجاہدین کے پاس خوردونوش کا سامان بھی ختم ہو چکا ہے، ان حالات کے پیش نظر، حضرت ابن بشر اسلمیؓ محاذ سے چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں۔ ”یا رسول اللہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا، ہمیں بھوک کی شدت نے سرقہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔“ رحمت عالم، اسی وقت بارگاہ الٰہی میں دست دعا دراز کر کے عرض کرتے ہیں۔ ”یا اللہ، مجاہدین کی خوراک کے لئے کوئی بڑا قلعہ فتح کرا دے۔“ اس کے بعد، آپ نے تمام لشکر کو یکجا ہونے کا حکم دیا اور پرچم قیادت، حضرت حبابؓ بن منذر کو عطا کیا اور فرمایا۔ ”ایک ساتھ اور یکبارگی حملہ کرو!“ مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ کی دعا یقیناً قبول ہو گی، اسی یقین، جوش اور جذبے کے ساتھ، سالار فوج حضرت ابن منذرؓ نے آپؐ کے ارشاد کے مطابق یک جان ہو کر حملہ کیا، یہ دیکھ کر کہ مسلمان سرفروش اپنی جانوں پر کھیل کر قلعہ کی طرف یلغار کر رہے ہیں، دشمن کے اوسان خطا ہونے لگے۔ تیر اور پتھر برسانا بھول گئے اور مجاہدین اسلام اللہ کی کبریائی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گئے۔

”اللہ اکبر!“ حیان جیسے خود کو اسی گروہ جاں فروشاں میں محسوس کر رہا ہے۔ استاد صاحب نے کہا۔

”الحمدللہ!“ اس طرح قلعہ صعب بن معاذ بھی اللہ کی نصرت سے مسلمانوں کے ہاتھوں مسخر ہو گیا اور خوراک کی کمی بھی اللہ نے دور فرما دی، بہت مقدار میں خوراک کا ذخیرہ دستیاب ہوا، سامان حرب بھی خاصی تعداد میں ملا، ان میں قلعہ شکن دبابے اور منجنیق بھی ہاتھ آئیں جو بعد کے معرکوں میں مددگار ثابت ہوئیں۔“

”الحمدللہ ثم الحمدللہ!“ حیان کے اظہار تشکر میں احساس مسرت بھی شامل ہے۔

”اس جگہ ایک واقعہ یہ پیش آیا۔“ استاد صاحب یکا یک یاد کرتے ہوئے بولے۔ ”اس فتح کے روز لشکر میں چاروں طرف جگہ جگہ جلتی ہوئی آگ کو دیکھ کر رسول اللہ نے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟ بتایا گیا، ”لشکریوں نے ہانڈیاں چڑھا رکھی ہیں، جن میں گوشت پکایا جا رہا ہے۔“ آپ نے گوشت کے بارے میں معلوم کیا؟ ”کس چیز کا ہے؟“ عرض کیا گیا، ”اہلی حمار“ یعنی پالتو گدھوں کا ہے، آپ نے فرمایا، ”یہ نجس ہے، اس گوشت کو پھینک دو اور برتنوں کو توڑ ڈالو!“ کچھ لوگوں نے سنتے ہی ہانڈیاں الٹ دیں، اور برتن توڑ ڈالے اور کچھ نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ! اگر برتنوں کو خوب دھو لیں تو کیا پاک ہو جائیں گے!“ آپ نے اثبات میں فرمایا، ”ہاں۔“

مسلمانوں کو خیبر کا محاصرہ کئے دس روز سے زیادہ عرصہ ہو چلا ہے، دو مضبوط قلعے فتح ہو چکے ہیں، لیکن ابھی کئی اور قلعے باقی ہیں، خصوصاً ان کی مرکزی طاقت میں کوئی نمایاں فرق نہیں آ سکا ہے، مجاہدین کی توجہ اب اس پہلے قلعہ یعنی نطاۃ کی طرف ہے جہاں سے اس مہم کا آغاز کیا گیا تھا۔ لشکر اس کا حصار کئے ہوئے ہے، رات کا وقت ہے، نگرانی کے فرائض حضرت عمرؓ بڑی ذمہ داری سے انجام دے رہے ہیں، کہ ایک یہودی جو غالباً مسلمانوں کی جاسوسی کے لئے بھیجا گیا ہے، یکا یک مجاہدین کی گرفت میں آ جاتا ہے، تیغ فاروقی ابھی اس کی گردن اڑا دینا چاہتی ہے کہ یہودی التجا کرتا ہے۔ ”ٹھہرو مجھے اتنی مہلت دو کہ میں تمہارے نبی کی خدمت میں حاضر ہو سکوں۔“ حضرت فاروقؓ اسے خدمت اقدس میں لے جاتے ہیں۔ یہودی آپؐ کے حضور عرض کرتا ہے۔ ”اگر آپ میری جاں بخشی فرمائیں تو میں ایک راز بتانے پر تیار ہوں۔“ ارشاد ہوتا ہے۔ ”امان ہے“ یہودی رازدارانہ انداز میں بتاتا ہے۔ ”آج رات گئے نطاۃ کے مکین، دوسرے قلعہ شق میں منتقل ہونے کے لئے، نطاۃ سے

نکلنے والے ہیں، آپ کے لئے موقع ہے کہ صبح ہوتے ہی اس پر قبضہ کر لیں، چنانچہ مسلمانوں نے حسب معمول رات اس سے گزاری اور صبح سجدہ فرض بجالا کر قلعہ کی طرف پیش قدمی کی اور بغیر کسی مزاحمت نطاۃ پر قبضہ ہو گیا۔

”الحمدللہ!“ حیان اپنی دلی مسرت کو چھپا نہ سکا، استاد عبدالرحمٰن نے مناسب سمجھا کہ زیر تذکرہ قلعہ کی بات پوری کر دی جائے کہتے ہیں۔ ”جب قلعہ پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تو زیر حراست یہودی، مسلمانوں کو اس پوشیدہ تہہ خانے تک لے گیا، جہاں نقد اور قیمتی اشیا محفوظ کی گئی ہیں۔ اس شخص نے اپنی جاں بخشی کی خوشی میں یہ معلومات بھی فراہم کیں کہ نطاۃ سے نکل کر یہودی شق نامی جس قلعہ میں گئے ہیں، وہاں حالت سامان حرب موجود ہے، خصوصاً قلعہ شکن سامان منجنیق وغیرہ بھی شامل ہیں۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مسلمانوں کے شامل حال ہے کہ یہ قلعہ بھی مسلمانوں کے زیر قبضہ آ گیا۔ اور اب لشکر اسلامی مکمل فتح کی طرف گامزن نظر آنے لگا ہے۔“ استاد صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور حیان کے چہرے پر فتح مندی کی چمک واضح نظر آ رہی ہے۔

”پر خوردار، اگر جا چکے ہو کہ مجلس ابھی کچھ دیر اور قائم رہے تو اس بوڑھے راوی کا حلق تر کرا دو!“ استاد صاحب کی آواز میں زندہ دلی محسوس کر کے حیان پھول کی طرح کھل اٹھا۔ فوراً آبدان کی طرف متوجہ ہوا اور پانی کا پیالہ استاد محترم کو پیش کر دیا، اور استاد نے آبجوشی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے، کچھ پانی پیالے میں رہنے دیا، جس کو ان کے عزیز شاگرد نے نہایت عقیدت و محبت سے اپنے حلق میں انڈیل لیا۔

”اب ہم ایک اور قلعہ ابی کی فتح کا حال بیان کرتے ہیں۔“ استاد صاحب تازہ دم ہو کر کہنے لگے۔ ”اس طرف نطاۃ فتح ہوا۔ ادھر قلعہ صعب بن معاذ کے فاتح حضرت حبابؓ بن منذر نے قلعہ ابی پر حملے شروع کر دیئے۔ قلعہ میں سے ایک یہودی عزوان نامی جانباز، مسلمانوں کو للکارتا ہوا باہر آیا، حضرت حبابؓ بن منذر نے اس کی مبارزت قبول کی اور مقابلے کے دوران ایک ہی وار میں اس کا دایاں بازو شانے سے الگ کر دیا۔ اسی دوران میں ایک اور یہودی کو موقع مل گیا اور نکل کر ایک مجاہد کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن اسی وقت احد کے شہرت یافتہ بہادر ابودجانہ شیر کی طرح جھپٹے اور پلک جھپکتے ہی اس شریر کو خاک و خون میں ملا دیا۔ ان کی شیر دلی اور برق رفتاری کو دیکھ کر یہودی سہم کر رہ گئے، کسی کو بھی آگے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو سکی، اللہ کے اس شیر نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اس کی گونج میں وہ اپنے رفیق مجاہدین کے لئے قلعہ کی فصیل پر چڑھنے لگے، لیکن جیسے ہی قلعہ میں داخل ہوئے، یہودی مقابلے پر ڈٹ گئے، اور دوبدو جنگ ہونے لگی۔ ابودجانہؓ دشمن پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑے، یہودی، ان کے حملوں کی تاب نہ لا کر پسپا ہونے لگے اور جان بچانے میں کامیاب ہو سکے، اس طرح کہ بھاگ کھڑے ہوئے اور یہاں سے نکل کر ایک اور قلعہ، نزار میں جا چھپے، اس طرح تو حید پرستوں نے فاتحانہ نعرہ بلند کیا اور سجدۂ شکر بجالائے۔“

”الحمدللہ ثم الحمدللہ۔“ حیان نے بھی بے ارادہ، اپنا سر خمیدہ کر لیا، گویا وہ سجدہ ریز ہونا چاہتا ہے۔

”اس مفتوحہ قلعہ کے اندر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور پارچہ جات کے علاوہ دوسرا سازوسامان بھی خاصی مقدار میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔“ استاد صاحب نے چند لمحے توقف کے بعد، دوبارہ کہنا شروع کیا۔ قلعہ ابی کی تسخیر کے بعد، قلعہ البر کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا، لیکن البر کے مکینوں نے سخت مزاحمت کی، قلعہ کے اندر سے تیر اور پتھر برسانے لگے۔ تیر اندازی اور سنگ باری اس قدر شدت کی ہے کہ مسلمانوں کو قلعہ صعب بن معاذ میں سے قلعہ شکن منجنیق لانی پڑیں، جس کے ذریعہ بھاری پتھر پھینک کر قلعہ پر ضربیں لگائیں جب کہیں دیواریں گریں اور مجاہدین کو اندر جانے کا راستہ ملا اور اس طرح معمولی مزاحمت کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد اس قلعہ پر بھی مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔"

حیان کے چہرے پر مسلمانوں کی مسلسل کامیابی نے خوشی کا رنگ بکھیر دیا ہے، اگر کوئی غور سے اس کا جائزہ لے تو فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اس کے بادامی رنگ چہرے پر زیتون کے تیل سے چلنے والے چراغ کی لو کا اس میں کتنا حصہ ہے اور خود اس کے اپنے اندر کی روشنی کتنی حصہ دار ہے۔

"بیٹا، اب یہ قلعوں کی فتح یابی کا سلسلہ چلا ہے تو میں چاہوں گا کہ اس تسلسل کو برقرار رکھا جائے۔" استاد صاحب اپنی عمر کے برعکس مستعد ہیں اور شاگرد کے شوق سماعت سے زیادہ خود اپنے بیان کے ذریعہ اسے معلومات فراہم کرنے کا اشتیاق رکھتے ہیں۔ "اب ہم دیکھتے ہیں کہ مجاہدین کا رخ پہاڑ کی چوٹی پر قائم اس قلعہ کی طرف ہے جسے اسی نسبت سے قلعہ قلّہ، یعنی چوٹی کے نام سے پکارا جاتا ہے، اس مہم کو سر کرنے والے مجاہدین کے سر خیل حضرت زبیرؓ بن عوام ہیں، اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے اس کو فتح کرنا کسی قدر مشکل نظر آرہا ہے، زبیر جیسے دلیر مجاہد کو اپنے جاں بازوں سمیت، اس قلعہ کا محاصرہ کئے تین روز گزر چکے ہیں، تاہم مسلمانوں کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں کہ اسی دوران ایک یہودی کسی طرح آکر سالارِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، اپنا نام غزال بتاتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ "اے ابوالقاسم اگر آپ ایک ماہ تک بھی اس کو محصور کئے رہیں تب بھی اس قلعہ کے لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔" یاد رہے حضور نبی کریم کو، یہودی اسی کنیت، یعنی ابوالقاسم سے مخاطب کیا کرتے تھے، اس کے بعد وہ غزال نامی یہودی قلعہ والوں کے کمزور پہلو سے آپ کو آگاہ کرتا ہے۔ کہتا ہے "پانی کے تمام چشمے کیونکہ پہاڑ کے نیچے زمین پر ہیں اور اہل قلعہ، رات کو قلعہ سے نکل کر پانی بھر لاتے ہیں، لہٰذا محصوری کی طوالت سے ان پر کوئی فرق نہیں پڑ رہا، البتہ اگر آپ کسی طرح پانی کی ترسیل بند کردیں تو یہ مجبور ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، چشموں کو اپنی تحویل میں لے لیا گیا اور قلعہ میں پانی کی ترسیل بند ہوگئی، اس کی وجہ سے قلعہ کے کمینوں میں گھبراہٹ اور پریشانی پیدا ہوئی اور پھر آخر وہ باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ سخت معرکہ پیش آیا، دن سے زیادہ یہودی مارے گئے اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے، تاہم قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔"

"استاد محترم جس طرح مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ مسلسل فتح سے ہمکنار فرما رہا ہے، یہودیوں کو اپنی غلطی کا پھر بھی احساس نہیں ہو رہا؟"

"تم ان فتوحات کی بات کرتے ہو بیٹا! یہ تو ہم تو وہ ہے جس نے اپنی آنکھوں سے اپنے دور کے سب سے طاقتور اور مغرور حکمران فرعون کو دریائے نیل میں غرق ہوتے دیکھا، صدیوں کی غلامی سے نجات کے ساتھ ساتھ انہیں اللہ نے من وسلویٰ کی نعمت سے بھی نوازا۔ لیکن اس کا شکر بجالانے کی بجائے، اس کے نبی موسیٰ علیہ السلام سے نئی نئی فرمائش کرنے لگے اور ایک اللہ کی بندگی اور اس کی پرستش کو نظر انداز کر کے ایک شہد باز کے ہاتھ سے بنائے ہوئے طلائی بچھڑے پر فریفتہ ہوگئے اور اسے اپنا خدا بنالیا، انہی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے آخر اس قوم کو جسے اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم پر برتری عطا فرمائی تھی، اپنے عتاب کی مستحق ٹھہرائی اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن گئی، اور اب اللہ رب کریم نے وہ تاج سیادت جو اس کی پہچان تھا، اس کے سر سے اتار کر امت محمد عربی ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی زینت بنا دیا۔ اب تم دیکھ رہے ہو کہ کس طرح اسلام، مشنی اور دین کے مقابل کفر و شرک کی حمایت کرنے کی سزا میں ذلت کی چھاپ ان کے منہ پر لگ رہی ہے، کئی گنا تعداد میں ہونے کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند ہزار جاں نثاروں کے ہاتھوں ہے در پے شکست کھا رہے ہیں، جن پر ستوں سے خوفزدہ ہو کر، چوہوں کی طرح بلوں میں چھپ گئے ہیں، کاش یہ اللہ سے ڈرتے اور

اسلام کی مخالفت اور اس کے خلاف سازشیں کرنے کی بجائے، نبی برحق کی تصدیق کرتے اور دین حق کی ترویج واشاعت میں آپ کا ساتھ دیتے، جیسا کہ اللہ کے باغی بت پرستوں کا جان و مال سے ساتھ دے رہے ہیں تو دنیا و آخرت دونوں جہاں میں سرخرو و کامیاب قرار دیئے جاتے ہیں، لیکن افسوس، ان سود خوروں نے نہایت خسران کا سودا کیا اور اپنی عادت بد اور بدخصلت کی وجہ سے سوائے ذلت و رسوائی ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔" استاد صاحب کے چہرہ پر افسوس کا رنگ گہرا ہوگیا، خود حیان بھی اسی طرح متاثر نظر آرہا ہے۔ "دیکھو جن سنگین قلعوں کو یہ اپنی مضبوط اور محفوظ پناہ گاہیں سمجھے ہوئے ہیں، ایک ایک کر کے ان کے ہاتھ سے نکلتے جارہے ہیں۔"

"یہ قلعہ قوص، خیبر کا مضبوط ترین قلعہ ہے، اب مجاہدین اسلام اس کو محصور کئے ہوئے ہیں، عرصہ طویل سے طویل تر ہوتا جارہا ہے لیکن قلعہ کسی طرح سر نہیں ہو پا رہا، مجاہدین قلعہ شکن ہتھیار استعمال کرنے کے ساتھ اجتماعی اور انفرادی ہر ممکن شجاعت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، لیکن کسی صورت کامیابی نہیں مل رہی۔ اس بات سے تم اس قلعہ کی مضبوطی اور استحکام کا اندازہ لگا سکتے ہو، اسی دوران میں نبی علیہ السلام کو درد شقیقہ لاحق ہوگیا۔"

"یا اللہ!" حیان تڑپ کر بولا۔ "یہ جو آپ نے فرمایا، کیا تکلیف ہوتی ہے؟"

"بیٹا آدھے سر کے درد کو، درد شقیقہ کہتے ہیں! بہت تکلیف دہ ہے۔"

"لیکن استاد گرامی، رسول اللہ کو بھی.....؟"

"بیٹا! یاد رکھنا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک بشری، دوسری نبوی، لہٰذا آپ کا کسی مادی چیز، جیسے موسم وغیرہ سے متاثر ہونا اور دکھ تکلیف محسوس کرنا یا رنج و راحت کا اظہار فرمانا، یہ سب بشری تقاضے ہیں۔" ان باتوں کا ظہور اس لئے بھی ضروری تھا کہ کوئی فرط عقیدت میں آپ کی طرف الوہیت کو منسوب نہ کرنے لگ جائے، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام ابن مریم کو آنجناب کی چند ماورائے عقل نشانیوں کو دیکھ کر ابن اللہ بنا ڈالا۔" استاد صاحب نے وضاحت کی اور حیان فکر مند آواز میں بولا:

"استاد محترم، حضور نبی کریم اس تکلیف سے پریشان ہوئے ہوں گے؟"

"ظاہر ہے بیٹا، تکلیف تو ہر حال تکلیف ہوتی ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کوئی معمولی نہیں، آپ جری اور حوصلہ مند شخصیت کے حامل ہیں آپ، اس تکلیف کے باوجود، جنگ کی تمام صورت پر نظر رکھے ہوئے ہیں، آپ اس قلعہ کی اہمیت سے بھی آگاہ ہیں، مرحب جیسا عرب کا مشہور ترین پہلوان بھی اس وقت اسی قلعہ میں مورچہ بند ہے، مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا ہے، لگتا ہے قلعہ میں سامان حرب کے ساتھ ساتھ جنس خورد و نوش بھی وافر مقدار میں موجود ہے، کیونکہ خاصے طویل محاصرے سے بھی اہل قوص کی ہمت ٹوٹتی نظر نہیں آرہیں، حضرات ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ رسول اللہ کے حکم پر باری باری حملہ کر کے آزما چکے ہیں، لیکن دونوں ہی حضرات کو کامیابی حاصل نہیں ہوسکی ہے، اور اس کا یہ سبب نہیں کہ حضرت صدیق یا حضرت فاروق کی جرأت و بہادری میں کوئی شک و شبہ ہے، حضرت صدیق اکبر تو رکیک القلب ہیں، حرب و ضرب میں کوئی امتیاز آپ کی ذات سے مخصوص نہیں، تاہم عمر فاروقؓ تو باطل کے خلاف، حق کی شمشیر برآں ہیں، آپ بھی قوص کے محاذ پر کامیاب نہیں ہوسکے تو اس کی وجہ کچھ اور ہے، مشیت کے اپنے تقاضے ہیں، اللہ اپنے رسول کے ان رفیقوں کو مختلف نشانات، امتیازات اور انعامات سے نوازنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعد میں دنیا نے دیکھا کہ کسی کو صدیق، کسی کو فاروق، کسی کو غنی اور کسی کو اسد اللہ کے خطابات سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوازا گیا تو بارگاہ رسالت ایک انجمن بن گئی، بس یہی تنوع ہمیں یہاں اس جنگ میں، قلعہ قموص کے موقع پر نظر آتی ہے، صدیقؓ و فاروقؓ کے بعد رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ”کل صبح میں اس علم دوں گا جو اللہ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اسے دوست رکھتا ہے، اور اللہ نے چاہا تو کل یہ قلعہ فتح ہو جائے گا۔“

”سبحان اللہ، استاد محترم، جیسا کہ سنتے آئے ہیں، فاتح خیبر علی مرتضیٰ ہیں، تو کیا نبی علیہ السلام کا اشارہ انہی کی طرف ہے۔“ حیان کے جواب میں استاد صاحب نے اثبات میں کہا۔

”ہاں بلاشبہ یہ اعزاز حضرت علی کو ہی حاصل ہوا۔“ بلکہ حضرت محمودؒ ابن مسلمہ شہید خیبر کے برادر حضرت محمدؐ بن مسلمہ سے فرمایا۔ ”اے محمد بن مسلمہ! کل تیرے بھائی کا قاتل قتل ہو جائے گا!“

”اللہ اکبر!“ حیان کے منہ سے بیساختہ نکلا، اور استاد عبدالرحمٰن نے اپنا بیان جاری رکھا۔

”صحابہ سونے کے لئے لیٹ گئے ہیں لیکن نیند سے ہم آغوش ہونے میں انہیں وقت پیش آرہی ہے، ایک ہی سوال مسلسل ان کے ذہنوں میں بار بار ابھر رہا ہے کہ وہ کون خوش بخت ہے جس کو نبی علیہ السلام اپنے دست مبارک سے پرچم فتح عطا فرمائیں گے؟“ حضرت عمرؓ اپنی طبیعت میں کمال درجہ قناعت رکھتے ہیں، اور اپنی اسی بلند نظری اور فقر کے سبب کبھی نام اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن ان کی خودداری برقرار نہ رہ سکی، آپ کو بھی اس موقع کی تمنا میں کم ہی سونے دیا اور بھی جانے کتنے صحابہ اس شرف کے حصول میں رات بھر بے قرار رہے، تہجد کے وقت بھی اسی خیال میں سجدے گزارے، پھر نماز فجر ادا کی گئی اور وہ وقت آیا جب مجاہدین میدان کارزار گرم کرنے کے لئے آگے بڑھنے والے ہیں تو سپہ سالار اعظم نے علی مرتضیٰ کو طلب فرمایا، عرض کیا گیا، آشوب چشم میں مبتلا ہیں، اسی حالت میں آنے کے لئے ارشاد ہوا، چنانچہ علیؓ، سلمٰہ ابن اکوع کا ہاتھ پکڑے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ قریب آنے پر رحمت مجسم نے چشم مبارک اٹھا کر دیکھا، آنکھیں آئی ہوئی ہیں اور سخت تکلیف سے متاثر نظر آتی ہیں، اسی وقت دست مبارک اٹھتے ہیں، دعائے شفا فرماتے ہیں اور اپنا لعاب دہن دکھتی آنکھوں سے لگا دیتے ہیں، اب کیا ہے، رسول اللہ کا لعاب دہن لگے اور بیماری اپنا وجود نہ کھوئے، یہ کس طرح ممکن ہے، پلک جھپکتے ہی بیمار آنکھوں نے ایسی شفایابی کہ کہتے ہیں زندگی میں کبھی کوئی مرض ان آنکھوں کے قریب نہ آسکا۔“

”سبحان اللہ“ حیان کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

”تم نے غور کیا حیان!“ استاد عبدالرحمٰن نے یکایک اسے مخاطب کیا۔ ”یہ ہے فرق بحیثیت بشر اور بحیثیت رسول میں، آپ کو بذات خود درد شقیقہ لاحق ہے، اور آپ بحیثیت انسان اس تکلیف کو برداشت کئے ہوئے ہیں، یہ ایک بشری معاملہ ہے، اور یہ شان رسالت ہے کہ آپ کا لعاب دہن بڑی سے بڑی بیماری کے لئے وجہ شفا بن جاتا ہے، پھر یہ بھی قابل غور نکتہ ہے کہ کیا آپ خود اپنا عارضہ دور نہیں فرما سکتے؟ یقیناً ایسا کر سکتے ہیں، لیکن یہ آپ کے ایثار اور تواضع کی مثال ہے کہ آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کی رضا پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے، اسی طریق پر عمل فرماتے ہیں جیسا کہ آپ سے قبل آپ کے ہم منصب کرتے آئے ہیں، یعنی آپ کے پیش نظر بھی یہی قول ہے کہ واذا مرضت فھو یشفین۔“ کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا بخشتا ہے۔“

”اللہ اللہ! واقعی استاد محترم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قربان جائیے، آپ کا ہر عمل اور ہر قول، سبحان اللہ سبحان اللہ۔“ حیان اپنے آقا و مولا کی مدحت میں لب کشائی کرتا ہے تو جھومنے لگتا ہے۔

”اب سالار اعظم نے جو سراپا رحمت ہیں، حضرت علیؓ کو علم عطا فرمایا جو سیدہ عائشہؓ کی چادر مبارک سے تیار

کردہ ہے اور اس کو عقاب کا نام دیا گیا ہے، اور ہدایت فرمائی۔ ”اے علی! قتال سے قبل انہیں اسلام کی دعوت دو! اگر ایک شخص بھی ان میں سے ہدایت پا گیا تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“ اس آرزو کے بعد آپ نے انہیں اللہ کے حوالے کیا، علی علم لہراتے ہوئے قلعہ کی جانب بڑھے اور حسب ہدایت یہود یوں کو اسلام اور صلح کی دعوت دی، لیکن وہ کب دین حق کی طرف آنے والے ہیں، اور نہ ہی وہ صلح پر راضی ہوئے۔ بلکہ مشہور یہودی پہلوان مرحب، اپنی طاقت کے زعم میں بھرا اور لوہے میں ڈوبا رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر آیا ہے۔

”قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب“

یعنی خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر، تجربہ کار اور سلاح پوش یعنی ہتھیار بند ہوں۔“ اس پیکر غرور کے سر پر زرد رنگ کا یمنی مغفر ہے اور اس پر سنگی خود کسا ہوا ہے۔“

استاذی محترم! ”سنگی خود سے کیا مراد، کیا وہ پتھر کا بنا ہوتا ہے؟“ حیان نے پوچھا۔

”ہاں یہ قدیم زمانے کی صنعت تھی، گول پتھر کو درمیان سے خالی کر کے خود کی شکل بنایا جاتا، جس کو جنگ کے دوران کلاہ کی طرح پہن لیا کرتے تھے۔ جواب میں حضرت علی رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

انا الذی اسمتنی امی حیدرہ
کلیث غابات کریہ المنظرہ

یعنی، میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، میں جنگل کے شیر کی طرح مہیب اور دشمن کے لئے بد نظر ہوں، یعنی بڑے بڑے بہادر مجھے دیکھ کر گھبرا اٹھے اور خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔“ حضرت علی اور دیگر مجاہدین اسلام اسے ہاتھی کی طرح جھومتا آتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن مرحب کی مبارزت کے جواب میں حضرت علی سے پہلے حضرت عامرؓ ابن اکوع آگے بڑھتے، مرحب نے وار کیا تو سپر آگے کی اور جواباً تلوار گھما کر مرحب پر وار کرنا چاہتے ہیں کہ سوئے اتفاق خود اپنے ہی آن لگی اور بے طرح زخمی ہو گئے، لیکن اسی وقت حضرت علیؓ مرحب کے آگے چٹان بن جاتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کو جانچتے ہیں، آنکھیں چار ہوتی ہیں، مرحب بڑی ٹھاٹ دکھاتا ہے، اپنے مقابل پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کہ اللہ کا شیر جھپٹ کر نہایت برق رفتاری سے اس کے حملے کو روکتا ہے اور پلک جھپکتے ہی تلوار حیدری پہاڑ جیسے مرحب کی سپر اور خود کو چیرتی چلی جاتی ہے۔

یہود حیران رہ جاتے ہیں، اسی وقت مرحب کا بھائی یاسر غم و غصے میں جنونیوں کی طرح منہ سے کف تھوکتا آیا اور تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا، ادھر سے حضرت زبیرؓ بن عوام نے اس سے مقابلہ کا قصد کیا، رسول کریم کی پھوپی صاحبہ حضرت صفیہ نے بیٹے کو مقابلے کے لئے نکلتے دیکھا تو رسول اللہ سے عرض کی۔ ”کیا میرا بیٹا مارا جائے گا؟“ دراصل یہ ممتا کا فطری جذبہ ہے، جس نے انہیں ایسا کہنے پر مجبور کر دیا، ورنہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب خود بہت بہادر خاتون ہیں اور عورت ہوتے ہوئے جذبہ جہاد سے سرشار ہیں۔“ استاد صاحب نے وضاحت کی اور حیان اسی وقت بولا۔

”جی ہاں استاد گرامی، جنگ خندق کے موقع پر دشمن کو چوب خیمہ سے دار گر کے مار ڈالنا، ان کی بہادری کی زندہ مثال ہے۔“

”بہر حال، ایک ماں کے بیٹے کے لئے ایسا خیال کرنا فطری بات ہے، تاہم حضور مخبر صادق انہیں خوشخبری سناتے ہیں۔ ”ان شاء اللہ تمہارا بیٹا ہی اسے قتل کرے گا۔“ لیکن حضرت زبیرؓ انجام سے بے نیاز یہ رجزیہ اشعار کہتے ہوئے یاسر کے مقابل ہوتے ہیں۔

”خیبر کو معلوم ہے کہ میں زبیر ہوں، سردار قوم کے شرفا کی اولاد ہوں، نہ نکما ہوں اور نہ مقابلے سے پیچھے ہٹنے والا، اے یاسر! تجھے کافروں کا اجتماع فریب میں مبتلا نہ کرے، یہ تو مثل سراب غائب ہو جانے والے ہیں۔“ ادھر سے

یاسر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا آتا ہے اور جوش انتقام میں جبر ا ہوا حضرت زبیرؓ پر جھپٹ پڑتا ہے۔" مجاہد اسلام پہلے ہی مستعد ہے، اس کے وار کو بڑی مہارت اور بہادری سے روکتا ہے، کچھ دیر دونوں دلیرانہ اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں، آخر نبی علیہ السلام کی پیش گوئی بار آور ثابت ہوتی ہے، یاسر، حضرت زبیر کی تلوار کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"اللہ اکبر!" حیان پر جوش ہو کر بولا۔ استاد صاحب بیان جاری رکھتے ہیں۔

"یہ دیکھ کر یہودی یک بارگی عام حملہ کر دیتے ہیں، مجاہدین پہلے سے تیار ہیں، لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آوازیں قلعہ کی سنگین دیواروں میں بازگشت پیدا کرنے لگتی ہیں، اسی اثنا میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑتی ہے، اٹھانے کا موقع نہیں لیکن بڑے سے بڑے بہادر کے لئے بھی بغیر سپر کے اپنے مقابل سے معرکہ آرائی مشکل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آپ کی نظر قلعہ کے دروازے پر پڑتی ہے، تیزی سے اس کی طرف بڑھتے ہیں، اللہ اکبر کہہ کر زور لگاتے ہیں کہ ایک پٹ اکھڑ کر ہاتھ میں آجاتا ہے، اسی کو ڈھال بنا کر دوبارہ دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ یہود یوں کو ان کے بہادروں کی موت نے ہراساں و پراگندہ کر دیا ہے، حضرت علیؓ قلعہ کا دروازہ توڑ چکے ہیں، یلغار کرتے ہوئے پیش قدمی کرتے ہیں، اور نعرۂ تکبیر کی گونج میں اپنے بہادروں کے ساتھ قلعہ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح یہ ناقابل تسخیر قلعہ بالآخر مسلمانوں کے ہاتھوں مسخر ہو جاتا ہے۔"

"اللہ اکبر واللہ اکبر" حیان کا سر اظہار تشکر میں خم ہو جاتا ہے۔

"غنیمت میں کیا کچھ اس قلعہ سے مجاہدین کے ہاتھ آیا، اس سے قطعہ نظر، قابل ذکر بات یہ ہے کہ بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی دختر صفیہ اور ان کی دو عم زاد بھی اس قلعہ سے اسیر ہوئیں۔ حیی ابن اخطب تو تمہیں یاد ہوگا، اپنی فتنہ انگیزیوں کی پاداش میں سزا پا چکا ہے۔"

"جی ہاں جو بنو قریظہ کے ساتھ قتل کر دیا گیا تھا۔" حیان نے کہا اور استاد صاحب بولے۔ "لیکن اللہ کی شان دیکھیے، اسی کی یہ بیٹی صفیہ کو جو کنانہ بن ربیع کی بیوی تھی، ازدواج مطہرات میں شامل ہونے کا اعزاز اور ام المومنین کہلانے کا شرف حاصل ہوا۔"

"سبحان اللہ" حیان مسرت انگیز انداز میں بولا۔ یکا یک افسردہ سا ہو کر پوچھنے لگا۔ "استاد محترم حضرت عامر ابن اکوع جو زخمی ہو گئے تھے، ان کا کیا ہوا؟"

"بیٹا، تمہیں یاد ہوگا، حضور اکرمؐ نے، لشکر کی روانگی کے وقت، ابن اکوع کی حدی خوانی سے خوش ہو کر ان کے حق میں دعا فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ نے فوراً جان لیا تھا کہ عامر ابن اکوع ضرور شہادت سے سرفراز ہوں گے، لہٰذا ایسا ہی ہوا مرحب سے مقابلہ کرتے ہوئے، خود اپنے ہی ہاتھوں زخمی ہوئے تو جانبر نہ ہو سکے، خون زیادہ بہہ جانے کے سبب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، یہ دیکھ کر ان کے بھائی حضرت مسلمہ ابن اکوع نے یہ خیال کیا کہ عامر خود اپنی تلوار کا نشانہ بنے ہیں تو شاید ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور شہادت سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے اس خیال کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو آپس میں ملا کر فرمایا۔

"اس کا اجر دہرا ہے، وہ بہت جاں باز مجاہد تھا، اس جیسا کوئی عرب روئے زمین پر نہ چلا ہوگا، وہ شہید ہے۔"

"اللہ اکبر!" حیان کی آواز لرز کر رہ گئی اور آنکھیں بھر آئیں۔ "کیا عالی شان مقدر کے لوگ تھے۔"

"ہاں بیٹا، ان حضرات کی خوش نصیبی کا اندازہ کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں۔" استاد صاحب خود بھی جذباتی ہو گئے، پھر کہنے لگے۔ "اس مرد مجاہد کی نماز جنازہ بھی بنفس نفیس حضور نبی کریمؐ نے پڑھائی اور رجیع کے مقام پر ہی محمودؓ بن مسلمہ کے جوار میں دفن کئے گئے۔"

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پیاری تھیں، بعض علماء نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے عمر میں سب سے چھوٹی بتایا ہے۔

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اس وقت ہوئی جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا اکتالیسواں برس تھا۔ مدائنی فرماتے ہیں کہ ان کی ولادت شریف اس وقت ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی اور اس وقت قریش مکہ، کعبہ مکرمہ کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ مشغول تھے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ پیدائش کے بالکل ہی قریب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے نبوت عطا کر دی گئی۔ نبوت کا ملنا کیا تھا، تمام قریش کا دشمن بن جانا تھا، جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت کی جانب سے تبلیغ کا حکم ہوا اور آپ نے باامر الٰہی تبلیغ شروع کر دی تو قریش مکہ آپ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ کو ستانے لگے۔ آپ کی تکلیف سے آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کی آل اولاد سب ہی کو تکلیف پہنچتی اور دکھ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف کے قریب نماز کی نیت باندھ لی، وہیں قریش مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک بدنصیب نے حاضرین مجلس سے کہا، بولو تم میں سے کون اس کام کو کر سکتا ہے کہ فلاں خاندان نے جو اونٹ ذبح کیا ہے اس کی اوجھڑی اور خون کو لے آؤ اور پھر جب یہ سجدہ میں جائیں تو ان کے کاندھوں کے درمیان رکھ دے، یہ سن کر ایک شقی اٹھا، جو اس وقت کے حاضرین میں سب سے زیادہ بدبخت تھا، اس نے یہ سب گندی چیزیں لا کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کاندھوں کے درمیان ڈال دیں اور آپ سجدہ ہی میں رہ گئے، آپ کا یہ حال دیکھ کر ان لوگوں نے (بے خود ہو کر) ہنسنا شروع کر دیا اور اس قدر ہنسے کہ خوشی کی وجہ سے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

کسی نے یہ ماجرا جا کر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جا کر خبر کر دی، (اس وقت وہ نو عمر تھیں) خبر پا کر وہ دوڑی چلی آئیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مبارک کاندھوں سے اٹھا کر وہ گندگی پھینک دی اور اس حرکت کرنے والوں کو برا کہنے لگیں، پھر جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو آپؐ نے تین مرتبہ بددعا فرمائی۔ آپؐ کی عادت تھی کہ جب دعا فرماتے تو تین مرتبہ فرماتے تھے اور جب اللہ سے سوال کرتے تو تین مرتبہ سوال کرتے تھے، آپؐ نے اول قریش کے لئے عام بددعا فرمائی:

''اے اللہ! تو قریش کو سزا دے اور اس کے بعد قریش کے سرغنوں کے نام لے کر ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ بددعا فرمائی۔''

الغرض حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بچپن دین کے لئے تکلیفیں سہنے میں گزرا، حتیٰ کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایذاؤں سے بچنے کے لئے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

ہجرت:..... سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفیق سفر بنا کر ہجرت کی اور آپؐ اپنے تمام کنبہ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ گئے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع کی اور اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہم (دونوں بیویوں حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو اور اپنی صاحبزادیوں کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہوگئے تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابورافع رضی اللہ عنہ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا تا کہ سب کو مدینہ منورہ لے جائیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی مقصد سے دو یا تین اونٹ دے کر آدمی بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ دیا کہ سارے کنبہ کو لے آؤ، چنانچہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب گھر والوں نے ایک ساتھ مدینہ منورہ کی ہجرت کی، اس قافلے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر حضرات تھے۔

جس وقت یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے آس پاس اپنے اہل وعیال کے لئے حجرے بنوا رہے تھے، ان ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں اور ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہن کو ٹھہرادیا۔

شادی:..... ہجرت کے بعد ۲ھ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کردیا، الاستیعاب میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۱۵ سال ساڑھے پانچ ماہ تھی اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۱ سال پانچ ماہ تھی۔

مسند امام احمد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ خود ان کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بارے میں اپنے نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کیا تو میں نے (دل میں) کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، پھر یہ کام کیوں کر انجام پائے گا؟ لیکن اس کے بعد ہی معاً دل میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور نوازش کا خیال آگیا (اور سوچ لیا کہ آپؐ خود ہی کچھ انتظام فرمادیں گے) لہٰذا میں نے حاضر خدمت ہو کر پیغام نکاح دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے تم کو فلاں روز دی تھی؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، وہ تو ہے، فرمایا، وہ اس کو (مہر میں) دے دو۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب میں نے اپنا پیغام دیا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا، میرا گھوڑا اور زرہ ہے، فرمایا، تمہارے پاس گھوڑا ہونا (جہاد کے لئے) ضروری ہے، لیکن ایسا کرو کہ زرہ کو فروخت کردو، چنانچہ میں نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کر کے رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کردی اور آپ کی مبارک گود میں ڈال دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر بلال رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ اے بلال! جاؤ اس کی خوشبو ہمارے لئے خرید کر لاؤ اور ساتھ ہی ساتھ جہیز تیار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک چارپائی اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، تیار کیا گیا۔ رخصتی کے روز عشاء کی نماز سے قبل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سید السادات حضرت علی مرتضیٰ علیہ اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر بھیج دیا، پھر نماز کے بعد خود ان کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ پانی لاؤ، چنانچہ وہ ایک پیالے میں پانی لے کر آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی میں سے اسی پانی میں کلی کی اور پھر اس پانی سے ان کے سینے پر اور سر پر چھینٹے دیئے اور بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا کی:

''اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کی شرارت سے محفوظ رکھنے کیلئے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔''

اس کے بعد ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان اس پانی کے چھینٹے دیئے، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی پانی منگایا اور اس میں کلی کر کے ان کے سر اور سینے اور دونوں کاندھوں کے درمیان چھینٹے دیئے اور وہی دعا دی جو لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دی تھی، اس کے بعد یہ فرما کر واپس تشریف لے آئے، بسم اللہ والبرکۃ اپنی اہلی کے ساتھ رہو سہو۔

بعض روایات میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ علی سے فاطمہ کا نکاح کردوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نکاح کی تفصیل نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور چند انصار رضی اللہ عنہم کو بلا لاؤ، چنانچہ میں بلا لایا، جب یہ حضرات حاضر ہوگئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کردوں، تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے علی سے فاطمہ کا نکاح چار سو مثقال چاندی مہر میں مقرر کر کے کردیا، اگر علی رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہوں، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبق میں خشک کھجوریں (یعنی چھوارے) منگائے اور حاضرین سے فرمایا۔ کہ جس کے ہاتھ جو چھوارے پڑیں، لے لے، چنانچہ حاضرین نے ایسا ہی کیا، پھر اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، ان کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ تم سے فاطمہ کا نکاح چار سو مثقال چاندی مہر مقرر کر کے کردوں، کیا تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں، راضی ہوں یارسول اللہ۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رضامندی ظاہر کر دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دیتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تم میں جوڑ رکھے اور تمہارا نصیبہ اچھا کرے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور تم سے بہت اور پاکیزہ اولاد ظاہر کرے۔''

اصابہ میں لکھا ہے:..... ''حضرت علی رضی اللہ عنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ماہ رجب میں نکاح کیا، جب کہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے اور شخصی غزوۂ بدر سے واپس ہونے پر ہوئی، اس وقت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی۔'

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور رخصتی ایک ہی ساتھ نہیں ہوئی تھی۔

جہیز:..... الاصابہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک بچھونا اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور دو چکیاں اور دو مشکیزے عنایت فرمائے، ایک روایت میں ہے کہ ان کی رخصتی کی رات کو ان کا بستر مینڈھے کی کھال کا تھا، ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا بستر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بھی جہیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمادیا ہو۔

ولیمہ:..... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے روز اپنا ولیمہ کیا، جس میں سادگی کے ساتھ جو میسر آیا، کھلا دیا، ولیمہ میں جو (کی روٹی)، کھجوریں، حریرہ، پنیر، مینڈھے کا گوشت تھا۔

کام کی تقسیم:..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی خادم نہیں تھا، اپنا کام کاج دونوں میاں بیوی مل کر کر لیتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کام اس طرح تقسیم فرما دیا تھا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) گھر کے اندر کے کام کیا کریں (مثلاً آٹا گوندھنا، پکانا، بستر بچھانا، جھاڑو دینا وغیرہ) اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے باہر کے کام انجام دیا کریں۔

اولاد:..... جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ رہیں، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی چلی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں جو صاحبزادے تھے، وہ قبل از بلوغ ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تو کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی اور حضرت رقیہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو اولاد ہوئی تھی، ان سے بھی نسل نہیں چلی، جس قدر بھی سادات ہیں (جن کے فیوض سے شرق وغرب مستفید ہے) سب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے جو نسل چلی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سمجھی گئی، ورنہ عام قاعدہ ہے کہ انسان کی نسل اس کے بیٹوں سے چلتی ہے اور بیٹی سے جو نسل چلتی ہے، وہ اس کے شوہر کے باپ کی نسل مانی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے علاوہ جو بھی نبی بھیجا، اس کی ذریت اس کی پشت سے جاری کردی اور میری ذریت اللہ تعالیٰ نے علی کی پشت سے جاری کی، سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسن تجویز فرمایا اور خود ہی ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کے روز حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس کے سر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کردو، جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وزن کیا تو ایک درہم (چونی بھر) یا اس سے کچھ کم وزن اترا۔ ابوداود اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا عقیقہ فرمایا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت رمضان المبارک ۳ھ کو ہوئی، بعض نے شعبان ۳ھ میں ان کی ولادت بتائی ہے اور بعض علماء نے ۴ھ اور بعض نے ۵ھ بھی ان کی ولادت کا سال بتایا ہے، مگر اول قول ہی ٹھیک ہے، پھر اگلے سال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت

ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے بہت محبت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سینہ سے سر تک حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سینے سے نیچے نیچے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

ان دونوں بھائیوں کے بعد تیسرے بھائی حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ نام تجویز فرمایا تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنی کنیت ابو حرب رکھنا چاہتا تھا، جب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حرب رکھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ دکھاؤ، میرا بیٹا کہاں ہے، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا، حرب نام رکھ دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، اس کا نام حسن ہے، پھر جب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی، تو میں نے ان کا نام بھی حرب تجویز کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا دکھاؤ، میرا بیٹا کہاں ہے، اس کا تم نے کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا، حرب نام رکھ دیا ہے، فرمایا: نہیں، وہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام بھی میں نے حرب تجویز کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: دکھاؤ، میرا بیٹا کہاں ہے، اس کا نام تم نے کیا رکھا؟ میں نے عرض کیا، حرب نام رکھ دیا ہے، فرمایا: نہیں، وہ محسن ہے، پھر فرمایا کہ میں نے جو ان کے نام تجویز کئے ہیں، یہ تینوں نام ہارون (پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کے تینوں بیٹوں کے نام ہیں، ان کے ایک بچے کا نام شبر، دوسرے کا شبیر، تیسرے کا مشبر تھا۔ (حسن، حسین اور محسن ان کا ترجمہ ہے) حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تیسرے صاحبزادے حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ (۱) حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، انہوں نے بچپن میں انتقال فرمایا۔ (۲) حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (۳) حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ اولاد (۳ لڑکے، ۳ لڑکیاں) حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئی۔

ان کے علاوہ ان کی دوسری بیویوں سے اور بھی اولاد ہوئی، جن سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد نکاح فرمایا۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا جانا:..... حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باخدا بھی تھے اور باخلق بھی، یعنی اللہ جل شانہ سے تعلق ومحبت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر ومحبت میں پوری طرح مشغول رہتے تھے اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور میل جول میں بھی کوتاہی نہ فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ معلم انسانیت تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ساری امت کے لئے نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے سبق ملتا ہے کہ نہ تو انسان کو سراسر کنبہ وخاندان کی محبت میں پھنس کر خداوند عالم سے غافل ہوجانا چاہئے اور نہ بزرگی کے دھوکے میں کنبہ وخاندان سے کٹ کر آزاد کار وادراد کو مشغلۂ زندگی بنالینا چاہئے، اعلیٰ اور اکمل مقام یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اتباع کرے اور ہر شعبۂ زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کو ملحوظ رکھے، آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح بھی کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی ہوئی، پھر صاحبزادیوں کی شادیاں بھی کیں، اور ان کی شادیاں کردینے کے بعد بھی ان کی خیر خبر رکھی، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکاح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی روز رات کو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اکثر جاتے رہتے تھے اور ان کے حالات کی خبر خبر رکھتے تھے اور ان کے بچوں کو پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان آپس میں کچھ رنجش ہوگئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جاکر صلح کرادی، اس کے بعد باہر تشریف لائے، حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ جب ان کے گھر داخل ہوئے تو چہرہ پر کوئی خاص خوشی کا اثر نہ تھا اور اب جب کہ باہر تشریف لائے ہیں تو چہرے پر خوشی کے آثار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیوں خوش نہ ہوں، جب کہ میں نے اپنے دو پیاروں کے درمیان صلح کرادی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موجود نہ پایا، صاحبزادی سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ عرض کیا، ہمارے آپس میں کچھ رنجش ہوگئی تھی، لہٰذا وہ غصہ ہوکر چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہ کیا، ایک صاحب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھنا، وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے جاکر تلاش کیا اور واپس آکر عرض کیا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ لیٹے ہوئے (سو رہے ہیں) اور ان کے پہلو سے چادر گر گئی ہے، جس کی وجہ سے ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مٹی پونچھنے لگے اور فرمایا: اوٹھی والے اٹھ، اوٹھی والے اٹھ۔

صاحب فتح الباری نے اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت کئے ہیں، مثلاً (۱) جو غصہ میں ہو، اس سے مذاق کرنا، جس سے اس کو مانوس کیا جائے، درست ہے۔ (۲) اپنے داماد کی دل داری اور ناراضگی دور کرنا بہتر عمل ہے۔ (۳) باپ اپنی بیٹی کے گھر میں بغیر داماد کی اجازت کے داخل ہوسکتا ہے، جب کہ یہ معلوم ہو کہ اس کو گرانی نہ ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے، وہاں پہنچ کر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سوال فرمانے لگے: کیا یہاں چھوٹا ہے، کیا یہاں چھوٹا ہے؟ اتنے ہی میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپہنچے حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے سے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ (ہمارے بچپن کے زمانے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اپنی ران پر بٹھا لیتے تھے اور دوسری ران پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بٹھا لیتے تھے اور دونوں کو چمٹا لیتے تھے اور یوں دعا فرماتے تھے:

"اے اللہ ان پر رحم فرما، کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں۔"

بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے کہ میرے بیٹوں (یعنی حضرات حسنین) کو لاؤ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سونگھتے اور چمٹاتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ رات کو میں ایک ضرورت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا (باہر سے اپنے آنے کی اطلاع دی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر لپیٹے ہوئے باہر نکلے، چادر میں کچھ محسوس ہوتا تھا، میں نے جب اپنی ضرورت پوری کرلی تو عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کیا ہے، جسے آپ لپیٹے ہوئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کھول دی تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کولہے پر حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے کولہے پر حسین رضی اللہ عنہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ یہ میری اولاد ہیں اور میری صاحبزادی کی اولاد ہیں اور یہ دعا بھی دی:

"اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی محبت فرما۔"

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دوش پر بیٹھے ہوئے تھے۔

خانگی احوال:..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی سرمایہ دار آدمی نہ تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے لئے اسباب عیش فراہم نہ کرسکتے تھے اور خورد ونوش کی فراوانی ان کے بس کی نہ تھی، گھر میں نہ سامان بہت تھا، نہ گھر عمدہ تھا، نہ کوئی خدمت گزار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حال (فقر وفاقہ کا) اپنے لئے پسند کیا، وہی داماد اور بیٹی کے لئے پسند تھا، ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے اور علی کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس پر اونٹ کا چارہ کھلاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بیٹا صبر کر، کیونکہ موسیٰ (پیغمبر علیہ السلام) نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس صرف ایک عبا تھی۔ (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے)

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما موجود نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میرے بیٹے کہاں ہیں؟ عرض کیا کہ آج اس حال میں صبح ہوئی کہ ہمارے گھر (کھانے کو تو کیا) چکھنے کو (بھی) کچھ نہ تھا، لہٰذا (ان کے والد جناب) علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کو یہ کہہ کر (باہر) لے گئے ہیں کہ گھر میں تم کو روکر پریشان کریں گے، وہ فلاں یہودی کے پاس گئے ہیں (تاکہ کچھ محنت مزدوری کرکے لادیں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف توجہ فرمائی اور ان کو تلاش فرمالیا، وہاں دیکھا کہ دونوں بچے ایک کیاری میں کھیل رہے ہیں اور ان کے سامنے کچھ کھجوریں پڑی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے ان بچوں کو گھر نہیں لے چلتے ہو؟ گرمی تیز ہونے سے پہلے پہلے لے چلو، انہوں نے عرض کیا، اس حال میں آج صبح ہوئی کہ ہمارے گھر میں کچھ بھی (کھانے کو بلکہ چکھنے کو) نہ تھا، (اس لئے ان کو لے کر آیا ہوں، اب میرے اور ان بچوں کے پیٹ میں تو کچھ پہنچ گیا، مگر فاطمہؓ کے لئے کچھ کھجوریں اور جمع کرتی ہیں) تھوڑی سی دیر جناب اور تشریف رکھیں تو میں فاطمہؓ کے لئے (بھی) چند کھجوریں جمع کرلوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ٹھہر گئے، حتیٰ کہ کچھ کھجوریں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے جمع ہوگئیں، ان کھجوروں کو ایک چھوٹے سے کپڑے میں باندھ کر واپس ہوئے، ایک بچے کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے بچے کو سید السادات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے گود میں لیا اور اسی طرح گھر پہنچے۔ واقعہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہودی کے باغ میں مزدوری کرکے اپنے لئے اور بچوں کے لئے اور اہلیہ محترمہ کے لئے کھجوریں حاصل کی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی فقر وفاقہ رہتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے گھر میں بھی یہی حال تھا، جب کچھ میسر آجاتا تو ایک گھر دوسرے گھر کی خبر لیتا تھا۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرے گھر میں کچھ نہ تھا جسے میں کھالیتا اور اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ ہوتا تو مجھے پہنچ جاتا، لہٰذا میں مدینہ سے باہر ایک جانب نکل گیا اور ایک یہودی کے باغ کی دیوار کے باہر سے جوشخص ہوگئی تھی اندر جھانکا، باغ والے یہودی نے کہا کہ اے اعرابی! کیا چاہتا ہے؟ (میرے باغ کو پانی دے دے) اگر ہر ڈول پر ایک کھجور لینی منظور ہو، میں نے کہا، اچھی بات ہے، دروازہ کھول، چنانچہ اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نے پانی کھینچنا شروع کردیا، ہر ڈول پر وہ مجھے ایک کھجور دیتا تھا، جب اتنی کھجوریں جمع ہوگئیں کہ میری تھیلی بھر گئی تو میں نے کہا کہ بس مجھے یہ کافی ہیں، ان کو کھا کر اور پانی پی کر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے فاطمہ!) تین روز سے میں نے کچھ کھایا نہیں، اتنا عرصہ گزر جانے پر یہ مجھے ملا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر پہنچے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور ایک بکری کا بچہ ذبح کرکے سالن پکایا اور روٹی تیار کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا کہ یہ فاطمہؓ کو پہنچادو، اس کو بھی کئی روز سے کچھ نہیں مل سکا، چنانچہ وہ اسی وقت پہنچا آئے۔

فضائل ومناقب:..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دل داری کا بہت خیال فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا، دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے، اور اس کی ایذا سے مجھے ایذا ہوتی ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور سیرت و صورت اور گفتگو سے اس قدر مشابہت کسی کی عادت اور سیرت اور صورت اور گفتگو سے نہیں دیکھی، جتنی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تھی، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے تھے اور ان کا ہاتھ چومتے تھے اور اپنے پاس بٹھالیتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جاتے تھے تو وہ بھی کھڑی ہوجاتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چومتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احترام سے بٹھاتی تھیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مل کر روانہ ہوتے تھے اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ (جس پر تم کو غصہ آئے) اللہ کو (بھی اس پر) تمہارے غصے کی وجہ سے غصہ آتا ہے اور (تم جس سے راضی ہو) اللہ تعالیٰ (اس سے) تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے روز پردے کے پیچھے سے ایک منادی اعلان کرے گا کہ اے لوگو! اپنی آنکھوں کو بند کرلو، فاطمہ بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہی ہیں۔

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسن وحسین اور ان کے والدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بارے میں فرمایا کہ جن سے ان کی لڑائی ہے، میری بھی لڑائی ہے اور جن سے ان کی صلح ہے، میری بھی صلح ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ بے شک یہ فرشتہ ہے جو زمین پر آج کی اس رات سے پہلے کبھی نہیں نازل ہوا، اپنے رب سے اجازت لے کر مجھے سلام کرنے اور یہ بشارت دینے کے لئے آیا ہے کہ یقیناً فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور یقیناً حسن وحسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سب بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اس اثنا میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگئیں، ان کی رفتار بس ہو بہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی، جب ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آؤ بیٹی مرحبا، پھر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹھالیا، اس کے بعد چپکے سے ان کے کان میں کچھ فرمایا، جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ روئیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت رنجیدہ دیکھا تو دوبارہ (آہستہ سے ان کے کان میں) کچھ فرمادیا، وہ اچانک ہنسنے لگیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے دریافت کیا کہ بتاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے آہستہ سے کیا فرمایا؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو میں کیوں کھولوں؟ (سب سے فرمانے کی بات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ سے کیوں فرماتے)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ میرا جو تم پر حق ہے اس کے زور میں پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا تھا؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ ہاں، اب بتا سکتی ہوں، پہلی مرتبہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے فرمایا تو خبر دی تھی کہ جبرئیلؑ ہر سال مجھ سے ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے اور میں (اس سے) سمجھتا ہوں کہ دنیا سے میرے کوچ کا وقت قریب آگیا ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا، کیونکہ میں تمہارے لئے پہلے جانے والوں میں بہت بہتر ہوں، یہ سن کر میں رونے لگی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا رنج دیکھا تو دوبارہ آہستہ سے کچھ فرمایا اور اس وقت کا فرمانا یہ تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی، یا یہ فرمایا کہ مؤمن عورتوں میں سب کی سردار رہو، دوسری روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے فرمایا کہ میں اسی مرض میں وفات پاجاؤں گا، لہٰذا میں رونے لگی، پھر دوبارہ آہستہ سے فرمایا: میں سب سے پہلے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملوں گی، یہ سن کر مجھے ہنسی آگئی۔

دینی تربیت:..... حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہٗ کی طرف سے امت کی تربیت اور تزکیہ نفس کے لئے تشریف لائے تھے، تربیت اور تزکیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا لحاظ نہیں فرماتے تھے، اپنی ازواج اور اولاد اور عزیز وقریب سب ہی کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے اور آخرت کا فکر مند بناتے تھے، جب یہ آیت:

ترجمہ: ”آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے۔“

نازل ہوئی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور قبیلوں اور بعض رشتہ داروں کا نام لے کر فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا، صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اس موقع پر فرمایا کہ اے قریش! اپنے نفسوں کو دوزخ سے بچاؤ، میں اللہ کے معاملے میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا اور بنی عبد مناف سے بھی یہی فرمایا، پھر فرمایا کہ اے عباس! میں اللہ کے معاملے میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ)، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے تم جو چاہو سوال کرلو، میں اللہ کے معاملے میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچالو)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کردینے کے بعد بھی دینی تربیت کا خاص خیال رکھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ہم دونوں کو نماز (تہجد) کے لئے جگایا، پھر اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور دیر تک نماز پڑھی، ہمارے اٹھنے (اور وضو وغیرہ کرنے) کی کوئی آہٹ نہ سنی تو دوبارہ تشریف لائے اور ہم کو جگایا اور فرمایا، اٹھو نماز پڑھو، میں آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم جتنی نماز ہمارے مقدر میں ہے، وہی تو پڑھیں گے، ہماری جانیں اللہ کے قبضے میں ہیں جب اللہ تعالیٰ ہم کو بیدار فرمانا چاہتے ہیں، بیدار فرمادیتے ہیں (اور تھوڑا بہت وقت جو ملتا ہے پڑھ لیتے ہیں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے اور میرے لفظوں کو (تعجب سے) دہراتے ہوئے واپس ہوگئے اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: یعنی آدمی جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور باندیاں آئی ہیں، چونکہ ان کو خود چکی پیسنی پڑتی تھی اس لئے ان کے ہاتھوں میں اس کے نشان پڑ گئے تھے، ان نشانوں کو دکھانے اور خدمت کے لئے باندی یا غلام طلب کرنے کے لئے وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم سرا میں پہنچیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں رکھتے تھے، لہٰذا وہ اپنی معروض حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہہ آئیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانے میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ماجرا عرض کردیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم دونوں لیٹ چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ہم نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی اپنی جگہ (لیٹے) رہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا، کیا تم کو میں اس سے بہتر بات نہ بتادوں جو تم نے مجھ سے سوال کیا ہے؟ جب تم (رات کو سونے کے لئے) لیٹ جاؤ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہوگا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان تینوں چیزوں کو (فرض) نماز کے بعد پڑھنے کو بھی فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل سنا ہے، کبھی نہیں چھوڑا، ایک صاحب نے سوال کیا (جن کو ابن الکواء کہتے تھے) کہ جنگ صفین کی رات میں آپ نے اس کو پڑھا؟ فرمایا، اس رات میں بھی میں نے نہیں چھوڑا (اول رات میں بھول گیا تھا پھر) آخر سحر میں یاد آیا تو پڑھ لیا۔

اسی سلسلے میں یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم عطا فرمانے سے بڑی سختی سے انکار فرمایا اور یوں فرمایا کہ خدا کی قسم تم کو خادم نہیں دوں گا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم کو بیدوں اور صفہ میں رہنے والوں کے پیٹ بھوک سے پیچ کھاتے رہیں اور ان پر خرچ

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو اپنے گھر والوں میں سب سے آخری ملاقات حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے تھے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک غزوہ سے تشریف لائے اور حسب عادت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جانے کے لئے ان کے گھر پہنچے، انہوں نے دروازہ پر (زینت کے لئے عمدہ قسم کا) پردہ لٹکا رکھا تھا اور دونوں بچوں حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا رکھے تھے، یہ باتیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے بغیر واپس ہوگئے، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے اندر تشریف نہیں لائے، لہٰذا (اسی وقت) پردہ ہٹادیا اور کنگن اتار لئے، دونوں بچے (ان کنگنوں کو لئے ہوئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھوں سے وہ کنگن لے لئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے ثوبان (راوی حدیث) جاؤ فاطمہ کے لئے ایک بازعصب کا اور دو کنگن ہاتھی دانت کے خرید کر لے آؤ، یہ میرے گھر والے ہیں، میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں کہ اپنے حصے کی عمدہ چیزیں اس زندگی میں کھالیں (یا پہن لیں)

ایک مرتبہ ایک واقعہ اور ایسا ہی پیش آیا اور وہ یہ کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں ایک شخص مہمان ہوا، اس کے لئے کھانا پکا، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلا لیتے تو اچھا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، دروازہ پر پہنچ کر چوکھٹ کو ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہوگئے اور دیکھا کہ گھر میں ایک طرف کو ایک نقشین پردہ لٹکا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، اس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کی واپسی کا کیا باعث ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سجاوٹ اور ٹیپ ٹاپ والے گھر میں داخل ہو۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (کم سنی میں) صدقہ کے مال کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر منہ میں رکھ لی، حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منہ سے نکال کر باہر ڈالنے کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہم کو خبر نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔

تربیت کے سلسلے کا ایک یہ واقعہ بھی اسد الغابہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو رہے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ پینے کو مانگا، وہیں ان حضرات کی ایک بکری تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دودھ نکالا، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو دیا نہ تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہٹا دیا، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ان دونوں میں آپ کو وہ دوسرا (یعنی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) زیادہ پیارا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ اس دوسرے نے اس سے پہلے طلب کیا تھا، پھر فرمایا کہ میں اور تم اور یہ دونوں لڑکے اور یہ سونے والا قیامت کے روز ایک ساتھ ایک جگہ ہوں گے۔

وفات:..... حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ ماہ بعد وفات پائی، اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں، مگر سب سے زیادہ صحیح یہی ہے، بعض علماء نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۳ ماہ زندہ رہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ستر روز عالم دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ان کو بہت رنج ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب تک زندہ رہیں، کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی تھی کہ میرے اہل میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان کی وفات کے وقت حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہیں موجود تھیں، ان سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ عورت کے جنازے کو صرف اوپر سے ایک پڑاؤ ڈال کر (مردوں کے جنازے کی طرح) لے جاتے ہیں، جس سے ہاتھ پاؤں کا پتہ چل جاتا ہے، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز دکھا دیتی ہوں جو حبشہ میں دیکھ کر آئی ہوں، یہ کہہ کر درخت کی ٹہنیاں منگا کر ایک مسہری سی بنا دی اور اس پر کپڑا ڈال دیا، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو بہت پسند کیا اور حضرت اسماء سے فرمایا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو تم اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مل کر مجھ کو غسل دینا اور کسی کو میرے غسل میں شرکت کرنے کے لئے مت آنے دینا، جب وفات ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غسل دینے کے لئے آئیں، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو روک دیا، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کر دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے اسماء! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھ کو (اسی کی وصیت کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ان کی وصیت پر عمل

کرو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی معیت میں ان کو غسل دیا اور کفنا کر مسہری میں رکھ دیا، اسلام میں سب سے پہلے ان ہی کے جنازے کے لئے مسہری تیار کی گئی، ان کے بعد ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے مسہری بنائی گئی، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عمل کا ثواب کمایا، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کی تھی کہ میں رات ہی کو دفن کر دی جاؤں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور قبر میں حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا عباس اور ان کے صاحبزادہ فضل رضی اللہ عنہم اترے۔

کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی، اس وقت عمر شریف ۲۹ سال تھی اور بعض نے ۳۰ سال اور بعض نے ۳۵ سال بتائی ہے، یہ تمام تفصیل اسد الغابہ میں لکھی ہے۔

اگر یہ صحیح مانا جائے کہ جس وقت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۳۵ ویں برس ان کی ولادت ہوئی تھی، تو ۲۸، ۲۹ سال کے درمیان ان کی عمر ہوئی ہے، جب کہ ان کا سن وفات ۱۱ھ مانا جائے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، جنہوں نے ۳۵ برس عمر بتائی، ان کے قول کی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۲۹ ویں برس ہونا لازم آتا ہے، لیکن یہ کسی کا قول معلوم نہیں ہوا، الاستیعاب میں بھی ایک ایسا واقعہ لکھا ہے جس سے ۳۵ برس والے قول کی تردید ہوتی ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس مرض میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی، میں ان کی تیمار داری کرتی تھی، ایک روز صبح ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ اے ماں! میرے لئے غسل کا پانی رکھ دو، چنانچہ میں نے اس کی تکمیل کی، پھر انہوں نے بہت اچھی طرح غسل کیا، اس کے بعد مجھ سے کپڑے طلب کئے کہ میرے لئے کپڑے دے دو، میں نے اس کی بھی تعمیل کی اور انہوں نے مجھ سے کپڑے لے کر زیب تن فرمائے، پھر مجھ سے فرمایا کہ میرا بستر بیچ گھر میں بچھا دو، چنانچہ میں نے اس کی بھی تعمیل کی، اس کے بعد وہ قبلہ رخ ہو کر اور اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا کہ (اے ماں! اب میری جان جاتی ہے، میں نے غسل کر لیا ہے، مجھے کوئی نہ کھولے، چنانچہ اسی وقت جاں بحق ہو گئیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت موجود نہ تھے، باہر سے تشریف لائے تو میں نے ان کو خبر کر دی، اسد الغابہ میں بھی اس واقعہ کو (تذکرہ ام سلمٰی میں) ذکر کیا ہے لیکن اس کو صحیح نہیں مانتے کہ وفات سے پہلے جو غسل کیا تھا، اسی کو کافی سمجھا گیا اور بعد وفات غسل نہیں دیا گیا، بلکہ صحیح یہی ہے کہ حضرت علی اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعد وفات غسل دیا، حافظ ابن حجرؒ نے بھی الاصابہ میں اس کو بعید تسلیم کیا ہے۔

جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ رہیں، حضرت علیؓ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، جب ان کی وفات ہو گئی تو ان ہی کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی حضرت امامہ بنت زینبؓ سے نکاح فرمایا، حضرت فاطمہؓ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد آپ کی موجودگی ہی میں فوت ہو گئی تھی، پھر آپ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی جلد ہی آپ سے جا ملیں۔

واقدیؒ فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی الموالی سے کہا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت البقیع میں دفن کی گئیں، اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت عقیل (بن ابی طالب) کے مکان کے ایک گوشے میں دفن کی گئیں، ان کی قبر اور راستے کے درمیان سات ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتون اسلام

مغرب میں مسئلہ نسواں

مولانا عبدالقیوم ندوی



ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پر بیٹیں مد و پروئیں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں
(اقبال)

اسلام نے عورت کو جو مقام عطا فرمایا ہے، حقیقت میں وہی اس کا حقیقی مقام ہے اور اسی میں اس کی سچی عزت و عظمت ہے اور معاشرے میں اس کے لئے جو جگہ تجویز فرمائی ہے، وہی اس کے لئے فطری و طبعی اور اس کے حسب حال ہے۔ جس طرح شیر کے لئے گھاس کھانا غیر فطری ہے اور گائے کے لئے گوشت خوری غیر طبعی ہے، بلکہ ہلاکت کا پیش خیمہ، اسی طرح بالکل اسی طرح عورت کا اسلام کے دامنوں میں سر چھپانے کی جگہ غیر اسلامی نظام کو چادر بنانا، غیر فطری، غیر طبعی اور ہلاکت و بربادی ہے، مغرب نے بہت دنوں تک اس کا تجربہ کیا اور ہر طرح سے فطرت کا مقابلہ کیا، لیکن ان تمام طویل تجربات کے بعد کم از کم اتنا تو ضرور ہو گیا کہ اپنی ''آزادیوں'' ''عورتوں کی آزادیوں'' اور اپنی تمام مساعرت اور گھریلو زندگی سے تنگ ہو گئے اور یورپ و امریکا کا داتا اور سنجیدہ طبقہ اس سے کھلم کھلا متنفر ہو گیا۔

ایک مغربی کمیٹی کی رپورٹ:..... کچھ عرصہ ہوا ''مڈل وسٹ'' میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ان اسباب کی تحقیقات کرے، جنہوں نے ۳۰ سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۹۳ صفحات پر شائع کی ہے اور تمام اسباب و حالات پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''امریکن عورت علم کے ہاتھوں پریشان ہے''، شہروں کو چھوڑ کر قصبوں کی بھی یہ حال ہے کہ امریکن دولہن اپنے نئے گھر میں پہنچتی ہے تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہے، وہ اچھی طرح ان علمی اور صناعی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اسے اپنا گھر چلانا ہوتا ہے، امریکا کی گھریلو زندگی میں بھی مشینری داخل ہو گئی ہیں، عورتوں کو اپنے ہاتھ سے بہت کم کام کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر کام آلات سے کیا جاتا ہے جن میں ایک طرف تو محنت کم

ہوتی ہے، دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے، گھر میں روز کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی، کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں، لیکن ان کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنی پڑتی ہے، مشین اور آلے اس کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر رہتے ہیں، عورت بہت جلد ان سے فارغ ہو جاتی ہے اور اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے۔

وہ سوچتی ہے کہ اب میں کیا کروں؟ اسے اخبار کا خیال آتا ہے، اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے، پھر کتابوں کا مطالعہ کرتی ہے، مگر کب تک، آخر تھک جاتی ہے، اب پھر سوچتی ہے کیا کروں؟ اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا، جمائیاں لیتی ہے، اونگھنے لگتی ہے، سو جاتی ہے، مگر جاگتے ہی پھر یہی بھیانک سوال اس کے سامنے آموجود ہوتا ہے، اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی۔

.....''آہ میری مسرت!'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی ہے، میری شادی تو ہو گئی مگر میری مسرت کہاں ہے؟ وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے، شوہر اس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی سے بالکل غافل، تجارتی حساب میں محو ہے، عورت سوچتی ہے۔ ''میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی''، ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اسے محبت پر غور کرنے کی مہلت کہاں ہے؟ اب اس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دیکھ لیا ہے، اب تو اسے بیوی کی جگہ ڈالر سے محبت ہے، ہفتہ کے چھ دن تجارتی امور میں مصروف رہتا ہے، گھر میں آتا ضرور ہے مگر اتنا پریشان، اس قدر پراگندہ، اس درجہ خستہ حال، کہ اسے اپنی قدیم محبوبہ سے ملاطفت کا خیال بھی نہیں ہوتا، اس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتر میں، باتیں بیوی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے، بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے، بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ لو! اتوار بھی آ گیا، مگر شوہر آج بھی اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا، آج اتوار ہے، وہ میدان میں گولف یا فٹ بال کھیل رہا ہوتا ہے، ہفتہ کے چھ دن سخت دماغی کام کیا ہے، آج اپنی ''تندرستی'' کا حق ادا کر رہا ہے، مگر اس کی بدنصیب بیوی کا حق..... آہ! بیوی کا حق تو ڈالر، تجارت اور محنت کی چکی پکڑ کر پس گیا.....!

اب بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہوتا ہے۔ میدانوں، تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے، مگر بالکل عبث، بالکل بے سود، گھر میں تسلی نہیں ملتی تو دوسری جگہ کب مل سکتی ہے.....؟

مغرب کا تعلیمی ماحول:..... ''امریکا میں مخلوط تعلیم کی یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہ رہے۔'' یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے۔ ایک مشہور فرانسیسی پروفیسر نے یہ سنا تو چلا اٹھا: ''اُف! ناقابل تصور سنگ دلی۔'' اور حقیقت یہ ہے کہ عورت اسی وقت تک عورت ہے جب تک کہ وہ مرد سے اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ جب ان کو یکساں بنانے کی کوشش کی جائے گی تو پھر بقول مسٹر پروڈن ''وہ وقت بہت قریب ہے کہ عورت کا وجود صرف گزشتہ زمانے کے شعراء کے تخیلات اور عہد قدیم کے صحائف و اوراق ہی میں باقی رہ جائے اور لوگ آہ بھر کر کہیں کہ ملٹن نے اپنی نظم میں عورت کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بہت ہی خوبصورت اور دلربا ہے۔''

امریکا کی خانگی زندگی کو ناگوار اور تلخ بنانے والی چیز کسی ایک علم و فن میں تخصیص کا رجحان ہے اور وہاں ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایک پیشہ میں کمال حاصل کرے، نتیجہ یہ ہے کہ اگر اس کی بیوی اس فن اور علم کے بجائے کسی اور علم و فن میں مہارت رکھتی ہو، تو دونوں کی زندگی میں بے مزگی اور تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان مختلف ہوتا ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں ہم سمجھتی کے لئے کوئی دلچسپ موضوع گفتگو نہیں پاتے۔ چنانچہ معمولی بات چیت کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہوجاتے ہیں۔ بیوی خاوند کی موجودگی کے باوجود تنہائی محسوس کرتی ہے اور خاوند بیوی کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو اکیلا پاتا ہے۔ شروع شروع میں تو بات بنی رہتی ہے لیکن جوں جوں دن گزرتے ہیں، ایک دوسرے سے بیزاری بڑھتی جاتی ہے اور گھر میں دونوں کو کوئی سکون نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں کا مل کر رہنا ناممکن ہوجاتا ہے اور نوبت طلاق اور خانہ ویرانی تک پہنچتی ہے۔

☆.....☆

مغرب زدہ عورتوں کے مطالبات

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر
(اقبال)

مغرب کے گندے، مگر بظاہر پُرفریب تمدن نے مشرق کی عورت کو بھی اپنے اثر میں لے لیا ہے، ایران و ہندوستان کے علاوہ مصر کی عورتیں بھی مغربی تمدن سے بہت متاثر ہوئیں، اس سے پہلے ترکی کی خواتین نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے پرزور مطالبہ کیا تھا اور اب ایران و مصر میں بھی عورتیں مغربی تہذیب سے متاثر ہورہی ہیں بلکہ اپنے جائز حقوق سے بڑھ کر بعض امور میں وہ اسلامی احکام میں ترمیم کے لئے بھی اصرار کررہی ہیں، مصر چونکہ یورپ کی مختلف اقوام کا مرکز ہے، اس لئے وہاں کے طبقہ نسواں پر مغربی تہذیب کا زیادہ اثر پڑا ہے، چنانچہ مصری اخبار ''الاہرام'' کی ایک اطلاع کے بموجب مصر کی مشہور خاتون ''ہادی شیراوی'' نے لندن میں سابق برطانوی وزیر کی بیوی ''لیڈی ہور ضلیہ'' سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی ہم وطن مصری عورتوں کے نقطہ نظر کی تشریح کی اور کہا کہ ''ہم مصری عورتوں کا مدعا یہ ہے کہ ہمیں مصر میں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہوجائیں، میں بہت جلد یورپ کی بہت سی کانفرنسوں میں جو عورتوں کی طرف سے منعقد کی جانے والی ہیں، شرکت کا ارادہ رکھتی ہوں، ہماری خواہش ہے کہ شادی و طلاق کے موجودہ قوانین میں ترمیم کی جائے۔ کوئی مرد ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی نہ کرسکے اور شوہر اپنی بیویوں سے زیادہ عزت و ہمدردی کا برتاؤ کریں، تیسرے عورتوں کو ان کی مالی معاملات میں بالکل آزاد کردینا چاہئے کہ وہ اپنے روپے کو جس کام میں چاہیں صرف کریں، چوتھے عورتوں کو اس امر کا اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہیں تو اسی طرح شوہر سے رہائی حاصل کرسکیں جس طرح مرد۔''

کاش یہ مصری خاتون جانتیں کہ اسلام نے عورتوں کے تمام جائز مطالبات کا تحفظ کردیا ہے، مثلاً مسلمان عورت کو اپنے ذاتی روپے پر خواہ وہ شوہر سے مہر میں وصول ہوا ہو، کامل اختیار دیا گیا ہے، وہ اس کو اپنی حسب مرضی جہاں چاہے صرف کرسکتی ہے، اسی طرح قرآن مجید اور نبی کریمؐ کی احادیث میں مردوں کو عورتوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے، لیکن اسلام کا قانون کثرت ازدواج طبعی وتمدنی مصلحتوں پر مبنی ہے اور خود یورپ کے عقلاء اس کی طرف مائل ہورہے ہیں، ہمارے خیال میں عورتوں کو اس معاملے میں مردوں کو مجبور کرنا مناسب نہیں ہے، البتہ عورتوں کو ظالم شوہروں کے پنجے سے رہائی حاصل کرنے کے لئے طلاق کی سہولتیں مہیا کرنی چاہئیں اور اس کی صرف مصر ہی میں نہیں، بلکہ ہندوستان میں بھی ضرورت ہے، کثرت ازدواج کے مسئلے کو بھی اگر قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ عورتوں کے لئے وجہ شکایت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ بلاوجہ اور غیر مشروط طور پر ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اول تو صحیح ضرورت کی موجودگی شرط ہے، پھر عدل کی شرط نہایت کڑی لگی ہوئی

ہے، جس پر عمل کرنا کچھ سہل کام نہیں۔

یورپ میں عورت کی آزادی:..... انگلستان میں شور برپا ہے کہ آئندہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح بجائے تیس سال کے اکیس ہی سال کی عمر میں ووٹ دینے کا حق دیا جائے، ایک طرف سے یہ مطالبہ ہورہا ہے اور دوسری جماعت اس کی مخالفت بھی شدومد سے کررہی ہے، آئندہ جو کچھ بھی فیصلہ ہو اور انگلستان کی زندگی پر اس کا جو کچھ بھی اثر پڑے، یہاں اس سے بحث نہیں، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ باوجود ان دعووں کے کہ عورت و مرد تمام حقوق میں برابر ہیں، باوجود اس شور و ہنگامہ کے کہ عورت کو کامل سیاسی آزادی حاصل ہے، اب تک مرد و عورت میں محض اختلاف جنس کی بنا پر یہ فرق قانون نے جائز رکھا ہے اور رائے عامہ اس کی تائید کرتی رہی ہے کہ مرد کو دودھ دینے کا حق اکیس سال کی عمر میں ہو اور عورت کو تیس سال کی عمر تک..... سوال یہ ہے کہ اسلام نے بھی اس سیاسی حق سے عورت کو محروم رکھا تھا؟ قرآن یا حدیث میں کہیں یہ وارد ہوا ہے کہ شوریٰ کے اسلامی نظام میں جب امیر یا اولوالامر شوریٰ طلب کرے تو صرف مؤنثین ہی سے مشورہ کیا جائے اور فلاں عمر تک کی مومنات کو اس حق سے محروم رکھے؟ خلفائے راشدین کے زمانے میں جب کسی مومنہ نے کسی ملکی معاملے میں دخل دیا، کسی سیاسی یا دینی مسئلے میں اپنی رائے پیش کی تو کبھی اس پر یہ بھی جرح ہوئی تھی کہ اے عورت! تیرا اس ہمارے قانون کے معیار سے ابھی کم سے، تو کیسے مردوں کی طرح اس معاملے میں دخل دے سکتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم نے عورت کی آزادی کو سلب کرلیا اور انگلستان کو عورتوں کا یہ عمومی ہے کہ اس نے عورتوں کو آزادی کی نعمت بخشی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اس نے عورت کو پوری آزادی دی ہے، کہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی بہتر بنا سکے۔ وہ بحیثیت بیوی کے ''گھر کی نگران'' ہے اور بحیثیت ماں کے خاندان کا سب سے زیادہ قابل احترام فرد، اور بہن کی حیثیت سے وہ بھائی کے ساتھ اپنے مال باپ کے ورثے میں شریک، نکاح میں اس کی رضا مندی کا حاصل کرنا ضروری ہے اور وہ اگر دیکھے کہ اس کا گزارہ خاوند کے ساتھ کسی طرح ممکن نہیں تو وہ اس سے طلاق حاصل کرنے کی بھی مجاز ہے۔ لیکن ان سب حقوق و آزادیوں کے باوجود اسلام نے عورت کا دائرہ عمل گھر تک محدود رکھا ہے، وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت گھر کو خیر باد کہہ کر گھر سے باہر کی زندگی کو اپنا مقصد بنالے۔ یورپ نے اسلام کے اس فطری اصول کو نہ مانا اور اس کا جو خمیازہ اسے اٹھانا پڑا، جس کی تفصیلات یہ ہیں:

خانگی زندگی میں انتشار:..... مشہور اقتصادی پروفیسر ''جون سیمان'' جو انیسویں صدی میں گزرے لکھتا ہے کہ ''کارخانوں اور فیکٹریوں نے عورت کو اس کے گھرانے سے نکال دیا ہے اور منزلی زندگی کے اصول کو توڑ کر پارہ پارہ کرڈالا ہے۔'' اکیلا ''جون سیمان'' ہی اس حقیقت کا ادراک کرنے والا نہیں بلکہ تمام علمائے عمرانیات اس کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ایک اور انگریز عالم ''سموئیل سائیلس'' اپنی کتاب الاخلاق میں لکھتا ہے: ''جو ستور عورتوں کو خانی کارخانوں میں کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس سے خواہ ملکی ثروت کتنی ہی کیوں نہ ترقی کر جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس سے خانگی زندگی کی بنیادیں متزلزل ہوگئی ہیں اور اس نے خانہ داری کے طرز زندگی پر سخت حملہ کیا ہے اور گھرانے اور کنبے کی شاندار عمارت کو منہدم کرکے معاشرت کی بنڈسیں بالکل توڑ چھوڑی ہیں۔ اس صورت حال نے بیوی کو شوہر سے، اولاد کو ان کے رشتہ داروں سے چھین کر ایک ایسی کیفیت پیدا کردی ہے جس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ عورت کی اخلاقی حالت ابتر ہوجائے۔ کیونکہ عورت کا حقیقی وظیفۂ حیات واجبات منزلی کو ادا کرنا تھا۔ اپنے مکان کی ترتیب و آرائش، اپنے بچوں کی تربیت اور خانگی ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے وسائل معیشت میں انتظام و کفایت شعاری برتنا، یہ تھا عورت کا کام، مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کارخانوں نے عورت کو خانہ داری کے ان تمام واجبات سے آزاد کر دیا ہے۔ اب گھر، گھر نہیں رہے۔ اولاد کو تربیت نہیں ملتی۔ عورت گھر یلو ماموں سے بے پروا ہے۔ زن وشوئی کی آتش محبت سرد ہوگئی۔ عورت کی وہ حالت نہیں رہی کہ وہ ایک خوش مزاج بیوی اور مرد کی محبوب ساتھی مانی جائے، بلکہ اب وہ گھر سے باہر کی زندگی میں مرد کی مدمقابل اور حریف بن گئی ہے۔ اسے ایسے ماحول میں رہنا پڑتا ہے، جہاں وہ دماغی اور اخلاقی خوبیاں جو عورت کا زیور ہیں، باقی نہیں رہ سکتی، اور عورت کا فطرتاً متواضع ہونا، جس پر اس کی فضیلت کا مدار ہے، ختم ہو جاتا ہے۔" ان بیانات کے بعد آپ پر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ وہ عورتیں جو منزلی دائرہ سے نکل کر خارجی کاموں میں مصروف ہوگئی ہیں، ان کی زندگی کتنی المناک اور قابل رحم ہے اور خود علمائے یورپ اس سے کس قدر نالاں ہیں، ہمیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ ہم خود گھر کے مالکوں کو اپنے گھر کے بارے میں غلط بیانی کرنے والا تصور کریں، اس لئے اگر پردہ نہ کرنا عورتوں کی خوش حالی یا کم از کم ان کی مصیبتوں کو ہلکا بنانے والا امر ہوتا تو یورپ کی عورتوں پر ایسی آفت ہرگز نہ آتی جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

طلاق کی کثرت:..... طلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو آج جو ملک مذہبیت اور خوش حالی کے لحاظ سے بڑھا ہوا ہے، اس میں یہ خطرناک مرض بھی سب سے زیادہ ہے اور وہاں کے علماء اور روشن دماغ فلاسفر اسے دیکھ دیکھ کر بے چین ہوتے اور اس کے روکنے کی تدبیریں سوچتے ہیں، ریولیو آف ریویوز جلد ۲۵ میں مشہور امریکن مضمون نگار اور اہل قلم "لونن" نے طلاقوں کے اعداد و شمار کا ایک نقشہ شائع کیا تھا جس کے مطابق ریاست ہائے امریکا میں طلاق کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکا کی ایک ریاست ماسوریت میں ۱۸۹۴ء میں ۱۶۲۲ طلاق کی درخواستیں گزریں، حالانکہ اس سے قبل جو سال گزر رہے اس میں محض ۷۷۰ طلاقیں واقع ہوئی تھیں اور اسی ریاست میں ہر ۱۰۵ شخصوں میں ایک شادی ہوتی تھی۔ مگر ۱۸۹۴ء میں ۱۲۲ شخصوں میں ایک شادی کا اوسط نکلتا ہے، جس سے شادی شدہ لوگوں کی کمی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ریاست ہیسو (امریکا) میں بھی نکاح و طلاق کی یہی افسوس ناک حالت بتائی گئی ہے۔ یہاں ۱۸۶۵ء میں ۲۲۱۹۸ شادیاں درج رجسٹر ہوئیں جن میں سے ۸۳۷ طلاقیں واقع ہوئیں، یعنی تقریباً ۲/۱/۲۲ شادیوں میں ایک طلاق واقع ہوئی۔ یعنی اس ملک میں صرف دس سال کے اندر طلاق کی تعداد اس کی اوسط سے بمقدار ۱۱۰۰۰ کے بڑھ گئی اور شادیوں کی تعداد اپنے اوسط سے بمقدار ۸۸۸۹ گھٹ گئی۔ مضمون نگار نے ان اعداد و شمار کے بعد لکھا ہے کہ اگر امریکن عورت کی زندگی کی ناؤ، جدید طوفانی موجوں کے تھپیڑوں میں نہ پڑ گئی ہوتی تو اس میں شک نہیں تھا کہ اس وقت ریاست ہیسو میں ۹۲۴۵۶ گھرانوں کے گھر انے نہ ہوتے، کیلیفورنیا میں جو امریکا کی ایک اور ریاست ہے، ۱۸۹۷ء میں دو ہزار شادیاں ہوئیں اور ان میں ۶۴۱ طلاقیں واقع ہوئیں، یعنی ہر تین شادیوں میں سے ایک کا انجام طلاق نکلا، ریویو آف ریویوز کی مذکورہ بالا جلد میں "لونن" نے جو رپورٹ طلاق کے اعداد و شمار کے متعلق دی ہے، اس سے ریاست ہائے امریکا میں واقع ہونے والی طلاقوں کا حساب مل جاتا ہے، چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے:

مملکت کونیکٹرٹ میں..... فی دس شادیوں میں ایک طلاق..... مملکت ماسونیت میں..... فی اکیس شادیوں میں ایک طلاق..... مملکت اوسلاں میں..... فی تیرہ شادیوں میں ایک طلاق..... مملکت شکاگو میں..... فی آٹھ شادیوں میں ایک طلاق

طلاق کے ان اعداد کو کوٹ کرنے کے بعد لونن لکھتا ہے:

"خلاصہ یہ ہے کہ اب طلاق کا رواج حد سے بڑھ گیا ہے اور اس ضمن میں جو امر سخت خطرناک ہے، وہ یہ ہے کہ ۸۰ فی صدی طلاق کی درخواستیں عورتوں کی طرف سے پیش ہوتی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو فسخ نکاح کا بہت کم خیال گزرتا ہے، اس لئے کہ اپنی عورت کو طلاق دینے میں اسے ندامت ہوتی ہے، چنانچہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ آجائے تو پہلے وہ کسی دوسری عورت کو تلاش کرتا ہے اور جب تک دوسری عورت اس سے شادی کرنے پر رضامندی نہ ظاہر کرے وہ ہرگز بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔"

اس فاضل مضمون نگار نے امریکا میں طلاق کے حد سے زیادہ آسان ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بہت سے شوہروں کو اپنی عورتوں سے ان کے طلاق حاصل کر لینے کی خبر ہی اس وقت ملتی ہے جب کہ وہ عورتیں دوسرے مرد سے شادی کر چکی ہوتی ہیں۔" اب دیکھنا یہ ہے کہ طلاق کا سبب کیا ہوتا ہے؟ بسا اوقات اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنی بیویوں کا نان و نفقہ ادا نہیں کرتے اور انہیں مجبوریوں کے عالم میں تنہا چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ مسٹر لونن لکھتا ہے۔ "سال ۱۸۹۷ء میں بمقام "بوسٹن" عدالت عالیہ کا افتتاح ہونے پر برابر تین دن تک عدالت میں مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا جو سب کے سب طلاق کے طلب گار تھے، لہٰذا پہلے ہی ہفتہ میں ۷۰ طلاقوں کا فیصلہ ہوا، بالعموم طلاق کے مطالبے کا سبب یہی پایا گیا تھا کہ مردوں نے اپنی بیویوں کو چھوڑ دیا تھا۔"

یورپ میں طلاق کا قانون:..... مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب آج اپنی پوری چمک دمک اور انتہائی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور یورپ کا طرز معاشرت اور اس کی مدنیت (بزعم خود) ترقی اور عروج کے صدر انتہائی پر گامزن ہے اور اصول حیات اور طرز معاشرت کا ایک اہم جزو، ازدواجی تعلقات اور ان کی بقا و تحفظ ہے اور ان ازدواجی تعلقات میں طلاق کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ تمدن یورپ نے اس بارے میں کون سا نظریہ پیش کیا ہے۔

آج سے چند سال پیشتر یورپ اور امریکا نے طلاق کے بارے میں جو اصول اور قوانین نافذ کئے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک طرفین میں سے کسی ایک پر زنا جیسے قبیح جرم کا الزام ثابت نہ ہو جائے طلاق نہیں ہو سکتی اور چونکہ اس الزام کا ثابت کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے اور بھری عدالت میں اس جرم کے مرتکب کو اعتراف جرم کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے طلاقیں بہت کم واقع ہوتیں۔ لیکن یورپ میں ترقی اور تمدن کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوتا گیا بے حجابی اور بے شرمی میں بھی اچھی خاصی ترقی ہوتی گئی، یہاں تک کہ کھلم کھلا عورتیں یہ اعتراف کرنے لگیں کہ ہمارا فلاں شخص سے ناجائز تعلق ہے اور ہم نے فلاں فلاں وقت فلاں شخص سے بدکاری کی، اس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض حالات میں طلاق حاصل کرنے کی وجہ کچھ اور ہوئی اور طرفین ہر حیثیت سے نیک اور شریف ہوئے، مگر طلاق حاصل کرنے کے لئے مجبوراً ان کو زنا کا اعتراف کرنا پڑتا۔

ایک مدت تک یہ شرم ناک اور رسوا کن طریقہ جاری رہا۔ بالآخر انسانی فطرت نے اس قانون کے خلاف بغاوت کی اور یورپ والوں کو مجبور کیا کہ وہ دین فطرت کے قانون طلاق کو تسلیم کریں، چنانچہ یورپ کے بڑے بڑے مدبر اور عقلاء یہ اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے کہ ہاں زنا کے علاوہ بھی طلاق کے دیگر اسباب ہو سکتے ہیں اور عدالتوں کو اختیار ہے کہ وہ طرفین کے بیانات لینے کے بعد اگر ان کو معقول خیال کریں تو میاں بیوی میں علیحدگی کرا دیں، اس قانون کا منظور ہونا تھا کہ یورپ میں ایک تہلکہ مچ گیا اور اس قدر طلاقیں ہونا شروع ہو گئیں کہ عدالتیں صبح سے شام تک طلاق ناموں کی تصدیق ہی میں مصروف رہنے لگیں، آج بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یورپ اور امریکا میں یہی حال ہے کہ طلاق حاصل کرنے والوں کا عدالتوں میں اس کثرت سے اژدہام رہتا ہے کہ جس سے خود عدالتیں عاجز اور پریشان ہیں اور پھر طلاق کے وجوہ اس قدر دلچسپ اور نرالے کہ سننے کے بعد بے ساختہ ہنسی آتی ہے اور روتا ہوا انسان بھی قہقہہ لگانے لگتا ہے۔

الغرض، یورپ کا متمدن طبقہ اب کثرت طلاق کے اصل وجوہ کی کھوج میں سرگرداں اور اس کا مناسب علاج معلوم کرنے کے لئے بے چین ہے، درحقیقت کثرت طلاق کے اصل وجوہ واسباب یہ ہیں کہ یورپ میں بے حجابی عام اور عریانی وبے حیائی اس سے بھی عام تر ہے اور پھر مردوں سے اختلاط، ان کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا اور کاروبار میں ان کے ساتھ برابر کی شرکت، یہ ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے خواہ مخواہ طرفین کے جذبات بھڑکتے ہیں اور رفتہ رفتہ آپس میں ایک عارضی محبت قائم ہوجاتی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ محبت دوام وثبات کی صورت اختیار کرلے گی، اس لئے اس جذباتی رو میں ان کا آپس میں رشتہ ازدواج ہوجاتا ہے، ایک مدت کے بعد جب اس عارضی محبت کا خاتمہ ہوجاتا ہے تو آہستہ آہستہ خانہ جنگی کی ابتدا ہوتی ہے اور بالآخر طلاق کی نوبت پہنچتی ہے، چونکہ وہاں اس قسم کی محبتوں کی کثرت ہے، اس لئے طلاق کی بھی کثرت ہے، واقعہ یہ ہے کہ زن وشو کے اس نازک مسئلے میں یورپ اور امریکا کے مدبرین برابر ٹھوکریں کھاتے رہیں گے اور قانون پر قانون مرتب کرتے رہیں گے، مگر اصل حقیقت تک ان کی رسائی محال ہے، ہاں اگر واقعی ان کو جامع ومانع قانون کی ضرورت ہے اور حقیقتاً وہ ایک مضبوط اور سیدھا مسلک چاہتے ہیں تو وہ اسلام کے نظریۂ ازدواج کو قبول کریں۔

اسلامی نظریۂ ازدواج:..... حال ہی میں یورپ کے ایک اخبار میں "اسلام اور عورتوں کی آزادی" کے عنوان سے ایک مضمون چھپا ہے، جس میں مضمون نگار نے اپنے جہل اور عداوت کا کھلا ہوا مظاہرہ کیا ہے، مضمون نگار لکھتا ہے: "اسلام آزادیٔ نسواں کا بڑا دعوے دار ہے اور اس کے پیرو کار آئے دن آزادیٔ نسواں کے متعلق بڑے دعوے کرتے رہتے ہیں، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو حقیقت کچھ اور ہی نظر آئے گی، آج کل مسلمانوں میں جو پردہ رائج ہے اور عورتوں کو جس طرح قید وبند میں رکھا جاتا ہے، اگر آزادیٔ نسواں یہی ہے تو میں کہوں گا کہ غلامیٔ نسواں کیا ہے؟" آگے چل کر یہی اخبار لکھتا ہے: "یورپ کی آزادی اور ترقی کو دیکھ دیکھ کر اب مسلمانوں کے اندر بھی آزادیٔ نسواں کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے اور وہ بھی اپنے یہاں عورتوں کو قید وبند سے نکالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، حقیقتاً یورپ کو شرم سے اور ہونا بھی چاہئے کہ اس نے عورتوں کو وہ آزادی کہ اس کو دیکھ دیکھ کر غیر اقوام اور دوسرے ممالک بھی اسے اپنے یہاں رائج کرنے کی فکر میں ہیں....." اس کے بعد بقیہ مضمون میں مسلمانوں کے تمدنی اور معاشرتی حالات کے متعلق بحث کی گئی ہے اور ازراہ شفقت وہم دردی مسلمانوں کو بہت سے مفید مشورے بھی دیئے گئے ہیں جن میں سے سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ یہ ہے کہ مسلمان بھی اپنی بہو بیٹیوں کو برسر عام نکالیں اور ان کو سیر وتفریح کرائیں، تاکہ یورپین عورتوں کی طرح مسلم خواتین میں بھی چالاکی، چستی اور ترقی کے جذبات پیدا ہوں۔ اس سلسلے میں ہم مضمون نگار سے عرض کریں گے کہ اسلام اور آزادیٔ نسواں کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا، وہ صرف جناب کی غفلت کا نتیجہ ہے ورنہ اسلام نے عورتوں کو حقیقتاً وہ آزادی بخشی ہے کہ جس تک یورپ اب تک نہیں پہنچ سکا اور آج جس چیز کو یورپ آزادیٔ نسواں سے تعبیر کرتا ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ آزادی نہیں بلکہ بے حیائی اور بے شرمی ہے کہ جس سے خود یورپ کا لکھا پڑھا شریف طبقہ عاجز آ گیا ہے، چنانچہ ایک انگریز محقق لکھتا ہے کہ یورپ نے عورتوں کو آزادی نہیں بخشی بلکہ ان کو اس نے تباہ اور برباد کرنے کا منصوبہ باندھا ہے، لیکن یہ بات دیکھ کر ذرا دل کو اطمینان ہوتا ہے کہ یورپ اور امریکا کا پڑھا لکھا طبقہ اب عورتوں کی بے پناہ آزادی سے تنگ آ گیا ہے اور کوشش کر رہا ہے کہ اس کو پھر اس جگہ رکھا جائے جس کی وہ حقیقی مستحق اور اہل ہیں، اسی طرح فرانس کے مشہور ومعروف ڈاکٹر آئیل اپنی مشہور کتاب "یورپ اور آزادی" میں لکھتے ہیں: "عورت کا منصب تو یہ تھا کہ اس کو گھر کے تمام کام اور ضروریات پیرو کردی جائیں اور وہ بال بچوں کی داشت وپرداخت کرتی، چہ جائے کہ یورپ آج اس سے ملکی اور فوجی کام لے رہا ہے اور ان کو فوج و پولیس میں بھرتی کر کے اپنی روشن ضمیری اور بلند حوصلگی کا ثبوت دے رہا ہے، حالانکہ میرے نزدیک اور تمام ان حضرات کے نزدیک جو اس معاملے میں کافی تجربہ رکھتے ہیں، یورپ کی یہ بلند حوصلگی اور روشن ضمیری نہیں بلکہ انتہائی کوتاہ بینی ہے، کیونکہ آئے دن کے تجربات ہم کو بتا رہے ہیں کہ عورت کو اس قدر آزاد چھوڑنا کسی طرح بھی سود مند نہیں بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔"

اسلام نے عورتوں پر جو احسان کئے ہیں اور جو حقیقی آزادی عورتوں کو اس نے بخشی ہے، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس نے عورتوں کی عفت عزت اور شرافت کے پیش نظر ان کی فطری صلاحیت اور طبعی استعداد کو ملحوظ رکھا ہے اور ایسی آزادی دی ہے جو قدرتی طور پر ان کے لئے موزوں اور مناسب ہے۔

اسلام نے ہم کو بتایا ہے کہ اپنی بہنوں بیٹیوں کو غیر محرموں کے سامنے کرنا اور پھر اس پر فخر کرنا بے حیائی ہے جس سے ہر شریف اور خود دار آدمی کو بچنا چاہئے۔ اسلام نے یہ بھی بتایا ہے کہ تھیٹر میں سینما میں اور بازاروں میں اپنی عورتوں کو نیم عریاں لئے لئے پھرنا غیر شریفانہ طرز عمل ہے اور اس نے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ہزاروں لاکھوں غیر محرموں کے سامنے اپنی نوجوان لڑکیوں کو نچانا اور اس سے لطف اندوز ہونا شرافت سے بعید ہے، ہاں اگر ان باتوں پر فخر کرے تو یہ اس کو مبارک ہو اور اگر وہ بے شرمی کو عین حیا اور حیا کو عین بے شرمی تصور کرے تو بھی اسے مبارک ہو

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مسلمان جہاں تک مسلمان ہیں اور جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بھی قدر ومنزلت ان کے دلوں میں ہے تو وہ ہرگز اپنی عورتوں کو ایسی آزادی نہیں دے سکتے اور نہ وہ برداشت کرسکتے ہیں کہ ان کی لڑکیاں اشٹج پر گائیں اور وہ اس سے محظوظ ہوں، مسلمان اس کو انتہائی بے حیائی اور کمینہ پن خیال کرتے ہیں، بدقسمتی سے مسلمانوں کے بعض طبقوں میں مغربی ازم کی تیزی سے آرہا ہے اور وہ بھی یورپ کی بخشی ہوئی آزادی پر اپنی عورتوں کو چلانا چاہتے ہیں، بہرحال مسلمانوں کی اکثریت ابھی بھی اسی راہ پر ہے جس پر ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لگایا تھا اور ان شاء اللہ آخر تک اسی پر رہیں گے اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ حق کبھی نہ کبھی ضرور سربلند ہوتا ہے تو وہ دن بھی دور نہیں جب مسلمانوں کا وہ گروہ جو آج مغربی سیلاب میں بہا چلا جارہا ہے اور وہ اپنے کو نہایت مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتا ہے، تلخ تجربات اٹھا کر اور ٹھوکریں کھا کر، اس تہذیب وترقی سے منہ موڑ کر پھر اسی سچے اسلامی طریقے پر آئے گا اور وہ ایشیا کے اور بازاروں کے بجائے عورت کا صحیح مقام اس کا اپنا گھر اور اس کے فرائض خانہ داری سمجھے گا۔

عہد گزشتہ میں یورپ میں عورتوں کی حالت:.....
آج یورپ ہم کو ظالم اور وحشی کہتا ہے اور ہم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ ہم اپنی عورتوں پر ظلم کرتے آئے ہیں لیکن اگر بہ نظر تحقیق دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وحشی اور جاہل کون ہے اور عورتوں پر ظلم کرنے والا وہ ہے یا ہم، ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ مغرب کے ایک مشہور انشا پرداز نے یورپ میں "عورت کی تاریخی حیثیت" کے عنوان سے ایک محققانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مضمون پیرِ قلم کیا تھا، جس میں موصوف نے لکھا تھا کہ" ۱۸۳۲ء سے قبل جو دستور حقیقت تاریخ انگلستان میں مردوں کی آزادی اور اصلاح کے لحاظ سے ایک بہت اہم سال تھا، انگلستان میں عورتوں کی حالت بھیڑ بکریوں سے کسی طرح اچھی نہ تھی اور شوہر کو بیوی پر بالکل ایسے ہی حقوق معاشرتی اور قانونی طور پر حاصل تھے جو فی زمانہ ہم لوگوں کو جانوروں پر بھی حاصل نہیں۔" انگلستان کی ایک مشہور خاتون جو عورتوں کی تحریک آزادی میں کافی شہرت حاصل کر چکی ہیں، اپنی تصنیف "عورت محکوم کی حیثیت میں" کے دیباچہ میں عورت اور مرد کے معاشرتی، قانونی اور تمدنی تعلقات پر دلچسپ تبصرہ کرتی ہیں، موصوفہ لکھتی ہیں: "محکومی در حقیقت ایک روحانی قوت کے ماتحت قائم رہتی ہے اور صرف جسمانی طاقت ہی اس حالت کو قائم نہیں رکھ سکتی، محکومی کا وجود محکوم کے دماغ کی اس کیفیت سے متعلق ہے جو محکوم کو حاکم کے مقابلے میں کم تر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے، کئی پشتوں تک مرد اور عورت دونوں اس خیال پر قائم رہے کہ کسی غیر معلوم امر کی بنا پر عورت مرد کے مقابلے میں انسانیت کی نعمت سے اس قدر بہرہ ور نہیں ہے جتنا کہ مرد۔" کچھ دنوں بعد بعض عورتوں نے اس خیال کو قبول کرنے سے انکار کیا، پھر دیگر نے بھی اپنے افعال اور خیالات سے اس کی تائید کی، اس طرح تحریک نسواں کا آغاز ہوا ۱۷۲۲ء میں ایک کتاب شائع ہوئی جس میں عورتوں کے حقوق کی طرف پہلی دفعہ توجہ مبذول کرائی گئی، اس زمانہ میں فرانس میں حقوق اور آزادی کی رو چل رہی تھی، اس کتاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان میں بھی عورتوں کے حقوق سے ہمدردی کرنے والی ایک جماعت پیدا ہوگئی، گو عام طور پر لوگ اس تحریک کو شبہ کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اس زمانے میں عورتوں کی حالت نا گفتہ بہ تھی اور ان کی حمایت میں آواز اٹھانے کی ہمت کسی کو نہ تھی۔ زبان دراز عورتوں کو سزا دینے کے لئے ایک قسم کا پنجرہ ہوتا تھا جس میں اندر کی طرف کانٹے لگے ہوتے تھے۔ تا کہ سزا پانے والی عورتیں زبان نہ ہلا سکیں۔ منہ کے اندر بھی لوہے کا ایک ٹکڑا جس میں کانٹے ہوتے تھے، رکھا جاتا تھا، اس پنجرے میں عورتوں کو بازار میں گشت کرایا جاتا تھا اور لوگ تالیاں بجاتے تھے۔ دوسری سزا یہ ہوتی تھی کہ عورتیں ایک کرسی میں باندھ دی جاتی تھیں اور انہیں پانی میں غوطہ دیا جاتا تھا، قانون ان سزاؤں کی حمایت کرتا تھا، عدالتوں سے اکثر عورتوں کو کمر تک ننگا کر کے کوڑا مارنے کا حکم ہوتا تھا اور یہ سزا عموماً بازاروں اور سڑکوں پر دی جاتی تھی۔ ۱۸۱۴ء تک غیر شادی شدہ عورتیں خانہ داری کے کاموں کے لئے ۱۲ برس سے ۴۰ برس کے سن تک قانوناً مجبور تھیں، شادی کے بعد عورت کی ہستی مرد کی ہستی میں مدغم ہو جاتی تھی اور اس کو وراثت وغیرہ کے حقوق بالکل ہی حاصل نہ تھے۔ ۱۸۹۰ء تک مردوں کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنی عورتوں کو قید کر سکیں، بیوہ عورتوں کی حالت کسی قدر بہتر تھی، انہیں اپنا ذریعہ کفالت قانوناً حاصل کرنے کا حق تھا، اخباروں کے صفحات پر اکثر شہادتیں موجود ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کو بازار میں گلے میں رسی باندھ کر لایا جاتا تھا اور وہ فروخت کی جاتی تھیں۔ ۱۸۳۰ء تک ایسے واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ عورتیں دس روپیہ تک فروخت ہوئیں۔ عموماً شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی بیوی کو فروخت کر سکے اور خریدنے والے کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ فروخت شدہ عورت کو اپنی زوجیت میں داخل کر لے۔ گزشتہ زمانے میں یورپ میں عورتوں پر جو مظالم توڑے گئے، ان کا ایک خاکہ آپ کے سامنے ہے اور اس نے غریب اور مظلوم عورتوں پر جو ستم ڈھائے، وہ بھی ایک حد تک اب آپ سے پوشیدہ نہیں رہے۔ لیکن ان حالات کے باوجود بھی ظالم اگر کوئی ہے تو ہم ہیں، اور ستم گر اگر کوئی ہے تو ہم ہیں، کیونکہ ہم ہی نے عورت کو جانور بنایا اور ہم ہی نے اس کے لئے پنجرے تیار کیے اور ہم ہی نے اس کو برسرِ عام برہنہ کر کے کوڑے لگوائے۔ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" اس کو کہتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

عورت، ثریٰ سے ثریا تک

مولانا نایاب سیتا مڑھی

اسلام کے بابرکت ظہور سے قبل حیاتِ انسانی میں حد درجہ کجی، انحراف اور بے راہ روی کے ساتھ ساتھ ایک زبردست المیہ یہ بھی تھا کہ وہ عورتوں کے حوالے سے عجیب و غریب اور انسانیت سے بعید تصورات رکھتے تھے، ان کے ساتھ زندگی بھی گذارتے، انھیں حصولِ اولاد کا ذریعہ بھی بناتے؛ بلکہ ان سے ہر ممکن خواہشات کی تکمیل کرتے، مگر ان کا مرتبہ ان کی نگاہوں میں بس اتنا سا تھا کہ وہ عام حالات میں شہوانی تسکین کا ذریعہ یا بیوی ہونے کی صورت میں حصولِ اولاد کی مشین تھی؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عورت کو انتہائی غیر عادلانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے ہر نوع کی سماجی اور شخصی برائی کا سرچشمہ، گونا گوں سیئات کا پیش خیمہ اور زندگی میں پیش آنے والی تمام تر آفات و بلیات کا واحد سبب بھی خیال کیا جاتا تھا۔

پھر یہ رجحانات عورت کے تئیں صرف غیر مہذب اور تمدن نا آشنا قوموں ہی کے نہیں تھے؛ بلکہ بڑی بڑی تہذیب یافتہ اور تاریخ میں اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنی ترقی اور اپنے عروج کی دھاک بٹھانے والی قومیں بھی ان پست ترین اور حد درجہ زبوں خیالات سے مستثنیٰ نہ تھیں۔

تفصیل کا یہاں موقع نہیں، ہم ان تہذیبوں میں سے چند ایک کی روداد بہ اجمال بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے، تا کہ حق پرستوں کے یقین میں اضافہ ہو اور سچائی سے سرگردانی کے شکاروں کی آنکھوں سے تذبذب و تردد کی دبیز پٹی ہٹ جائے۔ (ان شاء اللہ)

عورت تہذیبِ یونان میں:..... قدیم اقوام میں سب سے زیادہ روشن اور شاندار تہذیب کے حاملین اہلِ یونان مانے جاتے ہیں، مگر اس قوم کے ابتدائی دور میں صورتِ حال یہ تھی کہ اخلاقی نظریہ، قانونی حقوق اور معاشرتی برتاؤ ہر اعتبار سے عورت کی حیثیت انتہائی گری ہوئی تھی، یونانی خرافیات ((Mythology میں ایک فرضی عورت پانڈورا ((Pandora کو اسی طرح تمام مصائب و آفات کا موجب قرار دیا گیا تھا، جس طرح یہودی خرافیات میں حضرت حوا کو، حضرت حوّا کے تئیں اس غلط افسانے کی شہرت نے جس طرح یہودی و مسیحی اقوام کے قانونی معاشرتی اور اخلاقی رویوں پر زبردست اثر ڈالا ہے وہ کسی صاحبِ بصیرت اور اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں، قریب قریب ایسا ہی اثر پانڈورا کے حوالے سے اس یونانی تو ہم کا اہلِ یونان پر پڑا۔ ان کی نگاہ میں عورت ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق تھی اور معاشرت کے ہر پہلو میں اس کا مرتبہ گرا ہوا تھا، عزت و شرافت کے تمام حقوق صرف اور صرف مردوں کے ساتھ مخصوص تھے، عورتیں ان سے یکسر محروم تھیں۔

تمدنی ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں خواتین کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیئں یہ طرزِ عمل تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ برقرار رہا اور علم کی روشنی کا صرف انتشار ہوا کہ عورت کی قانونی حیثیت تو ماقبل ہی کی طرح رہی، البتہ معاشرتی پہلو میں کچھ تغیرات رونما ہوئے، اسے گھر کی ملکہ بنا دیا گیا، عصمت وعفت کے آبگینے کی حفاظت کی جانے لگی اور شریف یونانیوں کے ہاں پردے کا چلن عام ہوگیا۔

مگر رفتہ رفتہ اس بے چاری کو پہلے سے بھی زیادہ المناک وادہ ہناک مقام تک پہنچایا گیا اور ایک زمانہ وہ آیا جب اسے صرف وہوسنا کی اور شہوت رانی کا ذریعہ بنا کر رکھ دیا گیا اور مال کار یہی چیز تہذیب یونان کی تاریخ کے پردے سے نابود ہوجانے کا سبب بنی۔

عورت تہذیب روم میں:..... یونانیوں کے بعد جس قوم کو تہذیب وتمدن میں بام عروج نصیب ہوا، وہ اہل روم تھے، مگر یہاں بھی اتار چڑھاؤ کا وہی افسوسناک پہلو ہمارے سامنے نظر آتا ہے، جو یونانیوں کے ذائقۂ زوال کا سبب بنا۔

رومی لوگ جب وحشت کی تاریکی سے نکل کر تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوئے، تو ان کے نظام معاشرت کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ مرد اپنے خاندان کا سردار ہے، اس کو اپنی بیوی پر حقوقِ مالکانہ حاصل ہیں؛ بلکہ بعض حالات میں وہ اپنی رفیقۂ حیات اور زندگی کے ہر نشیب وفراز میں اس کی غم خواری وغم گساری کرنے والی بیوی کو قتل تک کردینے کا مکمل اختیار رکھتا ہے، پھر جب وحشت کم ہوئی اور تہذیب میں رومیوں کا قدم آگے بڑھا تو اگرچہ قدیم خاندانی نظام برقرار رہا، مگر ساتھ سخت گیریوں میں کچھ توازن پیدا ہوا اور اعتدال قائم کرنے کی کوشش کی گئی؛ بلکہ ایک زمانے تک رومیوں کے نظامِ حیات میں عورتوں کے بارے میں معتدل اور متوازن رجحانات پائے جاتے رہے؛ چنانچہ عورت کو قابل قدر سمجھا جانے لگا، اس کی عزت وعصمت کی حفاظت کی جانے لگی، عورت ومرد کے تعلق کی شکل صرف نکاح کو قرار دیا گیا، ایک عورت کو اسی وقت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا جب وہ کسی خاندان کی ماں ہو اور بیسواطبقہ بھی گرچہ موجود تھا، مگر معاشرے میں اس کو اور اس کے گرد طواف کرنے والے کو معاشرے کا ذلیل فرد تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن تہذیب وتمدن میں رفتہ رفتہ ترقی کے مدارج طے کرنے کے ساتھ ساتھ عورت کے تعلق سے ان کے نظریات بھی بدلنے شروع ہوگئے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ نکاح صرف ایک قانونی معاہدہ بن کر رہ گیا، جس کا قیام وبقاء فریقین کی رضامندی پر منحصر تھا، ازدواجی تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا لیا جانے لگا، عورت کو وراثت اور ملکیت مال کے حقوق اس شان سے دیے گئے کہ وہ باپ اور شوہر کے قبضے سے بالکل ہی آزاد ہوگئی اور زن ومرد کے درمیان غیر نکاحی تعلقات کا عیب رومی معاشرے سے ایسا ناپید ہوا کہ اپکٹیٹس (Epictetus) جو فلاسفۂ رواقیین میں سخت ترین محتسب اخلاق مانا جاتا ہے، وہ اپنے شاگردوں کو یوں ہدایت کرتا ہے کہ:

''جہاں تک ہوسکے شادی سے پہلے عورت کی محبت سے اجتناب کرو، مگر جو اس معاملے میں ضبط نہ رکھ سکیں، انھیں ملامت بھی نہ کرو۔''

پھر ایک دن وہ آیا کہ عورت صرف اور صرف سامانِ تعیش اور ذریعۂ لذت اندوزی بن کر رہ گئی، شہوانیت، عریانیت اور فواحش کا طوفانِ بلاخیز بپا ہوگیا، چھیڑوں میں بے حیائی وعریانیت کے مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور نیم بازنی فحش تصویریں ہر گھر کی زینت ٹھہریں، شجرِ گریٹ کے کاروبار کو حیرت ناک حد تک ترقی ملی اور ان کا ذوقِ شہوت پرستی اس قدر شباب پر تھا کہ اس کا اثر زندگی کی ہنگامہ خیزیوں اور پیہم تکان سے چور ذہن کو فرحت بخشنے والے کھیلوں پر بھی پڑا؛ چنانچہ رومیوں میں فلورا (Flora) نامی کھیل کو قبول عام حاصل تھا، اس لیے کہ اس میں لڑکیاں برہنہ ہوکر دوڑتی تھیں، جنھیں دیکھ کر شائقین محظوظ ہوتے تھے۔

قصہ کوتاہ یہاں بھی عورت تہذیب وترقی کے مختلف

ادوار سے گذر کر بالآخر شہوت پرستی وہوس رانی کے اسی نقطے پر آٹھہرتی ہے، جہاں اسے تہذیب یونان نے پہنچایا تھا اور انجام کار تہذیب روم کا قصرِ شوکت وعظمت بھی ایسا پیوندِ خاک ہوا کہ پھر اس کے کھنڈرات کا بھی نام ونشان نہ رہا۔

عورت قدیم مسیحی یورپ میں:..... یونان وروم کے نیر اقبال کے گہنانے اور آفتابِ عظمت کے گہنانے کے بعد مسیحیت آئی اور اس نے عورت کی زبوں حالی اور اس کے حقوق کے استحصال کی روک تھام کا بیڑا اٹھایا اور اوّل اوّل اس نے عمدہ خدمات انجام دیں، مگر افسوس کہ اس کا نظریہ بھی صنفِ نازک کے بارے میں انتہا پسندانہ ہی واقع ہوا؛ چنانچہ آباءِ مسیحیین کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہوں کی ماں اور برائی کی جڑ ہے، معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے، تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے، اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے، اس کو اپنے حسن ومہ وشی پر نازاں نہیں، بلکہ پشیمان ہونا چاہیے؛ کیوں کہ پیاسی نگاہوں کو دعوتِ نظارہ دینے والا اس کا یہ جمال جہاں آراء شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس کو دائماً اور لازماً کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ دنیا اور اہلِ دنیا پر دو کے لئے مصیبتوں کی بیامبر اور آفتوں کی علم بردار ہے۔

ترتولیان (Tertulian جو ابتدائی دور کے ائمہ مسیحیت میں سے ہے، عورت کے متعلق مسیحی نظریہ کی ترجمانی یوں کرتا ہے کہ: ''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجرِ ممنوع کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر ''مرد'' کو غارت کرنیوالی ہے''، کرائی سوستم ((Chrysostum جس کو مسیحیت کے اولیائے کبار میں شمار کیا جاتا ہے، لکھتا ہے: ''عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارتِ گردل رہا اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔''

پیروانِ دینِ مسیح کا دوسرا نظریہ یہ بھی تھا کہ عورت

ومرد کا باہمی تعلق خواہ نکاح ہی کے ذریعے ہو یہ جائے خود نجس اور قابل احتراز چیز ہے، پھر یہ ناپسندیدہ اور تجرد انہ تصور مسیحیت شریعت کے زیرِ اثر جتنے قوانین مغربی دنیا میں نافذ ہوئے ان کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱) معاشی حیثیت سے عورت کو کلیتاً بے بس کرکے اسے مرد کی ملکیت میں دے دیا گیا، وراثت میں اس کے حقوق محدود تھے اور ملکیت میں محدود تر؛ چنانچہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت سے بھی دست بردار تھی اور اس کی ہر شئی کا مالک اس کا شوہر تھا۔

(۲) طلاق اور خلع کی سرے سے اجازت نہ تھی، خانگی حالات چاہے جس قدر بھی بدحالی کا شکار ہوجائیں، اگر زوجین میں ناچاقی حد سے بڑھ جاتی اور بہ ظاہر مصالحت کی کوئی سبیل نہ نکلتی، تو اس کے تدارک کی ان کے ہاں بس یہ شکل تھی کہ زن وشوہر کے درمیان تفریق کردی جائے اور تاعمر دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں، نکاحِ ثانی کی اجازت نہ مذہب کی رو سے تھی اور نہ ہی سماج اس کا روادار تھا اور اب ان کے لیے دو ہی شکلیں رہ جاتی تھیں کہ یا تو وہ بقیہ مدتِ حیات راہب اور راہبہ بن کر گذاریں یا پوری زندگی بدکاری وہوس کاری کی نذر کردیں۔

(۳) شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوی کے لیے اور بیوی کی موت کے بعد شوہر کے لیے دوسرے نکاح کی اجازت نہ تھی، مسیحی مذہب کے ٹھیکے دار کہتے تھے کہ یہ محض شہوت رانی اور ہوس کی بندگی ہے ان کی زبان میں اس فعل کا نام ''مہذب زنا کاری'' تھا۔

دنیا کی دگرگوں تہذیبیں اور عورت:..... یہ حالت تو دنیا کی دو عظیم الشان تہذیبوں اور پھر تیسری مسیحی تہذیب کا گہوارہ رہنے والی مغربی دنیا کی تھی، مگر دنیا کے دیگر ممالک مصر، بابل اور ایران بھی عورت کا کوئی مرتبہ جو انسانیت نوازی پر مبنی ہو تسلیم کرنے کو کسی طور پر تیار نہ تھے۔

عورت ہندوستانی معاشرے میں:..... اسی طرح ہندوستانی سماج کا نظریہ بھی عورت کی بابت مابقی اقوام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مختلف نہ تھا، جو آج بھی ہندو معاشرے میں بہت حد تک موجود ہے؛ چنانچہ عورت ان کے ہاں ایک داسی اور مرد اس کا سوامی اور پتی دیو یعنی مالک ومعبود ہوتا، اس کو بچپن میں باپ کی، جوانی میں شوہر کی اور بیوگی میں اولاد کی مملوکہ بن کر رہنا پڑتا، اسے شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا، اس کو وراثت اور دیگر حقوق ملکیت سے محروم کیا جاتا، اس پر نکاح کے انتہائی سخت قوانین مسلط کیے جاتے، جن کے زیر اثر وہ اپنی رضا اور پسند کے بغیر ایک مرد کے حوالے کردی جاتی، اور پھر تاحین حیات کسی بھی صورت میں وہ اس کی ملکیت سے نہیں نکل سکتی، ہندوؤں میں عورت کو یہودیوں اور یونانیوں کی طرح گناہوں کی جڑ اور مصائب کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا اور اس کی مستقل حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا تھا، دوسری جانب جب اس پر محبت کی نگاہ ہوتی تھی تو خواہشات کا کھلونا بنالی جاتی، وہ مرد کے اعصاب پر اس طرح چھا جاتی کہ خود بھی ڈوبتی تھی اور مردوں کو بھی قعر ہلاکت میں پہنچا کر دم لیتی تھی؛ چنانچہ یہ لنگ اور یونی کی پوجا، یہ عبادت گاہوں میں عریاں اور جڑواں مجسمے، یہ دیوداسیاں، یہ ہولی کی رنگ رلیاں اور یہ دریاؤں کے سنگم عریاں اشنان؛ آخر کس چیز کی یادگار ہیں؟ اسی بائم مارگی ہی کے تو باقیات غیر صالحات ہیں جو ایران، بابل، یونان، اور روم کی طرح ہندوستان میں بھی تہذیب وترقی کی انتہا کے بعد وبا کی طرح پھیلی اور ہندو قوم کو غیر منتہی مدت کے لیے تنزل وانحطاط کی عمیق ترین کھائی میں پھینک گئی۔

عورت عرب جاہلیت میں:..... جب تہذیب وتمدن کے مراکز اور تاریخ اقوام میں اپنی تہذیب، اپنی ثقافت اور اپنے عروج کی چھاپ چھوڑنے والی قوموں کی نگاہوں میں عورت ہر طرح کی پستی اور زبوں حالی کی حق دار تھی اور انسان کی حیثیت سے ملنے والی خداداد شرافت وکرامت اور بزرگی میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا، تو سرزمین حجاز کا کیا کہنا، وہ تو وادی غیر ذی زرع اور فطرتاً بنجر واقع ہوئی تھی اور اس کا اثر وہاں کے مکینوں پر بھی کامل تھا؛ چنانچہ وہ علم وتمدن سے عاری کھائے بیٹھے تھے، تہذیب اور شائستگی سے انھیں خدا واسطے کا بیر تھا، حسن اخلاق اور حسن سلوک کے نام سے بھی وہ ناآشنا تھے، کسی کو اس کے حقوق دینا اور دلانا ان کی جاہلی غیرت وشجاعت کے لیے چیلنج تھا، ان کے ہاں کوئی نظم وضبط نہ تھا، وجہ ظاہر تھی کہ وہ لوگ کسی کے تابع اور زیر حکومت رہنا جانتے ہی نہ تھے۔

متذکرہ بالا گونا گوں خبیث اوصاف کے ساتھ ساتھ ان کے اندر ایک اور خبیث ترین وصف یہ تھا کہ ان کے معاشرے میں عورت کے لیے کسی طرح کی شرافت انسانی کا کوئی خانہ نہ تھا، اس کے ساتھ ظلم، تعدی، جفاکیشی اور ہر طرح کی بدسلوکی کا رواج عام تھا، اس کے حقوق کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ پامال کیا جاتا، اس کے کمائے ہوئے مال پر بھی مرد اپنی ملکیت جتاتا، ترکہ ومیراث میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا، شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد نکاح ثانی کی اجازت نہ تھی، قرآن کریم نے عورتوں پر اس جاں گسل زیادتی کی مخالفت کی اور مماثعی حکم نازل فرمایا (البقرہ:۲۳۳) دیگر اسباب زندگی اور حیوانات کی طرح وہ بے چاری بھی وراثت کے طور پر مرنے والے کے وارثین میں منتقل ہوتی رہتی، اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا (نساء:۱۹) اشیائے خوردنی میں بہت سی چیزیں مردوں کے لیے خاص کرلی گئی تھیں، عورتوں کا ان میں کوئی حصہ نہ تھا، قرآن کریم نے ان کی اس زیادتی کا ذکر کیا ہے (انعام:۹: ۱۳۹) اکثر تو غیرت وحمایت کی وجہ سے اور بسا اوقات فقر وتنگدستی کی بنا پر لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی نہ چوکتے، جب لڑکی پیدا ہوتی تو ان کے چہرے فق ہوجاتے، پژمردگی اور انحطال دور ہی سے ٹپکتے ہوئے نظر آتے، ان کے دل گھٹتے رہتے اور انھیں اتنی عار محسوس ہوتی کہ وہ معاشرے سے، اپنے ملاقاتیوں سے اور دیدوشنید رکھنے والوں سے بھاگے پھرتے اور یہی عار اور شرمندگی انھیں اپنی لڑکی کے زندہ درگور کردینے جیسے غیر انسانی اور خالص وحشیانہ فعل پر ابھارتی اور وہ ایسا ہیجانہ اقدام کرڈالتے، فرزدق شاعر کے دادا صعصعہ بن ناجیہ نے ظہور اسلام سے قبل تک تین سو لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا تھا اور وہ سرزمین عرب سے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی وبا کو ختم کرنے والے پہلے شخص تھے، اسلام لانے کے بعد کئی اصحاب نبی ﷺ نے اس اس سلسلے کے بڑے ہی دردانگیز اور جگر خراش واقعات بیان کیے ہیں۔

عورت اسلام کے سایہ رحمت میں:..... تاریخ کے مختلف اور بھیانک مراحل سے گذرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں بھی عورت اسی ذلت وخواری، اسی آہ وزاری اور اسی بے یاری ومددگاری کے المناک دوراہے پر کھڑی تھی، جہاں صدیوں پہلے اسے کبھی تہذیب یونان وروم نے پہنچایا تھا، اس کا کرب انتہا کو پہنچ چکا تھا اور بہ ظاہر کوئی بھی اس کا مونس ویار نہ تھا۔

بالآخر صنف لطیف کے درد کی کسک اور اس کی پیہم سسکیوں نے رحمت خداوندی میں جولانی پیدا کی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حراء کی پہاڑی سے جہاں آپ گو بنی نوع انسان کے لیے بالعموم نسخہ کیمیا اثر دے کر مبعوث فرمایا، وہیں آپ کی بعثت صدیوں سے دبی کچلی صنف عورت کے لیے بھی سراپا لطف ورحمت ثابت ہوئی، آپ نے خدائی تعلیمات اور اپنے شبانہ روز کے اعمال کے ذریعے عورت کی حیثیت اور اس کی قدر ومنزلت کو واشگاف کیا، لوگوں کے قلوب پر اس کی کرامت وشرافت کا نقش بٹھایا اور تابد کے لیے عورت کو مقام ومرتبے کی اس معراج تک پہنچا دیا کہ اس سے بلند مرتبہ بشری تصورات سے باہر ہے۔

آیئے ہم قدرے غائرانہ نظر سے دیکھیں کہ اسلام نے عورت کو کب کیا مقام ومرتبہ عطا کیا ہے اور بہ چشم خویش وحقیقت بیں مشاہدہ کریں کہ اسلام نے؛ بلکہ صرف اسلام نے صنف لطیف کو کس طرح شرفی سے ثریا تک پہنچانے کا عظیم القدر کارنامہ انجام دیا ہے۔

اسلام میں ماں کا مرتبہ:..... یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا بنائی اور اس دیرانۂ آبادمنا میں رونق، دیدہ زیبی اور دل فریبی پیدا کرنے کی غرض سے ماں کے مقدس وجود کو وجود بخشا، یہی وجہ ہے کہ ماں کے اندر پاکیزگی اور تخلیقیت کا لافانی ذخیرہ مخفی ہے، ماں سے بہتر اور برتر دنیا میں کوئی ذات نہیں، ماں ایک ایسا لفظ ہے جو کام ودہن کو لذت بخشتا اور کانوں میں شہد گھولتا ہے، ماں کی پیشانی میں نور، آنکھوں میں سرور، باتوں میں بے لوث محبت، دل میں ناپید کنار دریائے رحمت، ہاتھوں میں بے پناہ شفقت، پیروں میں بے بہا جنت ہے اور ماں کی آغوش میں بے پایاں راحت وسکون ہے، ماں کا ذکر آتے ہی ہر انسان کے دل میں؛ بلکہ اس کی رگ رگ میں ایک لطیف احساس ابھر آتا ہے، وہ عمر کے کسی بھی مرحلے میں ہو، ماں کے لمس اور اس کی گود کے گرم احساس کو کبھی نہیں بھول پاتا، انسان پر جب کوئی آفت ٹوٹ پڑتی ہے، کوئی دکھ پریشانی اور تکلیف پہنچتی ہے تو خدائے لایزال کے بعد اسے اس دنیا کے دو میں اگر کوئی غم خوار نظر آتا ہے، تو وہ صرف ماں کی ذات اقدس ہے ؎

شدت حالات نے جب جب بھی ٹھکرایا مجھے
صرف ماں تھی جس نے بڑھ کر لے لیا آغوش میں

ماں کی عظمت ورفعت افلاک کی وسعتوں سے پرے ہے، ماں کے قدموں کی دھول میں شفقت کے پھول اگتے ہیں، ماں ایسی دھوپ ہے جہاں صدق وصفا کے موتی چمکتے ہیں، ماں ایسی روشنی ہے جس میں ممتا اور محبت کی کلیاں خنداں نظر آتی ہیں، ماں ایک ایسا نور ہے جس میں تپش نہیں ہوتی، ماں ایک تابندہ ستارہ ہے جو زندگی کی تاریکیوں میں روشنی بکھیرتا ہے، ماں ایسا دیپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے جس کی تابش کے آگے زہرہ ومریخ اور کہکشاں کی روشنی بھی ہیچ ہے، ماں کی نظرِ کرم ولطف وعنایت ابر رحمت کا خوش گوار سایہ ہے، ماں کا دل سمندر سے بھی زیادہ عمق رکھتا ہے جہاں ہر رنج وغم چھپ جاتے ہیں، ماں ایسی راگ ہے جس کی لے اور لوری زندگی میں لگنے والے بڑے سے بڑے زخم کی ٹیس اور جبیں کی چن لیتی ہے، ماں ایسا پھن زار ہے جس کے گلوں پر کبھی پژمردگی نہیں آتی، ماں ایک ایسی خوشبو ہے جس کے وجود سے پوری کائنات معطر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ماں دنیا والوں کے لیے قدرت کا عظیم ترین تحفہ اور خداوندی انعام ہے۔

اسلام نے بھی اول دن سے ہی دنیا کی اس مقدس ترین ہستی کی عظمت، تقدس، کرامت، حرمت اور اس کے جذبے کی صداقت کا بھرپور احساس ولحاظ کیا اور ماں کو وہ مرتبہ بلند وبالا بخشا کہ اس کے زیرِ قدم جنت بسادی، اس عظیم ہستی کے احترام وتکریم کو اس کی اولاد پر واجب قرار دیا اور اپنے تابعداروں کو یہ ہدایت دی کہ خدا ورسولؐ کے بعد عزت اور احترام کی سب سے زیادہ حق دار تمہاری ماں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسولؐ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اُمُّكَ" "قال: ثُمَّ مَنْ؟" قَالَ: "اُمُّكَ" قَالَ: "ثم من" قال: "اَبُوْكَ"۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۸۳، مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

اس حدیث پاک سے بہ وضاحت وبصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے حسنِ برتاؤ اور حسنِ اخلاق کی سب سے زیادہ حق دار اس کی ماں ہے اور ماں کا حق اولاد پر باپ سے تین گنا بڑھا ہوا ہے۔

قرآنِ کریم نے بھی جہاں خدائے واحد کی پرستش اور عبادت کی جگہ جگہ تلقین کی ہے اور ساتھ ہی والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے، وہیں متعدد مقامات پر ماں کے زمانہ حمل، ولادت اور رضاعت کی جاں گسل تکلیفوں کو ذکر کرکے اس کے مرتبے کے سوا ہونے اور اس کے حقِ تعظیم وتکریم کے فروں تر ہونے پر واضح اشارہ دیا ہے۔

معاویہ بن جاہمہؓ سے روایت ہے کہ: "میرے والد جاہمہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: "میرا جہاد میں جانے کا ارادہ ہے اور اس سلسلے میں میں آپ ﷺ کے پاس مشورے کو حاضر ہوا ہوں" آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: "هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟" قال: "نَعَمْ" قال: "فَالْزَمْهَا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلِهَا"۔ (نسائی ج ۲ ص ۵۳)

(آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تمہاری ماں حیات ہیں؟" انھوں نے جواب دیا "ہاں" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انھیں کی خدمت گزاری میں لگے رہو، کیوں کہ ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے")۔

ایسے وقت میں جب کہ اسلام کی وسعت محدود تر تھی، کفارِ مکہ کی یورش کا خطرہ ہمہ وقت منڈلاتا رہتا تھا اور مسلمانانِ مدینہ کے قلوب پر ہر گھڑی یہ اندیشہ چھایا رہتا کہ نہ معلوم کب اور کس جانب سے دشمنانِ اسلام کی کون سی ٹولی مسلمانوں کا قصہ پاک کردینے کو آدھمکے، ایسی تشویشناک صورتِ حال کا تقاضا تو یہی تھا کہ آپ ﷺ حضرت جاہمہؓ کو رزم گاہِ حق وباطل کی طرف رخ کرنے کا حکم دیتے، مگر آپ ﷺ نے حالات کی حد درجہ نزاکت کے علی الرغم اپنے صحابیؓ کو ماں کی خدمت کا نہ صرف حکم دیا؛ بلکہ اس کے التزام کی ہدایت فرمائی اور علت یہ بتلائی کہ جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے۔ دنیا کے کسی بھی دھرم اور مذہب میں ماں کے تئیں ایسا اعلیٰ ترین تصور کب پیش کیا گیا ہوگا؟

ماں کی نافرمانی سخت ترین گناہ:..... حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ"۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۰۰، مسلم ۲ ص ۷۵)

(اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے اوپر ماؤں کے عقوق (یعنی ان کی عدم بجاآوری) کو حرام قرار دیا ہے)

جب تک ماں باپ کسی ناجائز کام کا حکم نہ کریں اس وقت تک ماں باپ کی اطاعت ضروری اور نافرمانی حرام ہے؛ یہاں تک کہ علماءِ کرام نے فرمایا کہ اگر بیٹے نے نفل کی نیت باندھ رکھی ہو اور ماں باپ لاعلمی میں کسی کام سے آواز دیں، تو نیت توڑ کر آنا ضروری ہے۔

حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "والدین کی نافرمانی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں، جس کا عذاب دی القبور ہونا چاہیے اور جو عذاب باقی رہ جائے وہ اس کے علاوہ ہے۔" (الادب المفرد)

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "زنا، شراب خوری اور چوری کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: "سب بے حیائیاں ہیں اور ان پر عذاب ہوگا" حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں سب سے بڑا گناہ تمہیں نہ بتاؤں وہ ہے اللہ عزوجل کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، آپ ﷺ اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے اس کے بعد سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: "اور جھوٹی گواہی"۔ (الادب المفرد)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانے میں میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کرکے مدینے میں) میرے پاس آئیں، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَغِبَةٌ، أَفَأَصِلُهَا؟ قال: "نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ"۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۵۷، مسلم ج ۲ ص ۸۸۴)

(میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور وہ خدمت کی خواہاں ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اپنی امی کے ساتھ حسن سلوک کرو")۔

حضرت اسماءؓ صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن تھیں، روایات میں ان کی ماں کا نام "قتیلہ بنت عبدالعزیٰ" مذکور ہے، انھیں حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کردیا تھا، صلح حدیبیہ کے زمانے میں جب مسلمانوں کو مکہ اور کفار کو مدینہ آمد ورفت کی اجازت تھی، وہ اپنی صاحبزادی سے ملاقات کی خاطر آئیں، حضرت اسماءؓ نے دریافت کیا کہ میری ماں جو مشرکہ ہیں کچھ خواہش لے کر میرے یہاں آئی ہیں، یعنی وہ چاہتی ہیں کہ میں ان کی کچھ خدمت کروں، بعض شراحِ حدیث نے "راغبۃ" کا ترجمہ منحرف ہونے سے اور بیزار ہونے سے کیا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میری والدہ مجھ سے ملنے آئی ہیں، لیکن وہ دینِ اسلام سے بیزار ہیں، ایسی صورت میں میرا ان سے کیا برتاؤ ہونا چاہیے؟ ماں ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کروں یا کفر وشرک کی بنا پر ان سے ترکِ تعلق اور بے رخی اختیار کروں؟ تو رسول اللہ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت کرو اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو جو ماں کا ماں ہونے کی وجہ سے حق ہے۔

قرآنِ کریم میں سورۂ لقمان میں بھی اولاد کو یہی ہدایت ہے کہ اگر ماں باپ کافر ومشرک ہوں اور اپنی اولاد کو بھی کفر کو اختیار کرنے پر مجبور کریں، تو ان کا حکم نہ ماننا جائے البتہ خدمت اور حسن سلوک میں پھر بھی کوتاہی نہ برتی جائے۔

اسلام میں بیٹی کی حیثیت:..... قبل از اسلام بیٹی کی پیدائش عالمی معاشرے میں نحوست کی علامت سمجھی جاتی تھی؛ بلکہ آج بھی دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف طبقاتِ انسانی میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت باور کیا جاتا ہے اور اس کی پیدائش پر چہرے پر رونق اور شادابی لانے کی بہ جائے پژمردگی اور افسردگی کا سبب بن جاتی ہے۔

اسلام نے بتایا کہ بیٹی کا وجود باعثِ ننگ وعار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کی یہ جائے رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہے؛ بلکہ جذبہ صادق اور کامل شفقت ورافت کے ساتھ اس کی تربیت، اس کی تعلیم، اس کی حقوق رسانی اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا جنت میں داخلے کا باعث ہوگا۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۳)

(جو شخص دو لڑکیوں کی ان کے بلوغ تک پرورش کرے تو قیامت کے دن، میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ "پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا دیا")

لڑکیاں دوزخ سے بچاؤ کا سامان :..... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَتَسَتَّرَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۹۰، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۰)

(جس شخص پر اللہ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو نبھایا اور) ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جنت سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی)۔

یعنی اگر انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم رسید ہونے والا ہوگا تو وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کی بنا پر بخش دیا جائے گا اور باری تعالیٰ اس کے لیے دخولِ جنت کا حکم صادر فرمادیں گے۔

لڑکیوں اور بہنوں کی عمدہ تربیت کا صلہ :..... بیٹی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی شخص اپنی بہن کی بھی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری لے لے اور اپنی وسعت بھر ان کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے تو ایسا شخص بدزبان وحی ترجمان جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضرت ابوسعد خدریؓ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے: مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلٰثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلٰثُ أَخَوَاتٍ أَوْ بِنْتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۳)

(جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہا تو اس کو بدلے میں جنت ملے گی)

لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ یکساں رویہ اپنائیں

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا - يَعْنِي الذُّكُورَ - أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳)

(جس کے پاس لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ اس کی توہین کرے اور نہ ہر بنا پر میں لڑکے کو اس پر ترجیح دے (یعنی دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا)۔

اسلام میں بیوی کا مقام ومرتبہ :..... اسلام نے پوری انسانیت کو باخبر کیا کہ بیوی تمہارے لیے اللہ کی دی ہوئی ایک بڑی نعمت ہے، تمہاری ہم راز ودم ساز، تمہاری رفیقۂ حیات، تمہاری زندگی کے شیب وفراز میں تمہاری غم خوار وغم گسار؛ بلکہ زندگی کے ہر گام پر تمہارے لیے سکون واطمینان کا سامان کرنے والی ہے؛ اس وجہ سے اگر تمہارے حقوق کی ادائیگی میں اس سے کچھ تقصیر سرزد ہوجائے تو بھی اس کے ساتھ حسنِ معاشرت کا معاملہ کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۶۹، مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۵)

(اے لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کے بارے میں وصیت حاصل کرلو؛ اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ کجی پسلی کے اوپری حصے میں ہوتی ہے اگر تم اس کو زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اپنے حال پر چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی؛ اس لیے عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کے بارے میں میری وصیت قبول کرو)۔

یعنی اگر کوئی شخص زبردستی اور تشدد کے بل بوتے پر عورت کی فطری کجی کو دور کرنے کی کوشش کرے گا، تو کامیابی کی بہ جائے افتراق اور علیحدگی کی نوبت بھی آسکتی ہے؛ اس لیے کہ دماغ وزبان میں کجی اس کی فطرت میں داخل ہے اور یہ اس کے لیے موجب ننگ نہیں؛ بلکہ یہ تو اس کی ادا وناز ہے؛ لہٰذا اگر تم ان سے کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو، تو اس کی کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ بہتر سلوک اور دل داری کا معاملہ کرو، لفظ "اِسْتَوْصُوْا" سے آپ ﷺ نے کلام کا آغاز فرمایا تھا اور اسی لفظ پر آپ نے اپنی بات ختم فرمائی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو بیویوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا کس قدر اہتمام تھا۔

نیک عورت نعمت عظمیٰ :..... عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۵)

(دنیا کی حیثیت ایک سامان کی سی ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے)۔

احادیث مبارکہ میں نیک عورتوں کی متعدد علامتیں بیان کی گئی ہیں، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نیک عورت وہ ہے جو شوہر کی آخرت پر (یعنی اعمال آخرت پر) معاون ہو، بعض میں آیا کہ بہترین عورت وہ ہے جو اپنی ذات اور شوہر کے اموال میں کسی گناہ کی جویائہ ہو اور کسی خیانت کا ارتکاب نہ کرے، ایک اور روایت میں نیک عورت کی یہ علامتیں بتلائی گئی ہیں کہ: جب شوہر کوئی حکم دے (شرعی دائرے میں رہ کر) تو بیوی اس کی اطاعت کرے، جب شوہر اسے دیکھے تو اسے قلبی سرور حاصل ہو، جب شوہر کسی بات پر قسم کھالے تو بیوی اسے بری کردے اور جب شوہر گھر سے غائب ہو تو بیوی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت سے محترز رہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۱)

اسلام کی نظر میں بہترین شخص :..... حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِ۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۱۹)

(سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے، جس کے اخلاق عمدہ ہوں اور تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ثابت ہو)

اپنی بیوی سے نفرت نہیں، محبت کرو! :..... حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۵)

(کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی کوئی عادت اس کی نظروں میں ناپسندیدہ ہے تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی)

یعنی اگر بیوی میں کوئی ایسی عادت ہے جو شوہر کی نگاہ میں قابل اعتراض اور مکروہ ہو، تو اس کی بنا پر وہ اسے نفرت وکراہت کا شکار نہ بنائے؛ بلکہ اس کے دیگر خصائل محمودہ کو دیکھتے ہوئے اس سے درگزر کا معاملہ کرے، یہ حدیث شریف آیت کریمہ:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (نساء: ۱۹) کی سچی اور واضح تشریح ہے۔

متذکرہ بالا نصوص اور روشن حقائق کے پیش نظر یہ بات برملا اور بہ بانگ دہل کہی جاسکتی ہے (اور کسی عقلِ دانا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نگاہ بینا رکھنے والے شخص کو اس سے انکار کی مجال بھی نہیں ہوسکتی) کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے، جس نے عورت کو صدیوں کی ذلت اور برسہابرس کے ظلم وجور کی اندوہناک کھائیوں سے نکال کر عظمت وتقدس اور عفت وپاکیزگی کی انتہا تک پہنچادیا، اس کو وہ مقام ومرتبہ عطا کیا جس کا عشرِ عشیر بھی دنیا کی اب تک کی تمام تر تہذیبیں نہ دے سکیں اور اس کی آغوش شفقت ورحمت میں صنفِ لطیف کو وہ سکون وطمانیت حاصل ہوئی کہ تاریخ انسانیت کا کوئی بھی مذہب اور تحریک ہزاروں دعووں کے باوصف اسے وہ سکون بخشنے میں کبھی کامیاب نہ ہوئی۔

تہذیبِ جدید کی غلط اندیشیاں: ..... یہ حقیقت بھی ہرقلب سلیم پر آشکارا ہوجانی چاہیے کہ تہذیبِ جدید کے عورت کو اس کے حقوق دیے جانے کے پرفریب نعرے، دانایانِ فرنگ کی طرف سے مساواتِ مردوزن کی اٹھتی ہوئی صدائیں، مغرب اور مغربی دسترخوان کے زلہ خواروں کی طرف سے صنفِ اناث کے معاشی استقلال کی صدابائے بازگشت اور اپنی ہوسنا کی وشیفتہ کو تسکین فراہم کرنے کی غرض سے زن وشہر کے آزادانہ باہمی اختلاط کا ڈنکا پیٹنا، ان سب کے پیچھے بشری قوتوں کی کم کوشیاں اور اذہانِ انسانی کی غلط اندیشیاں کارفرما ہیں، یہی وجہ ہے کہ تہذیبِ نو اپنی عمر کی صرف اور صرف دو ڈھائی صدیاں بتانے کے بعد ہی پوری طرح خودش، شکست اور بنی نوع انسانی کی زبردست انجام دینے میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آج جو پوری انسانیت ذلت ورسوائی، فحاشی وبے حیائی اور انسانیت کے رستے سے ہزار درجہ گرے ہوئے افعال قبیحہ وشنیعہ میں ملوث نظر آرہی ہے یہ سب اسی تہذیب کی دین ہے اور کوئی بھی صاحب بصیرت انسان ادنیٰ تامل کے بغیر یہ پیش گوئی کرسکتا ہے کہ مستقبل قریب میں ہی اس تہذیب کے کل پرزے بکھرا چاہتے ہیں۔

حرفِ انتہاء: ..... اسلام کی آمد سے پہلے جو تہذیبیں عالمِ وجود میں آئیں اور ان میں جو صنفِ نازک کے ساتھ ناانصافی کا، جور وجبر کا اور ہوس رانی وشہوت پرستی کا رویہ اپنایا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان تمام تہذیبوں کے معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی قوانین میں تفریط کا بھیانک عنصر غالب تھا، ان کے علم بردار معاشرے کی تشکیل کرنا چاہتے تھے، مگر عورت کو (جو انسانیت کا نصف حصہ ہے) کوئی مقام ومرتبہ دیے بغیر اور اسے کسی حیثیت کے قابل سمجھے بغیر اور جہاں تک بات ہے تہذیبِ جدید اور اس کی سیہ کاریوں کی، تو سچ تو یہ ہے کہ اس کے اولین معمار قدیم یونانی تہذیب میں عورت کے خلاف سنگ دلانہ اصول معاشرت میں نرمی پیدا کرنے اور معاشرے میں اسے ایک لائق مقام ومرتبہ دلانے کی نیت لے کر اٹھے تھے، مگر افسوس کہ اس تہذیب کی آبادکاری جن اصولوں کو سامنے رکھ کر انجام دی گئی اور جن نقاط کو اس کی ترقی کے اہم عوامل کی حیثیت سے اختیار کیا گیا، ان سب میں افراط کا پھر پوشیدہ تھا؛ چنانچہ رفتہ رفتہ اس مسخوں تہذیب کے سہارے عورت ذلت ورسوائی کے ٹھیک اسی مقام تک پہنچ گئی جو تہذیبِ یونان وروم اور قدیم مسیحی یورپ میں اس کا مقدر تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت کو ایک ممتاز شناخت دلانے، معاشرے میں اسے اس کے لائق قدر ومنزلت عطا کرنے، اسے عظمت وتکریم کا زریں تاج پہنانے اور اس کے تمام حقوق (خواہ خانگی ہوں یا سماجی، شخصی ہوں یا اجتماعی) بے کم وکاست بخشنے میں مکمل طور پر اگر قطعۂ عدل کو کوئی پار کرسکا ہے تو وہ صرف "مذہب اسلام" ہے اور آج بھی اگر انسانی سماج کی سب سے ذلیل، فریب خوردہ، شیاطین الانس کی زیاں کاریوں کی شکار اور گرگھائے انسان نما کی فریب دہی وبہیمیت کا تختۂ مشق بننے والی معصوم صنفِ نازک کو اس کا کھویا ہوا "وقار"، اس کی گمشدہ "عزت"، اس کی سلب کردہ "قدر ومنزلت" اور سعادت اگر مل سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف "اسلام" کی آغوشِ رحمت میں۔

مرد اور عورت کی یکساں صلاحیتیں

رضی الدین سید

گزشتہ دنوں کراچی کی ایک مقامی یونیورسٹی کے شعبۂ بزم ادب کے تحت خواتین سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے ایک نامور شاعر حکیم انصاری نے ایک نکتہ یہ ارشاد فرمایا کہ "قدرت نے مرد اور عورت میں صلاحیت وقابلیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فرق "نیچر" کا نہیں بلکہ "کلچر" کا ہے، جس کے باعث کلچر نے خواتین کا استحصال کیا اور وہ مقابلے میں پیچھے رہ گئیں۔"

خواتین کے بارے میں یہ وہ تصور ہے جو مرد وخواتین میں بہت عام ہے، اس تصور کی بنیاد پر مرد وخواتین سے ہمدردی جتاتے اور خواتین مردوں کو اپنا استحصال کنندہ بتاتی ہیں، حالانکہ صلاحیت وقابلیت کے اعتبار سے مرد وخواتین کا یکساں ہونا ایک بالکل غیر فطری بات ہے، جس کا حقیقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے، محترم شاعر نے اسے "نیچر" کا نہیں بلکہ "کلچر" کا فرق بتایا تھا لیکن حقیقی صورت حال یہ ہے کہ یہ فرق "کلچر" کا نہیں بلکہ خود "نیچر" کا ہے، یہ قدرت (اللہ تعالیٰ) ہی ہے جس نے مرد اور عورت میں صلاحیت وقابلیت کے اعتبار سے بہت بڑا فرق رکھا ہے، اگر عورت کی صلاحیت بھی اتنی ہی ہوتی جتنی مرد کی ہے تو وہ تاریخ کے کسی دور میں تو مردوں سے آگے بڑھی ہوئی نظر آتی اور اگر زندگی کے تمام شعبوں میں نہیں تو کسی شعبے میں تو اسے آگے ہونا ہی چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر ہم خدانخواستہ خواتین کی کوئی توہین نہیں کررہے ہیں کیونکہ "قدرت" ہمیں کسی مخصوص صنف کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دیتی۔ البتہ اس طرح کا بیان صرف حقیقت واقعہ کا اظہار ہے۔

ہند پاک کی سات آٹھ سو سالہ سیاسی تاریخ میں صرف ایک ہی خاتون شخصیت بادشاہت کے مقام پر فائز نظر آتی ہے جو ایک اچھی سپہ سالار بھی تھی، ہماری مراد رضیہ سلطانہ سے ہے، یا پھر آج کے دور میں ایک طرف حسینہ واجد اور دوسری جانب بے نظیر بھٹو نظر آتی ہیں جنہیں کچھ عرصے کے لئے وزارت عظمیٰ نصیب ہوئی تھی، باقی تو آٹھ سو سالہ پوری تاریخ میں بیسیوں مرد بادشاہی راج کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مسلم سوسائٹی کی تو خیر بات چھوڑیے، جہاں شریعت کی پابندیوں نے مرد وخاتون کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے (اور اسی باعث داستانوں اور حکمرانوں کو سخت غم وغصہ بھی ہے) یہاں محض جبراً ہی نہیں بلکہ خواتین نے مذہبی بنیادوں پر رضاکارانہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ کرنے سے پہلوتہی کی ہے، ہم تو ان مغربی آزاد معاشروں کی بات کرتے ہیں جنہوں نے از خود "عورت کے یکساں مقام" کی پرزور تحریک شروع کی اور جہاں آج تک عورتوں کو صلاحیتوں کی بنیاد پر آگے بڑھنے میں کہیں کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ ان حوصلہ افزا معاشروں میں بھی خواتین آج تک کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کرسکی ہیں، پوری مغربی سیاسی تاریخ میں اب تک کوئی عورت صدر یا وزیراعظم کا منصب حاصل نہیں کرسکی ہے خواہ وہ برش، پلیٹر، چرچل اور ابراہام لنکن سے زیادہ ہی باصلاحیت کیوں نہ پائی گئی ہو، حالیہ دور کی اکا کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مثالیں استثنائی صورت حال ہیں اور استثنائی صورت حال کی بنیاد پر کلیات اور قوانین نہیں بنا کرتے مغرب کے فکری محاذ کو دیکھ لیں یا تعلیمی و کھیل کے میدان، ہمیں ان میں خواتین کا کوئی نمایاں نام نظر نہیں آتا، بالفرض اگر ہم تصور کر لیں کہ کسی مغربی ملک یا نیٹو کی فوجی کمان کسی خاتون جنرل کے ہاتھ میں ہے تو غالباً دنیا کا ہر سمجھدار فرد میدان جنگ کے انجام سے پیشگی باخبر ہو سکتا ہے۔ مسلم دنیا کی تو بات ہی علیحدہ ہے، کیونکہ یہاں علماء کو خواتین کے حقوق کا دشمن قرار دیتے ہوئے بات ہی مسترد کر دی جاتی ہے، لیکن آخر مغربی دنیا ان کا استحصال کیوں کر رہی ہے؟ وہ لوگ آخر عقل و خرد سے عاری نہیں ہیں کہ اپنی افواج اور اپنے ملک کی قیادت سے خواتین کو محروم رکھتے ہیں، ان کا سوچا سمجھا خیال ہے کہ عورت متذکرہ بالا کاموں کے لئے پیدا ہی نہیں کی گئی ہے، اس کی فطرت کو کمان داری، فرماں روائی اور صبر آزما امور کی انجام دہی سے کوئی بہت اعلیٰ مناسبت نہیں ہے، ماہرین جینیات نے لاتعداد مرتبہ اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مرد و خواتین کی جسمانی ساخت میں بہت واضح فرق پایا جاتا ہے، خواتین نہ تو کوئی دور اندیش فیصلے کر سکتی ہیں اور نہ نازک صورت حال میں کوئی بروقت (Timely) اور درست (Proper) فیصلے کر سکتی ہیں، اس کی جسمانی و ذہنی ساخت "قدرت" نے کچھ ایسی بنائی ہے کہ نہ تو وہ کوئی مشقت کا کام کر سکتی ہے اور نہ وہ شفقت، نرم دلی اور متاثر ہو جانے والی خصوصیات سے خود کو بچا سکتی ہے، ظاہر ہے کہ دنیا کا نظام چلانے کے لئے یہ تمام خوبیاں منفی اہمیت رکھتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دنیا بڑی سخت جان اور بہت بے رحم ہے، لہٰذا اس کی کشتی کو کھینے کے لئے سخت جان اور مضبوط دل والے افراد ہی درکار ہیں، دنیا کا نظام چلانا کارِ مردانگی ہے، کارِ زنانہ نہیں، ہم اپنے گھروں کو ہی دیکھ لیں، اگر ان میں مرد کا عمل دخل نہ ہو اور انہیں صرف خواتین ہی سنبھالیں تو ایسے گھروں کا انجام بھی ہمیں معلوم ہے! اس گھر کی کوئی چیز درست حالت میں ساری زندگی کے لئے باقی نہیں رہ سکتی۔

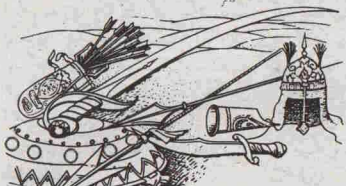
کیا ہمارے دانشوروں اور بااقتدار افراد کو اس امر پر کوئی رحم نہیں آتا کہ ایک خاتون نو ماہ تک پیٹ میں حمل بھی لئے پھرے، بچے کی جانکسل پیدائش کے مرحلے سے بھی گزرے، بچوں کو سنبھالے، گھر کے باورچی خانے کی مشقتوں سے بھی نبرد آزما ہو اور پھر امورِ مملکت بھی چلائے، مزدور یونین کی قیادت بھی سنبھالے، سربراہی ریاست کا کٹھن بھرا وظیفہ بھی انجام دے، ہر رات کسی کانفرنس کی صدارت بھی سنبھالے، افواج مملکت کی کمان داری بھی کرے، چمچوں اور چوکوں سے مخالف کھلاڑیوں کی سانسیں بھی روک دے، بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ گھنٹوں کی ہوابازی کی خدمات بھی انجام دے اور رائج اور سستی بن کر عمارتوں کی تعمیرات بھی کرے!

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی دوہری خدمات انجام دینا عورت کے ساتھ انصاف ہے؟ اس کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا اعتراف اور اس کے آئینی حقوق کی پاس داری ہے؟ بلکہ کون کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی آوازیں بلند کرنے والے خواتین کے ہمدرد اور دوست بھی ہیں!

یہ تو خواتین اور مرد کے فرق کی بات ہے، یہاں تو خود مرد اور مرد کی فطری صلاحیتوں میں بھی فرق ہوتا ہے، پنجاب اور سرحد ہمارے بازوئے شمشیر زن کہلاتے ہیں جبکہ دوسرے علاقوں کے مردوں میں اللہ نے یہ صلاحیت بہت کم رکھی ہے، ہمارے شمالی علاقوں کے مرد اپنی جفاکشی کی صفت کی بنیاد پر پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں، لیکن افسوس کہ کسی اور علاقے کے مردوں میں یہ صفت نام کو بھی نہیں پائی جاتی، دلی، لکھنؤ اور پوبی کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے دماغی صلاحیت دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ رکھی ہے، غرض صلاحیتوں اور قابلیتوں میں یہ وسیع فرق تو مردوں اور مردوں میں بھی پایا جاتا ہے تو پھر بھلا مرد اور عورت میں یہ فرق آخر کیوں؟

☆.....☆.....☆

داستان مجاہد



نسیم حجازی

اردو ادب میں "نسیم حجازی" (۱۹۱۴ء تا ۱۹۹۶ء) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کا شمار بیسویں صدی کے مشہور و ممتاز ناول نگاروں میں ہوتا ہے، آپ کے ناولوں کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ناول مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ پر مبنی ہیں، جنہوں نے اردو خواں طبقے کی کئی نسلوں پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں، آپ صرف تاریخی واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بل کہ حالات کی ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ قاری خود کو کہانی کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ آپ کے مشہور ناولوں میں داستانِ مجاہد، محمد بن قاسم، قیصر و قنصری، قافلہ حجاز، شاہین، خاک و خون وغیرہ ہیں۔ قارئین حیا کی خدمت میں "نسیم حجازی" کا مشہور ناول "داستانِ مجاہد" پیش ہے، جو اسلامی تاریخ کے مختلف داستانوں اور واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ عبداللہ گھوڑا بھگائے جا رہا تھا، اس نے اپنے پیچھے ایک اور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا کہ ایک سوار اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آ رہا ہے، عبداللہ گھوڑا روک کر اپنے پیچھے آنے والے سوار کو غور سے دیکھنے لگا۔ پیچھے آنے والا سوار اپنا چہرہ خود میں چھپائے ہوئے تھا۔ عبداللہ کو اس کے متعلق تشویش ہوئی اور اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے عبداللہ کے اشارے کی کوئی پروا نہ کی اور بدستور گھوڑا دوڑاتا آگے نکل گیا۔ عبداللہ کو اور بھی تشویش ہوئی اور اس نے اپنا گھوڑا اس کے تعاقب میں چھوڑ دیا۔ عبداللہ کا گھوڑا تازہ دم تھا۔ اس لئے دوسرا شخص جو بظاہر ایک شہسوار معلوم ہوتا تھا، عبداللہ نے اس کے قریب پہنچ کر اپنا نیزہ بلند کیا اور کہا:

اگر تم دوست ہو تو ٹھہرو، اگر دشمن ہو تو مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ!

دوسرے سوار نے اپنا گھوڑا روک لیا۔

مجھے معاف کیجئے۔ عبداللہ نے کہا، میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ میرا ایک بھائی بالکل آپ کی طرح گھوڑے پر بیٹھا کرتا تھا اور گھوڑے کی باگ بھی بالکل آپ کی طرح پکڑا کرتا تھا۔ اس کا قد و قامت بھی بالکل آپ جیسا تھا۔ میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟

سوار خاموش رہا۔

آپ بولنا نہیں چاہتے؟..... میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کا نام کیا ہے؟

سوار پھر خاموش رہا۔

معاف کیجئے، اگر آپ کسی صدمہ کی وجہ سے بولنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں چاہتے تو آپ کو کم از کم اپنی شکل دکھانے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اگر آپ کسی ملک کے جاسوس ہیں تو بھی میں آپ کو دیکھے بغیر آگے نہ جانے دوں گا۔ عبداللہ نے یہ کہہ کر اپنا گھوڑا اجنبی کے گھوڑے کے قریب کیا اور اچانک نیزے کی نوک سے اجنبی کا خود اتار دیا۔ اجنبی کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی عبداللہ نے بے اختیار ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ نعیم! نعیم کہا، نعیم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

دونوں بھائی گھوڑوں سے اترے اور ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

بہت بے وقوف ہو تم، عبداللہ نے نعیم کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ کم بخت اتنی خودداری؟ اور یہ خود داری بھی تو نہ تھی، تم نے تھوڑی بہت عقل سے کام لیا ہوتا اور یہ سوچا ہوتا کہ گھر میں والدہ انتظار کر رہی ہوں گی، تمہارا بھائی تمہیں دنیا بھر میں تلاش کرتا پھرتا ہوگا اور عذرا بھی ہر روز بستی کے اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھ کر تمہاری راہ دیکھتی ہوگی لیکن تم نے کسی کی پروا نہ کی، خدا جانے کہاں روپوش رہے، نعیم! تم نے یہ کیا کیا؟

نعیم کوئی جواب دینے کے بجائے بھائی کے سامنے خاموش کھڑا تھا، اس کی آنکھیں اس کے دل کی کیفیت کی آئینہ دار تھیں، عبداللہ اس کی خاموشی سے متاثر ہوا، نعیم کو ایک بار پھر سینے سے لگا لیا اور کہا، تم بولتے نہیں، تم مجھ سے اتنے ہی متنفر تھے کہ منہ چھپا کر میرے قریب سے گزر گئے، نعیم! خدا کے لئے منہ سے کچھ بولو! تم کہاں سے آئے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟ میں نے سندھ جا کر تمہاری تلاش کی لیکن وہاں سے بھی تمہارا پتہ نہ چلا، تم گھر کیوں نہ پہنچے؟

نعیم نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا، بھائی خدا کو میرا گھر پہنچنا منظور نہ تھا۔

آخر تم رہے کہاں؟ عبداللہ نے پوچھا۔

نعیم نے اس کے جواب میں اپنی سرگزشت مختصر طور پر بیان کی لیکن اس میں اس نے زلیخا کا تذکرہ نہ کیا اور نہ یہ بتایا کہ وہ گزشتہ رات گھر کی چار دیواری کے باہر کھڑا تھا، جب نعیم نے اپنی سرگزشت ختم کی تو دونوں بھائی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

عبداللہ نے پوچھا، تم قید سے رہا ہونے کے بعد گھر کیوں نہ آئے؟

نعیم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا، اس نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔

اب گھر جانے کی بجائے کہاں جا رہے ہو؟ عبداللہ نے سوال کیا۔

بھائی میں ابن صادق کو گرفتار کرنے کے لئے بصرہ سے کچھ سپاہی لینے جا رہا ہوں۔

عبداللہ نے کہا، میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اور امید ہے کہ تم جھوٹ نہ بولو گے۔

پوچھئے!

تم یہ بتاؤ کہ قید سے رہا ہونے کے بعد تمہیں کسی نے بتایا تھا کہ عذرا کی شادی ہونے والی ہے؟

نعیم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ عذرا کی شادی میرے ساتھ ہو چکی ہے؟

ہاں! میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔

تم بستی سے ہو کر آئے ہو؟ عبداللہ نے پوچھا۔

ہاں، نعیم نے جواب دیا۔

گھر گئے تھے؟

نہیں!

کیوں؟..... اسی خیال سے کہ میں نے تم پر ظلم کیا ہے؟

نعیم بولا:

آپ کا خیال غلط ہے۔ میں اس لئے گھر نہیں گیا کہ میں آپ پر اور عذرا پر ظلم نہیں کرنا چاہتا تھا، مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے گھر آنے کے متعلق مایوس ہو چکے تھے

اور آپ نے محسوس کیا کہ عذرا دنیا میں اکیلی ہے اور اسے آپ کی ضرورت ہے، گھر جا کر پھر ایک بار پرانے زخموں کو تازہ کر کے عذرا کی زندگی کو تلخ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ فطرت کے اشارات مجھ پر کئی بار ظاہر کر چکے تھے کہ عذرا میرے لئے نہیں، تقدیر آپ کو اس امانت کا محافظ منتخب کر چکی ہے۔ میں تقدیر کے خلاف جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بھائی میں خوش ہوں، بے حد خوش ہوں، کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ عذرا آپ کو اور آپ عذرا کو خوش رکھ سکیں گے اور آپ دونوں کی خوشی سے زیادہ مجھے کسی چیز کی تمنا نہیں، آپ مجھ پر اور عذرا پر ایک احسان کریں اور وہ یہ ہے کہ آپ عذرا کے دل میں کبھی یہ خیال نہ آنے دیں کہ میں زندہ ہوں، آپ اسے یہ نہ بتائیں کہ میں آپ کو ملا تھا۔

نعیم تم مجھ سے کیا چھپانا چاہتے ہو؟ یہ کوئی ایسا معمہ نہیں جسے میں نہ سمجھ سکوں۔ تمہاری آنکھیں تمہاری شکل و صورت اور تمہارا لب و لہجہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ تم ایک زبردست بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہو، عذرا نے میرا دل رکھنے کے لئے یہ قربانی دی ہے اور وہ بھی اس خیال سے کہ شاید.....!

کہ شاید میں مر چکا ہوں، نعیم نے کہا۔

اُف نعیم!! مجھے شرمسار نہ کرو، میں نے تمہیں بہت تلاش کیا لیکن.....!

خدا کو یہی منظور تھا، نعیم نے عبداللہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

نعیم! نعیم تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں..... عبداللہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، وہ بھائی کے سامنے ایک بے گناہ مجرم کی طرح کھڑا تھا۔

نعیم نے کہا، بھائی تم ایک معمولی بات کو اس قدر اہمیت کیوں دے رہے ہو؟

عبداللہ نے جواب دیا، کاش یہ ایک معمولی بات ہوتی، نعیم یہ والدہ کی وصیت تھی کہ عذرا کو اکیلی نہ چھوڑنا، لیکن وہ تمہیں بھولی نہیں، وہ تمہاری ہے، میں تمہاری اور عذرا کی خوشی کے لئے اسے طلاق دے دوں گا، تم دونوں کے اجزے ہوئے گھر کو بسا کر جو اطمینان مجھے حاصل ہوگا، وہ میں ہی جانتا ہوں۔

بھائی خدا کے لئے ایسا نہ کہو، ایسا کرنے سے ہم تینوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی، میں خود اپنی نظروں میں پست ہو جاؤں گا، ہمیں اب تقدیر پر شاکر رہنا چاہئے۔

لیکن میرا ضمیر مجھے کیا کہے گا؟

نعیم نے اپنے چہرے پر ایک تسلی آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا:

آپ کی شادی میں میری مرضی بھی شامل تھی۔

تمہاری مرضی، وہ کیسے؟

گزشتہ رات میں وہیں تھا۔

کس وقت؟

آپ کے نکاح سے کچھ دیر پہلے میں نے مکان سے باہر نکل کر تمام حالات معلوم کر لئے تھے۔

تم گھر کیوں نہ آئے؟

نعیم خاموش رہا۔

اس لئے کہ تم خود غرض بھائی کا منہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے؟

نہیں، واللہ اس لئے نہیں بلکہ میں اپنے بے غرض بھائی کے سامنے اپنی خود غرضی کا اظہار کرنا کم طرفی سمجھتا تھا، آپ کا سکھایا ہوا ایک سبق میرے دل پر نقش تھا۔

میرا سبق؟

ہاں، مجھے آپ یہ سبق دے چکے تھے کہ وہ انس جو ایثار کے جذبے سے خالی ہو، محبت کہلانے کا مستحق نہیں۔

میں حیران ہوں کہ تمہاری طبیعت میں یہ انقلاب کیونکر آ گیا، سچ بتاؤ کہ تمہارے دل سے عذرا کی جگہ کسی اور تصور نے تو نہیں چھین لی، اگر چہ مجھے یہ شبہ نہیں لیکن عذرا شروع شروع میں والدہ سے ایسے شکوک ظاہر کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتی تھی، مجھے یقین تھا کہ جہاد کے لئے ایک غیر معمولی جذبہ تمہیں سندھ کی طرف لے اڑا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی یہ شک ہوتا تھا کہ تم جان بوجھ کر شاید شادی سے پہلوہی کرنا چاہتے تھے، اگر تمہارے گھر نہ آنے کی وجہ یہ تھی تو مجھ تم نے اچھا نہیں کیا!

نعیم خاموش رہا، وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا جواب دے، اس کی آنکھوں کے سامنے بچپن کا وہ واقعہ پھر رہا تھا جب وہ عذرا کو پانی میں لے کود اتھا اور عبداللہ نے اس کی خاطر ایک ناکردہ خطا کا بوجھ اپنے سر لے کر اسے سزا سے بچالیا تھا۔ وہ بھی ایک نہ کئے ہوئے جرم کا اقرار کر کے بھائی کو ایک گونہ اطمینان دلا سکتا تھا۔

نعیم کی خاموشی سے عبداللہ کے شکوک اور پختہ ہو گئے۔ اس نے نعیم کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ بتاؤ نعیم!

نعیم نے چونک کر عبداللہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی، مسکرایا اور کہا:

ہاں بھائی! میں اپنے دل میں کسی اور کو جگہ دے چکا ہوں۔

عبداللہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا، اب مجھے بتاؤ تم اس سے شادی کر چکے ہو یا نہیں؟

نہیں!

اس معاملے میں کوئی مشکل حائل ہے؟

نہیں!

شادی کب کرو گے؟

عنقریب!

گھر کب جاؤ گے؟

ابن صادق کی گرفتاری کے بعد۔

اچھا میں زیادہ نہیں پوچھتا، اگر مجھے بہت جلد اندلس پہنچ جانے کا حکم نہ ہوتا تو تمہاری شادی دیکھ کر جاتا، واپس آنے تک یہ توقع رکھوں کہ تم ابن صادق کو گرفتار کرنے کے بعد گھر پہنچ جاؤ گے؟

ان شاءاللہ!

دونوں بھائی ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ نعیم بظاہر عبداللہ کی شکل کر چکا تھا لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا، وہ عبداللہ کے مزید سوالات سے گھبراتا تھا، وہ تمام راستہ بھائی سے اندلس کے حالات کے متعلق سوالات کرتا رہا، کوئی دو کوس فاصلے طے کرنے کے بعد ایک چوراہے سے ان دونوں کے راستے جدا ہونے تھے، اس چوراہے کے قریب پہنچ کر نعیم نے مصافحہ کرنے کی نیت سے اپنا ہاتھ عبداللہ کی طرف بڑھایا اور اجازت طلب کی۔

عبداللہ نے نعیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔ نعیم تم نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے یا میرا دل رکھنے کی باتیں تھیں؟

آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟

مجھے تم پر اعتبار ہے؟

اچھا خدا حافظ! عبداللہ نے نعیم کا ہاتھ چھوڑ دیا، نعیم نے ایک لحہ کے بغیر گھوڑے کی باگ موڑی اور سرپٹ دوڑا دیا، جب تک اس کے گھوڑے کی آخری جھلک نظر آتی رہی، عبداللہ وہیں کھڑا اس کی باتوں پر غور کرتا رہا اور جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا تو اس نے ہاتھ پھیلا کر دعا کی۔ ”اے جزا و سزا کے مالک! اگر تجھے منظور تھا کہ عذرا میری رفیق حیات بنے تو مجھے تیری تقدیر سے شکایت نہیں، اے مولیٰ! جو کچھ نعیم نے کہا ہے وہ سچ ہو، اگر اس کی باتیں سچی نہ بھی تھیں تو بھی انہیں سچا کر دکھا، اسے چاہنے والی ایسی ہو کہ وہ عذرا کو بھول جائے، اے رحیم! اس کے دل کی اجڑی ہوئی بستی کو ایک بار پھر آباد کر دے، اگر میری کوئی نیکی تیری رحمت کی حق دار ہے تو اس کے عوض نعیم کو دنیا اور آخرت میں مالا مال کر دے۔“

نعیم کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی ابن صادق گرفتار کرنے کی کوشش ہو رہی تھی لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا، نعیم نے والی بصرہ سے ملاقات کی، اپنی سرگزشت سنائی اور واپس سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

والی بصرہ نے نعیم کے زندہ واپس آجانے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سندھ کی فتح کے لئے اب صرف محمد بن قاسمؒ کافی ہے، وہ ایک طوفان کی طرح راجوں اور مہاراجوں کی بڑی دل افواج کو روندتا ہوا سندھ کے طول و عرض میں اسلامی جھنڈے نصب کر رہا ہے، اب ترکستان کے وسیع ملک کی پوری تسخیر کے لئے جانباز سپاہیوں کی ضرورت ہے، قتیبہ نے بخارا پر حملہ کیا ہے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی، کوفہ اور بصرہ سے مزید افواج جا رہی ہے، پرسوں اس جگہ سے پانچ سو سپاہی روانہ ہوئے ہیں، اگر آپ کوشش کریں تو انہیں راستے میں مل سکتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ سندھ میں محمد بن قاسمؒ آپ کا دوست ہے لیکن قتیبہ بن مسلم جیسا جرنیل بھی مردم شناسی کے جوہر سے خالی نہیں، وہ آپ کی بہت قدر کرے گا، میں اس کے نام خط لکھ دیتا ہوں۔

نعیم نے بے پروائی سے جواب دیا، میں جہاد پر اس لئے نہیں جا رہا کہ کوئی میری قدر کرے میرا مقصد خدا کا حکم بجالانا ہے، میں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، آپ ابن صادق کا خیال رکھیں، اس کا وجود اس دنیا کے لئے بہت خطرناک ہے۔ مجھے معلوم ہے، میں اس کا خاتمہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، دربار خلافت سے اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا، اس کی طرف سے آپ بھی ہوشیار رہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ترکستان کی طرف بھاگ گیا ہو!

نعیم بصرہ سے رخصت ہوا، وہ زندگی کے غیر معمولی حادثات سے دوچار ہو چکا تھا لیکن مجاہد کے گھوڑے کی رفتار وہی تھی اور شوق شہادت بھی وہی تھا۔

☆.....☆.....☆

محمد بن قاسمؒ کے سندھ پر حملہ آور ہونے سے کچھ عرصہ پہلے قتیبہ بن مسلم باہلی نے دریائے جیحوں کو عبور کر کے ترکستان کی بعض ریاستوں پر حملہ کیا اور چند فتوحات کے بعد کچھ فوج اور سامان کی قلت اور کچھ جاڑے کی شدت کی وجہ سے مرو میں واپس آ کر قیام کیا، گرمیوں کا موسم آنے پر اس نے پھر اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ دریائے جیحوں کو عبور کیا اور چند علاقے فتح کر لئے۔

قتیبہ بن مسلم ہر سال گرمیوں کے موسم میں ترکستان کا کچھ حصہ فتح کر لیتا اور سرد یوں میں واپس مرو آجاتا، ۷۵ھ میں اس نے ترکستان کے ایک مشہور شہر بیکند پر حملہ کیا، اہل ترکستان ہزاروں تعداد میں شہر کی حفاظت کے لئے جمع ہوئے۔ قتیبہ نے فوج اور سامان کی قلت کے باوجود اطمینان اور استقلال سے شہر کا محاصرہ جاری رکھا، دو ماہ کے بعد شہر والوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

بیکند کی فتح کے بعد قتیبہ نے باقاعدہ طور پر ترکستان کی تسخیر شروع کر دی، ۸۸ھ میں سعد کے لشکر جرار کے ساتھ ایک خونریز جنگ ہوئی، اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد قتیبہ ترکستان کی چند اور ریاستوں کو فتح کرتا ہوا بخارا کی چار دیواری تک جا پہنچا، سردیوں کے موسم میں بے سروسامان فوج زیادہ دیر تک محاصرہ جاری نہ رکھ سکی، قتیبہ ناکام لوٹنے پر مجبور ہوا مگر ہمت نہ ہاری اور چند مہینوں کے بعد پھر بخارا کا محاصرہ کر لیا، اس محاصرے کے دوران میں نعیم بصرہ کے پانچ سو سواروں کے ہمراہ قتیبہ کی فوج میں شامل ہو چکا تھا اور چند دنوں میں بہادر اور جانباز جرنیل کا بے تکلف دوست بن چکا تھا۔

بخارا کے محاصرے کے دوران میں قتیبہ کو سخت مشکلات پیش آئیں، سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ وہ مرکز سے بہت دور تھا، ضرورت کے وقت رسد اور فوجی امداد کا بروقت پہنچنا آسان نہ تھا، شاہ بخارا کی حمایت کے لئے ترکوں اور سعد یوں کی بے شمار فوجیں اکٹھی ہو گئیں، مسلمان لشکر کی فصیل پر منجنیق کے ذریعے سے پتھر پھینک رہے تھے اور آخری حملہ کرنے کو تیار تھے کہ عقب سے ترکوں کا ایک لشکر جرار آتا دکھائی دیا، مسلمان، شہر کا خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوڑ کر لشکر کی طرف متوجہ ہوئے اور ابھی پاؤں جمانے نہیں پائے تھے کہ شہر والوں نے شہر پناہ سے باہر نکل کر حملہ کر دیا، مسلمان دونوں فوجوں کے نرغے میں آگئے، ایک طرف سے بیرونی حملہ آور سر پر پہنچ چکے تھے اور دوسری طرف شہر کی فوجیں تیر برسا رہی تھیں، مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، جب ان کے پاؤں اکھڑنے لگے تو عرب عورتوں نے انہیں بھاگنے سے روکا، غیرت دلائی اور مسلمان پھر جان توڑ کر لڑنے لگے، لیکن ان کی تعداد آنے میں نمک کے برابر تھی، ترک دونوں طرف قلب لشکر تک چڑھ آئے اور قریب تھا کہ حرم تک بھی پہنچ جائیں مگر شجاعانِ عرب آج بھی اپنے آباؤ اجداد کی روایات زندہ کر رہے تھے، ان کا اٹھ اٹھ کر گرنا اور گر گر کر اٹھنا قادسیہ اور یرموک کی یاد تازہ کر رہا تھا، اس طوفان پر غالب آنے کے لئے قتیبہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ فوج کا کچھ حصہ میدان سے کھسک جائے اور دوسری طرف سے شہر پناہ عبور کر کے شہر کے اندر داخل ہو جائے لیکن راستے میں ایک گہری ندی حائل تھی، جو شہر پناہ کی حفاظت کے لئے خندق کا کام دیتی تھی، قتیبہ ابھی تک اس تجویز پر غور کر رہا تھا کہ نعیم گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے قریب آیا، اس نے بھی یہی مشورہ دیا۔

قتیبہ نے کہا، میں پہلے ہی اس تجویز پر غور کر رہا ہوں، لیکن کون ہے جو اس قربانی کے لئے تیار ہے؟

میں جاتا ہوں! نعیم نے جواب دیا، مجھے چند سپاہی دیجئے۔

قتیبہ نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا، وہ کون جانباز ہے جو اس نوجوان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے؟

اس سوال پر وقیع اور حریم دو تمیم سرداروں نے ہاتھ بلند کئے، ان کے ساتھ ان کی جماعت کے آٹھ سو سرفروش شامل ہو گئے، نعیم ان جانفروشوں کے گروہ کے ساتھ لشکر کی صفوں سے اپنا راستہ صاف کرتا ہوا میدان سے باہر نکلا اور ایک لمبا سا چکر کاٹ کر شہر کی شمال مغربی جانب جا پہنچا، اس کی دائیں بائیں بھی سوار تھے، شہر کی فصیل اور ان کے درمیان خندق نما ندی کے کنارے کھڑے رہے، اس کی چوڑائی اور گہرائی کا جائزہ لیا، گھوڑوں سے اترے اور اللہ اکبر کہہ کر پانی میں کود پڑے، فصیل کے اندر ایک بہت بڑا درخت جس کا ایک تنا فصیل کے اوپر سے ہوتا ہوا خندق کی طرف جھکا ہوا تھا، نعیم نے دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس تنے پر کمند ڈالی اور درخت پر چڑھ کر فصیل کے اوپر جا پہنچا اور وہاں سے رسی کی سیڑھی پھینک دی، وقیع اور حریم اس سیڑھی کے سہارے فصیل پر پہنچے اور چند سیڑھیاں پھینک دیں، اس طرف ندی کے دوسرے کنارے سے مجاہدین باری باری خندق عبور کر کے فصیل پر چڑھنے لگے، قریباً سو آدمی فصیل پر چڑھ چکے تھے کہ نعیم کو خلاف توقع شہر کے اندر پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ گشت لگاتا ہوا دکھائی دیا، نعیم نے ۵۰ سپاہیوں کو وہیں رہنے دیا اور ۵۰ کو اپنے ساتھ لے کر شہر کی طرف اترا اور ایک وسیع بازار میں پہنچ کر ان کے مقابلے کے لئے کھڑا ہو گیا اور ایک ساعت تک انہیں روکے رکھا، اتنے میں مسلمانوں کی بیشتر فوج فصیل عبور کر کے شہر کے اندر داخل ہو گئی اور ترک سپاہیوں کو ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی، نعیم نے اپنے چند ساتھیوں کو شہر کے تمام دروازوں پر قبضہ کر لینے کا حکم دیا اور جا بجا اسلام پرچم نصب کرا دیئے اور خود باقی سپاہیوں کے ساتھ شہر کے بڑے دروازے کی طرف بڑھا، وہاں چند پہرے داروں کو موت کے گھاٹ اتار کر خندق کا پل اوپر اٹھا دیا۔

ترک افواج شہر پر مسلمانوں کے قبضے سے بے خبر تھیں اور فتح کی امید میں جان توڑ کر لڑ رہی تھیں، نعیم نے مسلمان مجاہدوں کو فصیل پر چڑھ کر ترکوں پر تیر برسانے کا حکم دیا، شہر کی طرف سے تیروں کی بارش نے ترکوں کو بدحواس کر دیا، انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو شہر پر مسلمان تیر انداز اور اسلامی پرچم لہراتے ہوئے نظر آئے۔

ادھر قتیبہ نے یہ منظر دیکھ کر سخت حملے کا حکم دیا، ترکوں کی اب وہی حالت تھی جو کچھ دیر پہلے مسلمانوں کی تھی، شکست کھانے کی صورت میں انہیں شہر کی مضبوط دیواروں کی پناہ کا بھروسہ تھا، لیکن اب اس طرف بھی موت کی بھیانک تصویر نظر آتی تھی، آگے بڑھنے والوں کے سامنے مسلمانوں کی خار اشگاف تلواریں تھیں اور پیچھے ہٹنے والوں کے دلوں میں ان کے جگر دوز تیروں کا خوف تھا، وہ جان بچانے کے لئے دائیں اور بائیں فرار ہونے لگے اور سینکڑوں بدحواسی کے عالم میں خندق میں کود پڑے۔

اس معصیت کو ختم کر کے مسلمان عقب سے حملہ کرنے والی فوج کی طرف متوجہ ہوئے، وہ پہلے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ کر ہمت ہار چکی تھی، مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر ان میں سے اکثر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض نے ہتھیار ڈال دیئے۔

قتیبہ بن مسلم میدان خالی دیکھ کر آگے بڑھا، شہر کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اترا اور بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گیا، نعیم نے اندر سے خندق کا پل ڈال دینے کا حکم دیا اور وقیع اور حریم کو ساتھ لے کر بہادر سپہ سالار کے استقبال کے لئے آگے بڑھا، قتیبہ بن مسلم فرطِ انبساط سے ان تینوں مجاہدوں کے ساتھ باری باری بغل گیر ہوا۔

زخمیوں کی مرہم پٹی اور شہدا کی تجہیز و تکفین کے بعد مال غنیمت اکٹھا کیا گیا اور ان کا پانچواں حصہ بیت المال میں روانہ کر کے باقی فوج میں تقسیم کیا گیا۔

بخارا کی فتح کے بعد قتیبہ بن مسلم کے ساتھ ساتھ نعیم کے نام کا بھی چرچا ہونے لگا۔

اس کے دل کے پرانے زخم آہستہ آہستہ مٹ چکے تھے اور اس کے بلند منصوبے لطیف خیالات کو شکست دے چکے تھے، ان حالات میں اس کے لئے تلوار کی جھنکار اس لطیف کی سہانی راگنی سے زیادہ دلکش ہوتی گئی اور بھائی اور عذرا کی خوشی کا تصور اپنی خوشی سے زیادہ محبوب نظر آنے لگا، اس کی دعائیں زیادہ تر ان ہی کے لئے ہوتیں۔

جب کبھی تھوڑی دیر فرصت ملتے پر اسے سوچنے کا موقع ملتا تو اسے خیال آتا:

''شاید بھائی نے عذرا کو بتا دیا ہوگا کہ میں زندہ ہوں، شاید وہ اس وقت میرے متعلق باتیں کرتے ہوں گے، عذرا کو شاید یقین آ گیا ہو کہ میں کسی اور پر فدا ہو چکا ہوں، وہ مجھے دل میں کوستی ہوگی، اب شاید مجھے بھول گئی ہو، ہاں مجھے بھول جانا ہی اچھا ہے، ان خیالات کا خاتمہ پرخلوص دعاؤں کے ساتھ ہوتا۔''

تین سال اور گزر گئے، قتیبہ کی افواج فتح و نصرت کے پرچم اڑاتی ہوئی ترکستان کی چاروں اطراف میں پھیل رہی تھیں۔ نعیم ایک غیر معمولی شہرت کا مالک بن چکا تھا، قتیبہ نے ایک خط دربارِ خلافت میں لکھتے ہوئے نعیم کے متعلق تحریر میں لکھتا ہے کہ ''اس نوجوان پر اپنی فتوحات سے زیادہ ناز کرتا ہوں۔''

☆.....☆.....☆

۹۱ھ میں ترکستان کے بہت سے ممالک میں بغاوت کی آگ کے شعلے بلند ہوئے، اس آگ کو سلگا کر دور سے تماشا دیکھنے والا وہی ابن صادق تھا جس کی شخصیت سے ہم کئی بار متعارف ہو چکے ہیں، ابن صادق کو نعیم کے رہا ہو جانے کے بعد اپنی جان کی فکر دامن گیر ہوئی، قلعہ چھوڑ کر بھاگا، راستے میں بدنصیب قتیبی ملی لیکن اس نے بچاؤ کی قید پر موت کو ترجیح دی۔

ابن صادق کو اب اپنی جان کا خطرہ تھا، اس نے اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ ترکستان کا رخ کیا، وہاں پہنچ کر وہ اپنی منتشر جماعت کو منظم کرتا رہا اور کچھ تقویت حاصل کرنے کے بعد ترکستان کے شکست خوردہ شہزادوں کو مسلمانوں کے خلاف منظم کر کے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب دینے لگا۔

نزاق نامی ایک شخص ترکستان کے نہایت بااثر افراد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سے تھا، ابن صادق نے اس سے ملاقات کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا، نزاق پہلے ہی بغاوت پھیلانے کی کوشش کررہا تھا، اسے ابن صادق جیسے مشیر کی ضرورت تھی، فطرتاً دونوں ایک ہی جیسے تھے، نزاق کو ترکستان کا بادشاہ بننے کی ہوس تھی اور ابن صادق نہ صرف ترکستان بلکہ تمام اسلامی دنیا میں اپنے نام کی شہرت چاہتا تھا، نزاق نے وعدہ کیا کہ اگر وہ ترکستان پر قابض ہوگیا تو اسے اپنا وزیراعظم بنالے گا اور ابن صادق نے اسے کامیابی کی امید دلائی۔

ترکستان کے باشندے قتیبہ کے نام سے کانپتے تھے اور بغاوت کے نام سے گھبراتے تھے، لیکن ابن صادق کی چکنی چپڑی باتیں بے اثر ثابت نہ ہوئیں، وہ جس کے پاس جاتا یہ کہتا، تمہارا ملک تمہارے واسطے ہے، کسی غیر کا اس پر کوئی حق نہیں، ایک عقل مند کسی غیر کی حکومت گوارا نہیں کرسکتا، اب صادق اور نزاق کی کوششوں سے ترکستان کے بہت سے سرکردہ شہزادے اور سردار دریائے جیحوں کے کنارے ایک پرانے قلعہ میں اکٹھے ہوئے، اس اجتماع میں نزاق نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی، نزاق کی تقریر کے بعد ایک طویل بحث ہوئی اور اس بحث میں چند عمر رسیدہ سرداروں نے مسلمانوں کی پرامن حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے کی مخالفت کی، ابن صادق نے اس موقع کی نزاکت کو محسوس کیا اور نزاق کے کان میں کچھ کہا۔

نزاق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: ”عزیزانِ وطن! مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ میں اپنے اسلاف کا خون باقی نہیں، اس وقت ہمارا ایک معزز مہمان جسے آپ سے صرف اس لئے ہمدردی ہے کہ آپ غلام ہیں، آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔“ نزاق یہ کہہ کر بیٹھ گیا، ابن صادق نے اٹھ کر تقریر کی، اس تقریر میں پہلے تو اس نے مسلمانوں کے خلاف جس قدر نفرت کا اظہار کرسکتا تھا، کیا، اس کے بعد اس نے بتایا کہ حاکم کو قوم شروع شروع میں محکوم قوم کو غفلت کی نیند سلانے کے لئے تشدد سے کام نہیں لیتی، لیکن جب محکوم آرام کی زندگی کے عادی ہوکر بہادری کے جوہر سے محروم ہوجاتے ہیں تو حاکم بھی اپنا طرزِ عمل بدل لیتے ہیں، ابن صادق نے ترک سرداروں کو متاثر ہوتے دیکھ کر پرجوش آواز میں کہا، مسلمانوں کی موجودہ نرمی سے یہ نتیجہ نہ نکالو کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ عنقریب یہ لوگ تم پر ایسے مظالم توڑیں گے جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں، آپ حیران ہوں گے کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے میں بھی مسلمان تھا لیکن اب یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ ملک گیری کی ہوس میں دنیا بھر کی آزاد قوموں کو غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں، میں نے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلی ہے، آپ ان لوگوں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے، یہ لوگ دولت چاہتے ہیں اور عنقریب تم دیکھو گے کہ تمہارے ملک میں ایک کوڑی تک نہ چھوڑیں گے اور فقط یہی نہیں، تم یہ دیکھو گے کہ تمہاری بہوبیٹیاں شام اور عرب کے بازاروں میں فروخت ہوا کریں گی! ابن صادق کے ان الفاظ سے متاثر ہوکر تمام سردار ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ایک بوڑھے سردار نے اٹھ کر کہا، ہمیں تمہاری باتوں سے فساد کی بو آتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم خود بھی مسلمانوں کی غلامی کو برا خیال کرتے ہیں لیکن ہمیں اپنے دشمن کے متعلق بھی جھوٹی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے، یہ ایک بہتان ہے کہ مسلمان محکوم قوم کے عزت اور دولت کی حفاظت نہیں کرتے، میں نے ایران جاکر دیکھا ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کی حکومت میں اپنی حکومت سے زیادہ خوش ہیں، عزیزانِ وطن! ہمیں نزاق اور اس شخص کی باتوں میں آکر لومڑ کی چٹان کے ساتھ پھر ایک بار ٹکر لگانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اگر مجھے اس نئی جنگ میں فتح کی تھوڑی سی امید بھی نظر آتی تو میں سب سے پہلے بغاوت کا جھنڈا بلند کرتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہم اپنی بہادری کے باوجود اس قوم کا مقابلہ نہیں

کرسکتے، جس کے سامنے روما اور ایران جیسی طاقتوں کو سرنگوں ہونا پڑا، جس قوم کے عزم کے سامنے دریا اور سمندر سمٹ کر رہ جاتے ہوں اور آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ سرنگوں ہوجاتے ہوں تم اس قوم پر فتح حاصل کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ، میں مسلمانوں کی طرف داری نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس بغاوت کا انجام سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوسکتا ہے کہ ہماری رہی سہی طاقت بھی ختم ہوجائے گی، ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہوجائیں گی، نزاق قوم کے گلے پر چھری چلا کر اپنی شہرت چاہتا ہے اور اس شخص کو میں نہیں جانتا کہ کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

ابن صادق ایسے اعتراضات کا جواب پہلے ہی سوچ کر آیا تھا، اس نے ایک بار سامعین کو اپنی طرف متوجہ کیا اور تقریر شروع کی، وہ اس عمر رسیدہ سردار کے مقابلے میں بہت زیادہ خراٹ تھا، بجائے اس کے کہ وہ اشتعال میں آتا، اس نے چہرے پر ایک مصنوعی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے اس کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا، اس کی منطق کچھ ایسی تھی کہ بوڑھے سردار کے دلائل لوگوں کو کھوکھلے دہم نظر آنے لگے، تمام بڑے بڑے سردار اس کے الفاظ کے جادو میں آگئے اور جلسہ آزادی اور بغاوت کے بلند نعروں پر ختم ہوا۔

☆.....☆.....☆

قتیبہ بن مسلم کے خیمہ میں رات کے وقت چند شمعیں جل رہی تھیں اور ایک کونے میں آگ سلگ رہی تھی، قتیبہ خشک گھاس کے بستر پر بیٹھا ہوا ایک نقشہ دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر گہرے تفکرات کے آثار تھے، اس نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور وہاں سے اٹھ کر کچھ دیر ٹہلنے کے بعد خیمے کے دروازے میں کھڑا ہوگیا اور برف باری کا منظر دیکھنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد چند درختوں کے پیچھے سے ایک سوار نمودار ہوا، قتیبہ اسے پہچان کر چند قدم آگے بڑھا، سوار قتیبہ کو دیکھ کر گھوڑے سے اتر کر ایک پہرے دار نے گھوڑا پکڑ لیا۔

کیا خبر لائے نعیم؟ قتیبہ نے سوال کیا۔

نزاق نے ایک لاکھ سے زیادہ فوج اکٹھی کرلی ہے، ہمیں بہت جلد تیاری کرنی چاہئے!

قتیبہ اور نعیم باتیں کرتے ہوئے خیمہ میں داخل ہوئے، نعیم نے نقشہ اٹھایا اور قتیبہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھئے! سُنچ سے کوئی بچاس کوس شمال مشرق کی طرف نزاق اپنی فوجیں اکٹھی کررہا ہے، اس مقام کے جنوب کی طرف دریا ہے اور باقی تین طرف پہاڑ اور گھنے جنگل ہیں، برف باری کی وجہ سے راستہ بہت دشوار گزار ہے، لیکن ہمیں گرمیوں تک انتظار نہیں کرنا چاہئے، ترکوں کے حوصلے دن بدن بڑھ رہے ہیں، وہ مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کررہے ہیں، سرقند میں بغاوت کا خطرہ ہے!

قتیبہ نے کہا، ہمیں ایران سے آنے والی فوجوں کا انتظار کرنا چاہئے، ان کے پہنچ جانے پر ہم ضرور حملہ کردیں گے۔

قتیبہ اور نعیم یہ باتیں کررہے تھے کہ ایک سپاہی نے خیمے میں آکر کہا:

ایک ترک سردار آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

بلاؤ! قتیبہ نے کہا۔

سپاہی گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا سردار خیمے میں داخل ہوا، وہ پوستین اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے سر پر سمور کی ٹوپی تھی، اس نے جھک کر قتیبہ کو سلام کیا اور کہا:

شاید آپ مجھے پہچانتے ہوں، میرا نام نیزک ہے۔

میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، بیٹھئے!

نیزک قتیبہ کے سامنے بیٹھ گیا، قتیبہ نے آنے کی وجہ دریافت کی۔

نیزک نے کہا، میں آپ سے یہ کہنے کے لئے آیا ہوں کہ آپ ہماری قوم پر سختی نہ کریں، سختی؟ قتیبہ نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا، ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، انہوں نے مسلمان بچوں اور عورتوں کا خون بہانے سے بھی دریغ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کیا۔

لیکن وہ باغی نہیں ہیں، نیزک نے سنجیدگی سے جواب دیا، وہ بے وقوف ہیں۔

اس بغاوت کی تمام ذمہ داری آپ کے ایک مسلمان بھائی پر عائد ہوتی ہے۔

ہمارا بھائی! وہ کون ہے؟

ابن صادق، نیزک نے جواب دیا۔

نعیم جو اس وقت شمع کی روشنی میں نقشہ دیکھ رہا تھا، ابن صادق کا نام سن کر چونک پڑا، ابن صادق! اس نے نیزک کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

ہاں، ابن صادق۔

وہ کون ہے؟ قتیبہ نے سوال کیا۔

نیزک نے جواب دیا، میں اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ اسے ترکستان آئے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اور اس نے اپنی جادو بیانی سے ترکستان کے تمام سرکردہ لوگوں کو آپ کی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا ہے۔

میں اس کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں، نعیم نے نقشہ لپیٹتے ہوئے کہا، کیا آج کل وہ نزاق کے ساتھ ہے؟

نہیں، وہ قوقند کے قرب و جوار پہاڑی لوگوں کو جمع کر کے نزاق کے لئے ایک فوج تیار کر رہا ہے، ممکن ہے وہ حکومت چین سے بھی مدد حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

نعیم نے قتیبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، میں بہت دیر سے اس شخص کی تلاش میں ہوں، مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھ سے اتنا قریب ہے، آپ مجھے اجازت دیں، اسے گرفتار کر لینا نہایت ضروری ہے۔

لیکن مجھے بھی تو کچھ معلوم ہو کہ وہ کون ہے؟

وہ ابوجہل سے زیادہ دشمن اسلام اور عبداللہ بن ابی سے زیادہ منافق ہے، وہ سانپ سے زیادہ خطرناک اور لومڑی سے زیادہ مکار ہے، ایسے حالات میں اس کا ترکستان میں ہونا خطرے سے خالی نہیں، ہمیں فوراً اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے!

لیکن اس موسم میں! قوقند کے راستے پر برفانی پہاڑ حائل ہیں۔

کچھ بھی ہو، نعیم نے کہا، آپ مجھے اجازت دیں، وہ قوقند میں اس لئے مقیم ہے کہ وہاں اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا، وہ غالباً سردی کا موسم وہیں گزارے گا۔ گرمیوں میں کوئی اور جگہ تلاش کرے گا جو محفوظ ہو۔

تم کب جانا چاہتے ہو؟

ابھی، نعیم نے جواب دیا، مجھے ایک لمحے بھی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

اس وقت برف پڑ رہی ہے، صبح چلے جانا، ابھی ابھی تم ایک لمبے سفر سے آرام کر لو!

مجھے اس وقت تک آرام نہیں آئے گا جب تک یہ موذی زندہ ہے، میں اب ایک لمحہ بھی ضائع کرنا گناہ خیال کرتا ہوں، مجھے آپ اجازت دیجئے۔

یہ کہہ کر نعیم اٹھ کھڑا ہوا۔

اچھا اپنے ساتھ دو سوار ہی لیتے جاؤ۔

نیزک نے حیران ہو کر کہا، آپ انہیں قوقند بھیج رہے ہیں اور صرف دو سو سپاہیوں کے ساتھ آپ پہاڑی قوموں کی لڑائی کے طریقوں سے واقف ہیں، وہ بہادری میں دنیا کی کسی قوم سے کم نہیں، انہیں اچھی خاصی فوج کے ساتھ جانا چاہئے، ابن صادق کے پاس ہر وقت پانچ سو مسلح جوان رہتے ہیں، اور اب تک پتہ نہیں اس نے کتنی فوج اکٹھی کر لی ہوگی۔

نعیم نے کہا، ایک بزدل سالار اپنے سپاہیوں میں بہادری کے جوہر پیدا نہیں کر سکتا، اگر اس فوج کا سالار ابن صادق ہے تو مجھے اتنے سپاہیوں کی ضرورت نہیں۔

قتیبہ نے ذرا سوچنے کے بعد نعیم کو تین سو سپاہی لے جانے کا حکم دیا اور اسے چند ہدایات دینے کے بعد روانہ کیا۔

ایک ساعت گزر جانے کے بعد قتیبہ اور نیزک

خیمہ کے باہر کھڑے نعیم کو مختصر سی فوج کے ساتھ سامنے ایک پہاڑی پر سے گزرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

بہت بہادر لڑکا ہے، نیزک نے قتیبہ سے کہا۔

ہاں، وہ ایک مجاہد کا بیٹا ہے، قتیبہ نے جواب دیا۔

میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ اتنے بہادر کیوں ہیں؟ نیزک نے پھر سوال کیا۔

کیونکہ ہم موت سے نہیں ڈرتے، موت ہمارے لئے ایک اعلیٰ زندگی کا پیام ہے۔

اللہ کے لئے زندہ رہنے کی تمنا اور اللہ کے لئے مرنے کا حوصلہ پیدا کرنے کے بعد کسی شخص کے دل میں بڑی سے بڑی طاقت کا خوف نہیں رہتا۔

آپ کی قوم کا ہر فرد اسی طرح بہادر ہے؟

ہاں، ہر وہ شخص جو سچے دل سے توحید اور رسالت پر ایمان لے آتا ہے۔

☆.....☆.....☆

ابن صادق قوقند کے شمال میں ایک محفوظ مقام پر پناہ گزین تھا، ایک وادی کے چاروں طرف بلند پہاڑ اس کے لئے ناقابل تسخیر فصیل کا کام دے رہے تھے۔ پہاڑوں کے سرکش لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں اس وادی میں جمع ہو رہے تھے، ابن صادق ان لوگوں کو مختصر راستوں سے نزاق کے پاس روانہ کر رہا تھا، اس کے جاسوس اسے مسلمانوں کی قتل و حرکت سے باخبر رکھتے تھے، ابن صادق کو اس بات کی تسلی تھی کہ مسلمان سردیاں ختم ہونے تک لڑائی شروع نہیں کر سکیں گے، اسے اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ اول تو اتنی دور رہ کر مسلمان اس کی سازشوں سے واقف نہیں ہو سکتے اور اگر یہ انکشاف ہو بھی جائے تو بھی وہ سردیوں میں اس طرف نہیں آ سکتے اور سردیوں کے بعد انہوں نے ادھر کا رخ کیا تو خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔

ایک دن ایک جاسوس نے آ کر خبر دی کہ نعیم پیش قدمی کر رہا ہے تو وہ سخت بدحواس ہوا۔

اس کے پاس کتنی فوج ہے؟ ابن صادق نے تھوڑی دیر کے بعد سنبھل کر سوال کیا۔

فقط تین سو سپاہی، جاسوس نے جواب دیا۔

کل تین سو آدمی! تاتاری نوجوان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ابن صادق نے کہا، تم ہنستے کیوں ہو؟ وہ تین سو آدمی مجھے چین اور ترکستان کی تمام فوجوں سے زیادہ خطرناک نظر آتے ہیں۔

تاتاری نے کہا، آپ یقین رکھیں وہ یہاں پہنچنے سے پہلے ہمارے پتھروں کے نیچے دب کر رہ جائیں گے۔

نعیم کا تصور ابن صادق کو موت سے زیادہ بھیانک نظر آ رہا تھا، اس کے پاس سات سو سے زیادہ تاتاری موجود تھے لیکن اس پر بھی اسے اپنی فتح کا یقین نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنا خطرے سے خالی نہیں، اس نے تمام پہاڑی راستوں پر تاتاریوں کے پہرے مقرر کر دیئے اور نعیم کا انتظار کرنے لگا۔

نعیم ابن صادق کا سراغ لگاتا ہوا قوقند کے شمال مشرق کی طرف جا نکلا، اس نا ہموار زمین پر گھوڑے بڑی دقت سے آگے بڑھ رہے تھے، بلند چوٹیوں پر برف چمک رہی تھی اور نیچے کہیں کہیں وادیوں میں گھنے جنگلات تھے، لیکن برف باری کے موسم میں ان پر پتوں کا نشان نہ تھا، نعیم ایک بلند پہاڑی کے ساتھ ساتھ ایک نہایت تنگ راستے میں گزر رہا تھا کہ اچانک پہاڑ پر سے تاتاریوں نے پتھر برسانے شروع کر دیئے، چند سوار زخمی ہو کر گھوڑوں سے گر پڑے اور فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ پانچ گھڑ سواروں سمیت لڑھکتے ہوئے ایک گہرے غار میں جا گرے، نعیم نے سپاہیوں کو گھوڑوں سے اترنے کا حکم دیا اور پچاس آدمیوں کو کہا کہ وہ گھوڑوں کو پہاڑی سے کچھ دور ایک محفوظ جگہ پر لے جائیں اور خود باقی اڑھائی سو سپاہیوں کے ساتھ پیدل پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا، پتھر بدستور برس رہے تھے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسلمان اپنے سروں پر ڈھالیں لئے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کرتے رہے، چوٹی پر پہنچنے تک نعیم کے ساتھ سپاہی پتھروں کا نشانہ بن کر گر چکے تھے، نعیم نے اپنے رہے سہے آدمیوں کے ساتھ پہاڑی کی چوٹی پر قدم جماتے ہی جان توڑ کر حملہ کیا، مسلمانوں کا عزم اور استقلال کی حالت دیکھ کر تاتاریوں کے حوصلے پست ہوگئے، وہ چاروں طرف سے سمٹ کر اکٹھے ہونے لگے، ابن صادق درمیان میں کھڑا ان کو حملے کے لئے اکساتا رہا، جب نعیم کی نظر اس پر پڑی تو اس نے جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں نیزے سے اپنا راستہ صاف کرتا ہوا آگے بڑھا، تاتاریوں نے یکے بعد دیگرے میدان سے بھاگنا شروع کیا، ابن صادق کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے، وہ اپنی رہی سہی فوج چھوڑ کر ایک طرف بھاگا، نعیم کی آنکھ اس پر تھی، اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر اس کے پیچھے ہولیا، ابن صادق کے نیچے اترا، اس نے ضرورت کے وقت اپنے بچاؤ کا بندوبست پہلے کر رکھا تھا، پہاڑی کے نیچے ایک شخص دو گھوڑے لئے کھڑا تھا، ابن صادق جھٹ ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگادی، اس کے ساتھی نے ابھی رکاب میں پاؤں رکھا تھا کہ نعیم نے نیزہ مار کر اسے نیچے گرالیا اور گھوڑے پر بیٹھتے ہی اسے ابن صادق کے تعاقب میں چھوڑ دیا۔

نعیم کے اپنے قول کے مطابق ابن صادق لومڑی سے زیادہ مکار تھا، اس نے شکست کھانے کی صورت میں اپنے بچاؤ کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا، نعیم اور ابن صادق کے درمیان کچھ فاصلہ نہیں تھا لیکن نعیم کو تھوڑی دیر کے تعاقب کے بعد اس بات کا احساس ہوا کہ فاصلہ زیادہ ہوتا جارہا ہے اور اس کا گھوڑا ابن صادق کے گھوڑے کے مقابلے میں کم رفتار ہے، تاہم نعیم نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

ابن صادق پہاڑی پر سے اتر کر وادی کی طرف ہولیا، اس وادی میں کہیں کہیں گھنے درخت تھے، ایک جگہ درختوں کے جھنڈ کے نیچے ابن صادق کے مقرر کئے ہوئے چند سپاہی کھڑے تھے، اس نے بھاگتے ہوئے اشارہ کیا اور وہ درختوں کی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہوگئے، نعیم جب ان درختوں کے پاس سے گزرا تو ایک تیر نعیم کے بازو پر آکر لگا، لیکن اس نے گھوڑے کی رفتار کم نہ کی، چند قدم اور چلنے کے بعد دوسرا تیر اس کی پسلی میں لگا، ایک اور تیر گھوڑے کی پیٹھ پر آکر لگا اور گھوڑا پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑنے لگا، نعیم نے اپنے بازو اور پسلی کے تیروں کو کھینچ کر نکالا لیکن ابن صادق کا پیچھا نہ چھوڑا، تھوڑی دور اور چلنے کے بعد ایک تیر نعیم کی کمر پر لگا، اس کا خون پہلے ہی بہت نکل چکا تھا، اب اس تیسرے تیر کے بعد اس کے جسم کی طاقت جواب دینے لگی لیکن جب تک حواس قائم رہے، اس مجاہد کی ہمت میں فرق نہ آیا اور اس نے گھوڑے کی رفتار کم نہ ہونے دی۔ درختوں کا سلسلہ ختم ہوا اور ایک وسیع میدان نظر آنے لگا لیکن ابن صادق بہت آگے نکل چکا تھا اور نعیم پر کمزوری غالب آرہی تھی، آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا تھا، اس کا سر چکرانے اور کان سائیں سائیں کرنے لگے، وہ بے بس ہوکر گھوڑے سے اترا اور بے ہوش ہوکر منہ کے بل زمین پر گر پڑا، اس بے ہوشی میں اسے کئی ساعتیں گزر گئیں، جب اسے ذرا ہوش آیا تو اس کے کانوں میں کسی کے گانے کی آواز سنائی دی، نعیم کے کان ایسی لطیف آواز سے مدت کے بعد آشنا ہوئے تھے، وہ دیر تک نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا یہ راگ سنتا رہا، بالآخر ہمت کرکے سر اوپر اٹھایا، اس کے قریب چند بھیڑیں چر رہی تھیں، نعیم نے گانے والے کو دیکھنا چاہا لیکن ضعف کے باعث پھر آنکھوں کے سامنے سیاہی طاری ہوگئی اور اس نے مجبوراً سر زمین پر ٹیک دیا، ایک بھیڑ نعیم کے قریب آئی اور اس نے اپنا منہ نعیم کے کانوں کے قریب لے جاکر اسے سونگھا اور اپنی زبان میں آواز دے کر اپنی ایک اور ہم جنس کو بلالیا، دوسری بھیڑ بھی مے مے کرتی اور یہ پیغام باقی بھیڑوں تک پہنچاتی آگے چل دی، ایک گھڑی کے اندر اندر بہت سے بھیڑیں نعیم کے ارد گرد جمع ہوکر شور مچانے لگیں، ایک کوہستانی دوشیزہ ہاتھ میں چھڑی لئے بھیڑوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہانکتی اور بدستور گاتی ہوئی چلی آرہی تھی، وہ ایک جگہ بھیڑوں کا اجتماع دیکھ کر اس طرف بڑھی اور ان کے درمیان نعیم کو خون میں لت پت دیکھ کر ایک ہلکی سی چیخ کے بعد نعیم سے چند قدم کے فاصلے پر انگشت بدنداں کھڑی ہوگئی۔

نعیم نے بے ہوشی کی حالت میں اپنا سر اوپر اٹھایا کہ حسن فطرت کی ایک مکمل تصویر ایک کوہستانی لڑکی کے وجود میں سامنے کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اس کے لمبے قدم کے ساتھ جسمانی صحت اور تناسب اعضا اس کے معصوم حسن میں اضافہ کررہے تھے، اس کا موٹے اور کھردرے کپڑے کا بنا ہوا لباس تصنع سے بے نیاز تھا، اس نے سمور کا ایک ٹکڑا گردن کے گرد لپیٹ رکھا تھا، سر پر ایک ٹوپی تھی، حسینہ کا چہرہ ذرا لمبا تھا لیکن یہ لمبائی فقط اس قدر تھی جتنی کہ ایک حسین چہرے کو سنجیدہ بنادینے کے لئے ضروری ہو، بڑی بڑی سیاہ اور چمکدار آنکھیں پتلے اور نازک ہونٹ جن کی شگفتگی گل نو بہار سے کہیں زیادہ جاذب نظر تھی، کشادہ پیشانی اور مضبوط ٹھوڑی، تمام مل کر اس حسینہ میں بہار حسن کے علاوہ رعب حسن بھی پیدا کررہے تھے اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حسن کے متعلق مشرق اور مغرب کا تخیل رنگ و بو کے اس دلفریب پیکر پر آکر ختم ہوجاتا ہے، نعیم کو ایک نگاہ میں وہ عذرا اور دوسری میں زلیخا دکھائی دی، نوجوان لڑکی نعیم کے جسم پر خون کے نشانات دیکھنے اور کچھ دیر بدحواسی کے عالم میں خاموش کھڑی رہنے کے بعد جرأت کرکے آگے بڑھی اور بولی:

آپ زخمی ہیں؟

نعیم ترکستان میں رہ کر تاتاری زبان پر کافی عبور حاصل کرچکا تھا، اس نے دوشیزہ کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اٹھ کر بیٹھنا چاہا لیکن پھر ایک چکر آیا اور وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔

جب نعیم کو دوبارہ ہوش آیا تو وہ کھلے میدان کے بجائے ایک پتھر کے مکان میں لیٹا ہوا تھا، چند مرد اور عورتیں اس کے گرد کھڑی تھیں اور وہی نازنین جس کا دھندلا نقشہ اس کے دماغ میں تھا، ایک ہاتھ گرم دودھ کا پیالہ لئے دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو سہارا دے کر اوپر اٹھانے کی کوشش کررہی تھی، نعیم نے قدرے توقف کے بعد پیالے کو منہ لگایا، چند گھونٹ پینے کے بعد اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو لڑکی نے اسے دوبارہ بستر پر لٹادیا اور خود ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئی، نعیم کمزوری کی وجہ سے آنکھیں بند کرلیتا اور کبھی متحیر ہوکر اس حسینہ اور باقی لوگوں کی طرف دیکھتا، ایک نوجوان مکان کے دروازے میں کھڑا ہوا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں کمان تھی۔

لڑکی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا، بھیڑیں لے آئے؟

ہاں لے آیا ہوں اور اب جارہا ہوں۔

کہاں؟ لڑکی نے سوال کیا۔

شکار کھیلنے جارہا ہوں، میں نے آج ایک جگہ ریچھ دیکھا ہے، بہت بڑا ریچھ ہے، ان کو اب آرام ہے؟

ہاں کچھ ہوش آیا ہے۔

تم نے زخموں پر مرہم لگایا؟

نہیں، میں تمہارا انتظار کررہی تھی، مجھ سے یہ نہیں اترتی لڑکی نے نعیم کی زرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نوجوان آگے بڑھا اور نعیم کو سہارا دینے کے بعد اس کی زرہ کھول ڈالی، قمیض اوپر اٹھا کر زخم دیکھے، مرہم لگا کر پٹی باندھی اور کہا، آپ لیٹ جائیں، زخم بہت خطرناک ہیں، لیکن اس مرہم سے بہت جلد آرام آجائے گا، نعیم بغیر کچھ کہے لیٹ گیا اور نوجوان باہر چلا گیا، اس کے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے لوگ بھی یکے بعد دیگرے چل دیئے، نعیم اب اچھی طرح ہوش میں آچکا تھا اور اس کا یہ وہم دور ہو چکا تھا کہ وہ سفر حیات ختم کر کے جنت الفردوس میں پہنچ چکا ہے۔

میں کہاں ہوں؟ نعیم نے سوال کیا۔

میں بھیڑیں چرایا کرتی ہوں۔

تمہارا نام کیا ہے؟

میرا نام نرگس ہے۔

نرگس!

جی ہاں۔

نعیم کو جہاں اس لڑکی کی شکل و دو صورتیں اور نظر آرہی تھیں، وہاں اب اس کے نام کے ساتھ دو اور نام بھی یاد آگئے، اس نے اپنے دل میں عذرا، زلیخا اور نرگس کے نام دہرائے اور ایک گہری سوچ میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی؟ لڑکی نے نعیم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کر مقابل کے کمرے سے چند سیب اور خشک میوے لا کر نعیم کے سامنے رکھ دیئے، نعیم کے سر کے نیچے ہاتھ دے کر اٹھایا اور اسے سہارا دینے کی غرض سے ایک پوستین اس کے پیچھے رکھ دی، نعیم نے چند سیب کھائے اور نرگس سے پوچھا:

وہ نوجوان جو ابھی آیا تھا، کون ہے؟

وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔

اس کا نام کیا ہے؟

ہومان، نرگس نے جواب دیا۔

نرگس سے چند اور سوالات پوچھنے پر نعیم کو معلوم ہوا کہ اس کے والدین فوت ہو چکے ہیں اور وہ اپنے بھائی کے ساتھ اس چھوٹی سی بستی میں رہتی ہے اور ہومان اس گڈریوں کی بستی کا سردار ہے جس کی آبادی کوئی چھ سو انسانوں پر مشتمل ہے۔

شام کے وقت ہومان گھر آیا اور اس نے آکر بتایا کہ اس کا شکار ہاتھ نہیں آیا۔

نرگس اور ہومان نے نعیم کی تیمارداری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، رات کے وقت وہ بہت دیر تک نعیم کے پاس بیٹھے رہے، جب نعیم کی آنکھ لگ گئی تو نرگس اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور ہومان نعیم کے قریب ہی گھاس کے بستر پر لیٹ گیا، رات بھر نعیم نہایت دلکش خواب دیکھتا رہا، عبداللہ سے رخصت ہونے کے بعد پہلی رات تھی جبکہ عالم خواب میں بھی نعیم کے خیالات کی پرواز اسے میدان جنگ کے علاوہ کہیں اور لے گئی ہو، کبھی وہ دیکھتا کہ اس کی مرحوم والدہ اس کے زخموں کی مرہم پٹی کر رہی ہے اور عذرا کی محبت بھری نگاہیں اسے تسکین کا پیام دے رہی ہیں، کبھی وہ دیکھتا کہ زلیخا اپنے رخ انور سے اس کے قید خانے کی تاریک کوٹھڑی میں ضیاپاشی کر رہی ہے۔

صبح کے وقت آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ نرگس پھر اس کے سامنے دودھ کا پیالہ لئے کھڑی ہے اور ہومان اسے جگا رہا ہے۔

نرگس کے پیچھے کھڑی بستی کی ایک اور لڑکی اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی، نرگس نے کہا، بیٹھ جاؤ زمرد! اور وہ چپکے سے ایک طرف بیٹھ گئی۔

نعیم ایک ہفتے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا اور اس معصوم ماحول میں دلچسپی لینے لگا، بستی کے لوگ بھیڑوں اور بکریوں پر گزارہ کرتے تھے، قرب و جوار میں بہترین چراگاہوں کی بدولت ان کی حالت بہت اچھی تھی، کہیں کہیں سیب اور انگور کے باغات بھی تھے، بھیڑیں اور بکریاں پالنے کے علاوہ ان لوگوں کا دلچسپ مشغلہ جنگلی جانوروں کا شکار تھا، بستی کے آدمی شکار کے لئے دور تک برفانی علاقوں میں چلے جاتے تھے اور بھیڑیں چرانے کا کام زیادہ تر نوجوان عورتوں کے سپرد تھا، ان لوگوں کو ملک کے سیاسی معاملات میں کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ تاتاریوں کی بغاوت کی حمایت یا مخالفت سے بہت حد تک بے نیاز تھے، رات کے

وقت گاؤں کی نوجوان عورتیں اور مرد ایک وسیع خیمے میں اکٹھے ہو کر گاتے اور رقص کرتے، رات کا کچھ حصہ گزارنے پر عورتیں اپنے اپنے گھر کو چلی جاتیں اور مرد دیر تک چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے، کوئی پرانے زمانے کے بادشاہوں کی کہانی سناتا، کوئی پرانے زمانے کے بادشاہوں کی کہانی سناتا، کوئی اپنے رپچھ کے شکار کا دلچسپ واقعہ بیان کرتا اور کوئی جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کی من گھڑت داستانیں لے بیٹھتا، یہ لوگ کسی حد تک توہم پرست تھے، اس لئے بھوتوں کی کہانیاں بڑے شوق سے سنتے، اب چند دنوں سے ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع ایک شہزادہ بھی تھا، کوئی اس کی قد و قامت اور شکل و صورت کا تذکرہ چھیڑ دیتا، کوئی اس کے لباس کی تعریف کرتا، کوئی اس کی قد و قامت اور شکل و صورت کا تذکرہ چھیڑ دیتا، کوئی اس کے لباس کی تعریف کرتا، کوئی اس کے زخمی ہو کر اس بستی میں پہنچ جانے پر حیرانی کا اظہار کرتا، کوئی کہتا کہ ہم گڈریوں کو اپنا دیوتاؤں نے ایک بادشاہ بھیجا ہے اور یہ ہومان کو اپنا وزیر بنانے لگا، الغرض بستی کے لوگ نعیم کا نام لینے کے بجائے اسے شہزادہ کہا کرتے تھے۔

ادھر بستی کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ یہ تو وارد شہزادہ نرگس کو اپنی ملکہ بنا لے گا، گاؤں کی لڑکیاں نرگس کی خوش نصیبی پر رشک کرتیں، کوئی اسے شہزادے کی محبوبہ بننے پر مبارک باد دیتی اور کوئی باتوں ہی باتوں میں اسے چھیڑتی، نرگس بظاہر برا مانتی مگر اس کا دل اپنی سہیلیوں کے منہ سے ایسی باتیں سننے پر دھڑکنے لگتا، سفید رخساروں پر سرخی رقص کرنے لگتی، اس کے کان نعیم کی تعریف میں گاؤں والوں کی زبان سے ہر نیا جملہ سننے کے لئے بے قرار رہتے۔

نعیم ان تمام باتوں سے بے خبر ہومان کے مکان کے ایک کمرے میں اپنی زندگی کے نہایت پرسکون لمحات گزار رہا تھا، گاؤں کے مرد اور عورتیں ہر روز آتے اور اسے دیکھ کر چلے جاتے، وہ اپنے تیمارداروں کا نہایت خندہ پیشانی سے شکریہ ادا کرتا، لوگ اسے ایک شہزادہ خیال کرتے ہوئے پاس ادب سے کافی دور ہٹ کر کھڑے ہوتے اور اس کے حالات معلوم کرنے کے لئے سوالات کرنے سے گریز کرتے، لیکن نعیم کی شگفتہ مزاجی نے انہیں بہت جلد بے تکلف بنا لیا اور یہ لوگ ادب اور احترام کے علاوہ نعیم سے محبت بھی کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

ایک روز شام کے وقت نعیم نماز پڑھ رہا تھا، نرگس اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ مکان کے دروازے میں کھڑی اس کی حرکات کو بغور دیکھ رہی تھی۔

یہ کیا کر رہا ہے، ایک لڑکی نے حیران ہو کر سوال کیا۔

شہزادہ جو ہوا، زمرد نے بھولپن سے جواب دیا، دیکھو کس شان سے اٹھتا اور بیٹھتا ہے..... نرگس نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

نعیم نے نماز ختم کر کے دعا کیلئے ہاتھ پھیلا دیئے، لڑکیاں دروازے سے ذرا ہٹ کر باتیں کرنے لگیں۔

چلو نرگس! زمرد نے کہا، وہاں ہمارا انتظار ہوتا ہوگا۔

میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں ان کو یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔

چلو ان کو بھی ساتھ لے چلیں۔

کہیں دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا، کم بخت، وہ شہزادہ ہے یا کھلونا؟ دوسری لڑکی نے کہا۔

یہ لڑکیاں ابھی باتیں کر ہی رہی تھیں کہ ہومان گھوڑے پر آتا دکھائی دیا، وہ نیچے اترا تو نرگس نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی، ہومان سیدھا نعیم کے کمرے میں داخل ہوا۔

زمرد نے کہا، چلو نرگس، اب تو تمہارا بھائی ان کے ساتھ بیٹھے گا۔

چلو نرگس! دوسری نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلو، چلو! کہتے ہوئے تمام لڑکیاں نرگس کو دھکیل کر ایک طرف لے گئیں۔

ہومان کے اندر داخل ہوتے ہی نعیم نے پوچھا، کہو بھائی کیا خبر لائے ہو؟

ہومان نے جواب دیا، میں ان تمام مقامات سے پھر کر آرہا ہوں، آپ کی فوج کا کوئی پتہ نہیں چلا، ابن صادق بھی کہیں روپوش ہے، مجھے ایک آدمی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ کی فوجیں عنقریب سمرقند پر حملہ کرنے والی ہیں۔

ہومان اور نعیم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے، نعیم نے عشاء کی نماز ادا کی اور آرام کرنے کے خیال سے لیٹ گیا، ہومان اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانے کو تھا کہ گاؤں والوں کے گانے کی آواز سنائی دی۔

آپ نے ہمارے گاؤں کے لوگوں کا گانا نہیں سنا؟ ہومان نے کہا۔

میں یہاں لیٹے لیٹے کئی بار سن چکا ہوں۔

چلئے آپ کو وہاں لے چلوں، وہ لوگ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے، آپ کو معلوم ہے وہ آپ کو شہزادہ خیال کرتے ہیں؟

شہزادہ؟ نعیم نے مسکرا کر کہا، ہم میں نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ کوئی شہزادہ۔

آپ مجھ سے چھپاتے کیوں ہیں؟

مجھے چھپانے سے کیا حاصل؟

تو آپ کون ہیں؟

ایک مسلمان۔

شاید آپ جسے مسلمان کہتے ہیں، ہم اسے شہزادہ کہتے ہیں۔

گانے والوں کی آواز بلند ہو رہی تھی، ہومان غور سے سننے لگا، چلئے! ہومان نے پھر ایک بار کہا، گاؤں کے لوگوں نے کئی بار مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو ان کی مجلس میں لاؤں، لیکن میں آپ کو مجبور کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔

اچھا چلو، نعیم نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

چند آدمی شہنائیاں اور ڈھول بجا رہے تھے اور ایک بوڑھا تالی بجا رہا تھا، نعیم اور ہومان خیمے میں داخل ہوئے تو تھوڑی دیر کیلئے خیمے میں سکوت طاری ہو گیا۔

تم خاموش کیوں ہو گئے؟ ہومان نے کہا، گاؤ! گانا پھر ایک بار شروع ہوا۔

ایک شخص نے پوتین بجھا دی اور نعیم سے بیٹھ جانے کی درخواست کی، نیم قدرے تذبذب کے بعد بیٹھ گیا، ساز بجانے والوں نے جب گانے والے کے راگ کے ساتھ ساز کی تال کو تبدیل کیا تو مردوں اور عورتوں نے اٹھ کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے اور رقص شروع کر دیا، ہومان نے بھی اٹھ کر زمرد کے ہاتھ پکڑے اور رقص میں شریک ہو گیا۔

نرگس تنہا کھڑی نعیم کی طرف دیکھ رہی تھی، ایک بوڑھے چرواہے نے ذرا جرأت سے کام لیا اور نعیم کے قریب آ کر کہا، آپ بھی انھیں آپ کا ساتھی آپ کا انتظار کر رہا ہے!

نعیم نے نرگس کی طرف دیکھا، نرگس نے آنکھیں جھکا لیں، نعیم بغیر کچھ کہے اپنی جگہ سے اٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا، نعیم کے نکلتے ہی خیمے میں پھر ایک بار سناٹا چھا گیا۔

وہ ہمارا ناچ پسند نہیں کرتے، میں انہیں گھر تک چھوڑ کر ابھی آتا ہوں، یہ کہہ کر ہومان خیمے سے باہر نکلا اور بھاگ کر نعیم سے جا ملا۔

بہت گھبرائے آپ؟ اس نے کہا۔

او ہو تم بھی آگئے۔

میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں؟

نہیں جاؤ، میں تھوڑی دیر یہاں گھوم کر گھر جاؤں گا۔

ہومان واپس چلا گیا اور نعیم بستی میں ادھر ادھر پھر کر اپنی جائے قیام کے قریب پہنچا اور مکان کے باہر ایک پتھر پر بیٹھ کر ستاروں سے باتیں کرنے لگا، اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے، میں یہاں کیا کر رہا ہوں، مجھے زیادہ دیر یہاں رہنا نہیں چاہیے، میں ایک ہفتے تک گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل ہو جاؤں گا، میں بہت جلد چلا جاؤں گا، یہ بستی مجاہد کی دنیا سے بہت مختلف ہے، لیکن یہ لوگ بہت سیدھے ہیں، انہیں نیک راستے پر لانے کی ضرورت ہے۔

نعیم ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی، اس نے مڑ کر دیکھا، نرگس آ رہی تھی، وہ سوچ سوچ کر قدم اٹھاتی ہوئی نعیم کے قریب پہنچی اور سہمی ہوئی آواز میں بولی:

آپ سردی میں باہر بیٹھے ہیں۔

نعیم نے چاند کی دلفریب روشنی میں اس کے چہرے پر فکر و دانائی، وہ حسین بھی تھی اور معصوم بھی، اس نے کہا۔

نرگس تم اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر کیوں آ گئیں؟

آپ آ گئے تھے، میں نے سوچا..... آپ..... اکیلے ہوں گے۔

نعیم کو ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان گنت نغمے سنائی دینے لگے، ایک لمحے کے لئے وہ بے حس و حرکت مبہوت نرگس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اچانک اٹھا اور کچھ کہے بغیر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا، نرگس کی آواز دیر تک اس کے کانوں میں گونجتی رہی اور وہ بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلتا رہا۔

علی الصبح نعیم کی آنکھ کھلی، اٹھ کر باہر نکلا، چشمے پر وضو کیا اور اپنے کمرے میں آ کر فجر کی نماز ادا کی، اس کے بعد وہ سیر کے لئے باہر نکل گیا، جب واپس آ کر کمرے میں داخل ہونے لگا تو دیکھا کہ اس جگہ جہاں وہ اکثر نماز پڑھا کرتا تھا، ہومان آنکھیں بند کئے قبلہ رو ہو کر رکوع اور سجود کی مشق کر رہا ہے، نعیم چپکے سے دروازے میں کھڑا اس کی بے ساختہ تقلید پر مسکرا رہا تھا۔

جب ہومان نے نعیم کی طرف بیٹھ کر تھوڑی دیر ہونٹ ہلانے کے بعد دائیں بائیں دیکھا تو اس کی نظر نعیم پر جا پڑی، وہ بدحواس ہو کر اٹھا اور اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ میں آپ کی نقل کر رہا تھا، گاؤں کی بہت سی لڑکیاں اور لڑکے اس طرح کرنے لگے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح کرتا ہوا انسان بہت بھلا معلوم ہوتا ہے، میں آپ کے کمرے میں داخل ہوا تو نرگس بھی اس طرح کر رہی تھی..... میں بھی.....!

نعیم نے کہا، ہومان! تم ہر بات میں میری نقل اتارنے کی کیوں کوشش کرتے ہو؟

کیونکہ آپ ہم سے اچھے ہیں اور آپ کی ہر بات ہم سے اچھی ہے۔

اچھا یوں کرو، آج تمام گاؤں کے لوگوں کو جمع کرو، میں ان سے کچھ کہوں گا!

وہ آپ کی باتیں سن کر بہت خوش ہوں گے، میں انہیں ابھی اکٹھا کرتا ہوں، یہ کہہ کر ہومان چلا گیا، دوپہر سے پہلے گاؤں کے تمام لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے، نعیم نے پہلے دن خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی، انہیں بتایا کہ آگ اور پتھر وغیرہ تمام خدا کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں، چیزوں کے بنانے والے کو بھول کر اس کی بنائی ہوئی چیزوں کی پوجا کرنا عقلمندی نہیں، ہماری قوم کی حالت بھی تمہاری قوم جیسی تھی، وہ بھی پتھر کے بت بنا کر پوجا کرتی تھی، لیکن ہم میں خدا شناسا ایک برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوا جس نے ہمیں ایک نیا راستہ دکھایا، نعیم نے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات بیان کئے، اسی طرح چند اور تقریریں کیں اور تمام بستی والوں کو اسلام کی طرف صحیح لیا، سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے نرگس اور ہومان تھے۔

چند دنوں میں اس بستی کے ماحول میں یکسر تبدیلی ہو گئی، ان دلکش مرغزاروں میں نعیم کی اذانیں گونجنے لگیں اور رقص و سرود کی بجائے پانچ وقت کی نمازیں ادا ہونے لگیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نعیم اب مکمل طور پر تندرست ہو چکا تھا، اس نے کئی بار واپس لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن برف باری کی شدت سے پہاڑی راستے بند تھے اور اسے کچھ دیر اور قیام کے سوا چارہ نہ تھا۔

نعیم بے کار بیٹھ کر دن کاٹنے کا عادی نہ تھا، اس لئے وہ کبھی کبھی ان لوگوں کے ساتھ شکار کے لئے باہر چلا جاتا، ایک دن ریچھ کے شکار میں نعیم نے غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ کیا، ایک ریچھ ایک شکاری کے تیر سے زخمی ہونے پر اس قدر تندی سے حملہ آور ہوا کہ تمام شکاریوں کے پاؤں اکھڑ گئے، وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں چھپ کر ریچھ پر تیر برسانے لگے، نعیم نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا، ریچھ غضبناک ہو کر اس پر جھپٹا، نعیم نے پاؤں ہاتھ سے اپنی ڈھال اٹھا کر اسے روکا اور دائیں ہاتھ سے نیزہ اس کے پیٹ میں گھونپ دیا، ریچھ الٹ ہو کر گرا لیکن پھر شور مچاتا ہوا اٹھا اور نعیم پر حملہ کر دیا، اتنی دیر میں وہ تلوار نیام سے نکال چکا تھا، ریچھ کے جھپٹنے کی دیر تھی کہ نعیم کی تلوار اس کی کھوپڑی پر لگی، ریچھ گرا، تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا، شکاری اپنی جائے پناہ سے نکل کر نعیم کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگے، ایک شکاری نے کہا، آج تک اتنا بڑا ریچھ کسی نے نہیں مارا، اگر آپ کی جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو خیر نہ تھی، آپ نے آج تک کتنے ریچھ مارے ہیں؟

یہ پہلا ہے، نعیم نے تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے کہا۔

پہلا؟ وہ حیرانی سے بولا، آپ تو بہت تجربہ کار شکاری معلوم ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں ایک بوڑھے شکاری نے کہا، کل کی بہادری، بازو کی ہمت اور تلوار کی تیزی کو تجربے کی ضرورت نہیں۔

.....(جاری ہے)

تصوف کیا ہے؟

''تصوف شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے۔'' (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ)

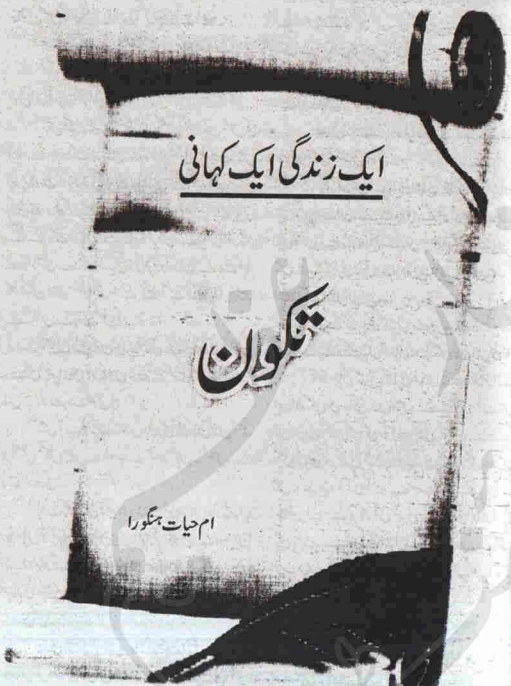
''تصوف یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت سے اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی کرو۔'' (مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ)

''یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے اور قرآن و حدیث کے مطالعہ، اسوۂ حسنہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔'' (مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ)

''مسلمان کے دلوں میں دھرے ہوئے چراغوں کو نور نبوت سے روشن کر کے انسانیت کے راستے پر سجا دینا اسلامی تصوف ہے۔'' (امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ)

تصوف کیا نہیں؟

تصوف کے لئے نہ کشف و کرامات شرط ہے، نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے، نہ جھاڑ پھانک سے بیماری دور کرنے، نہ ان پر چادر چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے اور نہ اولیاء اللہ کو بھی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی، نہ اس میں کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد اور تواجد اور رقص و سرور کا نام تصوف ہے، یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہے حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔



''ڈاکٹر صاحبہ، باہر مسز جمیل بیٹھی ہیں بھیج دوں۔'' ماسی نے اندر آ کر کہا۔ میرے بیٹے کو بخار تھا اس لئے کلینک شروع کرنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی۔

''ہاں فوراً'' میں نے جواباً کہا تو مسز جمیل اندر آ گئیں۔

''السلام علیکم۔'' مسز جمیل نے اندر آتے ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' میں نے مسکرا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا۔ مسز جمیل 30 یا 32 سالہ ایک پردے دار خاتون تھیں، انہوں نے اندر آکر اپنا تعارف کرایا۔

"میرا نام عالیہ ہے۔" مسز جمیل نے اپنا تعارف کرایا۔

"کہو عالیہ کس سلسلے میں آنا ہوا۔" مجھے عالیہ کافی ملول اور افسردہ نظر آئی۔

"میں ایک عجیب مسئلے میں پھنس گئی ہوں جس کی وجہ سے ہر وقت سر میں درد، ڈیپریشن، طبیعت میں چڑچڑاہٹ اور زندگی بہت بیزار سی لگنے لگی ہے، میری کیفیت دیکھ کر پہلے جمیل مجھے جنرل فزیشن کے پاس لے گئے تھے، وہاں سے نیورو سرجن کے پاس اور پھر نیورو سرجن نے مجھے نفسیاتی ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے کہا، پھر جمیل نے معلوم کروا کے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اس نے بات مکمل کی۔

"تمہیں ایسی کون سی پریشانی ہے کہ تم اپنے شوہر سے بھی چھپا رہی ہو یا اس سے شیئر کرنا نہیں چاہتی۔" میں نے نوٹ بک کھول لی۔

"میں آپ کو کیسے بتاؤں، میری سمجھ میں نہیں آتا، دراصل جمیل میرے دوسرے شوہر ہیں۔" اس نے وضاحت کی۔

"بات سمجھ نہیں آئی، دوسرے شوہر ہیں، تو پھر کیا ہوا، ہیں تو تمہارے شوہر ہی، کیا تم دونوں کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ (Under standing) نہیں ہے، تمہاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے۔" وہ بات ادھوری کر رہی تھی۔

"ہماری شادی کو سال ہوا ہے جبکہ راحیل نے مجھے دو سال قبل طلاق دی تھی، راحیل سے میرا ایک بیٹا بھی ہے جو اب 9 سال کا ہے۔" وہ مایوسی سے دو چار مدہم لہجے میں بولی۔

"کیا وجہ پریشانی کا تعلق راحیل سے ہے یا تمہارے بیٹے سے۔" میں نے پوچھا۔

"شاید دربدر کی ٹھوکریں میرا مقدر بن چکی ہیں، اس کا تعلق راحیل سے ہے اور ظاہر ہے بیٹا بھی راحیل کا ہے، اس لئے وہ بھی اس میں شامل ہے۔" اس کے لہجے میں بے اعتمادی کا عنصر شامل تھا۔

"طلاق کیوں دی تھی راحیل نے۔" میں نے کرسی سے ٹیک لگائی۔

"طلاق، اف۔" وہ ایک لمحے کے لئے اپنے خیالوں میں مستغرق ہوگئی۔

"کچھ عورتیں اپنے بیٹوں کی شادی تو کروا دیتی ہیں، مگر جب ان کے بیٹے بیوی کے حقوق پورے کرتے ہیں تو ان سے کچھ برداشت نہیں ہوتا اور پھر آئے دن گھر میں جنگ چھڑی رہتی ہے اور نتیجہ طلاق نکلتا ہے۔" وہ الجھے الجھے لہجے میں بولی۔

"بہتر ہوگا کہ تم مجھے تفصیل سے ہر بات بتاؤ تاکہ مجھے تمہارے مسئلے کو سمجھنے میں آسانی ہو۔" میں نے اس کو کہا۔

"آٹھ سال میں نے اپنی ساس کے ساتھ گزارے ہیں اور میں ہی جانتی ہوں، میں نے کیسے گزارے ہیں، میں ان کی آخری بہو تھی، پہلی دو بڑی بہوان سے دب کر چلتی رہیں اور میری شادی ہوتے ہی علیحدہ بھی ہوگئیں، میں جب بیاہ کر آئی تو میرے سسر حیات تھے، ان کے انتقال سے پہلے تو پھر بھی میری ساس کافی لحاظ کر لیتی تھی، مگر میرے سسر کے انتقال کے بعد انہوں نے مجھ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ایسے اذیت ناک اور ناقابل برداشت حالات سے دوچار کیا کہ راحیل نے تنگ آکر مجھے طلاق دے دی، مجھے میرے ہی گھر میں کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی، وہ کھانے پینے کی چیزیں یا تو چھپا دیتیں یا پھر میری نندیں آتیں تو ان کو دے دیتیں، حتیٰ کہ فواد کے کتنے ہی کھلونے اور کپڑے تک غائب ہوجاتے، میرے استعمال کی چیزیں بھی غائب ہوجاتیں، ظلم کی کوئی تو جو ابدہی ہوتی کہ اتنی لمبی بات کس سے کر رہی تھیں، اسی طرح کپڑے وغیرہ سلوانے پر پابندی، چونکہ تمام گھر کا خرچ راحیل ان کے

ہاتھ میں دیتا تھا، تو وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں، حتیٰ کہ ٹماٹر اور صابن تک کا حساب کتاب رکھتی تھیں، ادھر راحیل بھی مجھ پر ناراض ہوتے، اگر میں ان سے کچھ کہتی اور پھر ایک دن..... وہ کہتے کہتے خیالوں میں گم ہوگئی۔

"امی میری طبیعت خراب ہے، مجھے بہت تیز بخار ہو رہا ہے، آپ فواد کو رکھ لیں گی، تھوڑی دیر میں دوائی لے کر آجاؤں گا ہوں۔"

"اکیلی کیسے جاؤ گی، میں نغمہ (ند) کو بلوا لیتی ہوں، نہیں میں نے امی کو فون کر دیا ہے، وہ بس آتی ہوں گی، آپ تھوڑی دیر بس فواد کو رکھ لیں، ویسے بھی وہ ابھی ہوم ورک کر رہا ہے، میں اتنی دیر میں آجاؤں گی۔"

"جب اپنی ماں ہی کے ساتھ جانا تھا تو بخار کے بہانے کی کیا ضرورت تھی، میں نے کب روکا ہے تمہیں، البتہ تم کو فواد کو نہیں لے جانا، یہ سمجھ میں نہیں آرہا، ایسی کون سی جگہ جارہی ہو جہاں فواد نہیں جاسکتا، ایسا چھوٹا نہیں ہے کہ تم کو تنگ کرے، بلکہ فواد ہی کے ساتھ چلی جاتیں تو کافی تھا، مگر میں سمجھ گئی، تم ماں بیٹی کو اچھی طرح جانتی ہوں، تم میرے بیٹے کی کمائی اپنی ماں، بہنوں پر لٹاتی ہو، اس کے پیچھے چل چھڑے اڑاتی ہو، میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں، تم جتنی زمین کے اوپر ہو، اتنی زمین کے نیچے بھی ہو۔"

"امی جان پلیز میری بات سنیں، آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، مجھ سے تو چھ کر نہیں رہا جارہا، دیکھیں امی کی گاڑی کا ہارن بج رہا ہے، میں ابھی ایک گھنٹے میں آتی ہوں۔"

"راحیل تم سے پوچھ کر نہیں جاتی تو مجھ سے کون سا پوچھتی ہے، صرف حکم سنا دیتی ہیں، فو کرانی ہوں، گھر بھی سنبھالو اور تمہارا بچہ۔" عالیہ جب گھر میں داخل ہوئی تو اس کے کانوں میں آواز آئی، دروازہ فواد نے کھولا تھا۔

"السلام علیکم امی جان، امی دادی جان کو اتنا غصہ کیوں آتا ہے، آپ کو بھی اتنی دیر ہوگئی۔"

"ہاں بیٹا کزوری بہت تھی، ڈرپ لگی تھی، اس لئے نائٹ ہوگیا، مجھے انجیکشن لگوانے پڑے، ابو کب آئے آپ کے۔"

"بس ابھی دس منٹ ہوئے ہیں۔"

"جاؤ آپ اپنا کام کرو، میں دیکھتی ہوں۔"

"السلام علیکم امی جان۔" السلام علیکم کہہ کر عالیہ نے راحیل کو دیکھا تو اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تم امی کو بتا کر نہیں گئی تھیں اور تمہاری تو طبیعت خراب تھی، کہاں سے گھوم پھر کر آرہی ہو، پورے چار گھنٹے بعد آئی ہو اور تم کو شاید بخار تھا، بخار میں کون سی تفریح ہو رہی تھی۔"

"راحیل میں امی کو بتا کر ڈاکٹر ہی کے پاس۔"

"تراخ" راحیل نے کھینچ کر عالیہ کو زوردار تھپڑ مارا۔

"ڈاکٹر کے پاس چار گھنٹے، نہیں عالیہ بی بی بے وقوف کسی اور کو بنانا، میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں کہ تم جو کہو گی آنکھ بند کر کے یقین کرلوں گا، تم مجھے سیل پر نہیں بتا سکتی تھی۔"

"میں نے آپ کو فون کیا تھا، آپ کا فون بند آرہا تھا اور میری حالت، پھر میں نے امی کو۔"

"تمہاری ماں اتنی بڑی عورت ہو کر بھی تمہاری فضول حرکتوں میں تمہارا ساتھ دیتی ہے اور میں کیسے یقین کرلوں کہ تم اپنی ماں کے ساتھ گئی تھیں اور فواد کو بھی ساتھ نہیں لے گئیں، نہیں عالیہ بہت ہوچکا، میرا تمہارا ساتھ اب ناممکن ہے، میں تم کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔" عالیہ یہ سنتے ہی گر کر بے ہوش ہوگئی اور ڈاکٹر کی تمام پوٹیں اور دوائیاں فرش پر بکھر گئیں۔

"دیکھا، ڈاکٹر صاحبہ کیا وجہ تھی اور کیا سزا ملی، تین لفظوں میں کھیل ہی ختم ہوگیا، بعد میں راحیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس کو تمام حقیقتوں کا علم ہوا تو کیا فائدہ، پانی تو سر سے گزر چکا تھا، خون بھی اس کا خود کی غلطی کی وجہ سے بند تھا، میں رابطہ کر کر کے تھک چکی تھی، امی کی الٹی سیدھی باتوں نے ہمارا گھر اجاڑ دیا اور میں دوبارہ اپنی امی کے گھر آگئی، فواد کا سارا خرچہ راحیل اٹھاتا ہے جبکہ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا، آخر کب تک بھائیوں پر بوجھ بنی رہتی، لہٰذا ابی امی کے اصرار پر میں نے کالج میں نوکری کرلی، تقریباً طلاق کے سال بھر بعد راحیل کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور پھر راحیل نے میرے امی ابو کے ذریعے مجھے حلالہ کرنے کے لئے مجبور کرنا شروع کردیا، انہی دنوں میرے پھوپھی زاد بھائی جمیل کی بیوی، بچے کی پیدائش کے وقت انتقال کرگئی، ماں اور بچہ دونوں جانبر نہ ہوسکے، پھر پھوپھی نے میرا رشتہ مانگا، مگر میں نے فواد کی وجہ سے انکار کردیا، مگر جب میں نہ مانی تو امی ابو نے مجھے سمجھایا اور پھر اکثر فواد بھی مجھے دوبارہ واپس اپنے گھر چلنے کی ضد کرنے لگا، چونکہ وہ راحیل سے ملتا رہتا تھا، اس لئے راحیل نے اس کو بھی سمجھانا شروع کردیا، اس کے علاوہ اس عرصے میں وہ کتنے ہی برسوں کا تجربہ حاصل کرچکا تھا، وہ یہی چاہتا تھا کہ میں ماموں کا گھر چھوڑ دوں، بہرحال میرے بھائیوں کا احسان تھا کہ مجھے رکھ رہے تھے، خیر، فواد اور والدین کے مجبور کرنے پر میں حلالے کے لئے تیار ہوگئی اور پھر جمیل کے ساتھ میری شادی ہوگئی۔" پھر اس نے نظریں جھکا کر کہنا شروع کیا۔

"ڈاکٹر صاحبہ، اگر انسان سے غلطی نہ ہوتی تو وہ فرشتہ ہوتا، حالات اور ماحول انسان کو اس کی راہ سے گمراہ کردیتے ہیں، میں بھی انسان بلکہ شاید عورت ہونے کے ناتے ایک بہت ہی کمزور مخلوق ہوں، مجھ سے کہا گیا تھا کہ جمیل کو خبر نہ ہونے پائے کہ ہم کس مقصد سے شادی کررہے ہیں اور مجھے میرے والدین نے سمجھایا کہ ایسے حالات خود پیدا کرنا کہ وہ خود ہی مجھے طلاق دے دے۔"

"عالیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوگئے تو وہ اپنے ڈوپٹے کے پلو میں آنسو جذب کرتی رہی۔" جب اس کے دل کا غبار کچھ ہلکا ہوگیا تو پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"اتفاق ایسا ہوا کہ راحیل میری شادی کے دوسرے ہفتے ہی امریکا نوکری کے سلسلے میں چلا گیا اور اس نے پلٹ کر خبر ہی نہ لی، پھر میرے والدین نے مجھ کیا کہ بس یہی گھر بسانا، وہ نہ بھی کہتے تو بھی مجھے یہی کرنا تھا، کیونکہ جمیل ایک بہترین شوہر ہی نہیں، ایک بہترین باپ بھی ثابت ہوا، فواد اب مجھ سے زیادہ جمیل کے قریب ہے، مگر افسوس۔" وہ کہہ کر چپ ہوگئی۔

"ایک مہینے پہلے راحیل واپس آگیا ہے اور اب وہ دوبارہ اصرار کررہا ہے کہ میں جمیل سے طلاق لے لوں۔" یہی وجہ ہے کہ میں اس ڈپریشن میں مبتلا ہوں، عالیہ تھکے تھکے انداز میں کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا راحیل بذات خود تم سے ملاقات کررہا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

"نہیں، فواد اور امی ابو کے ذریعے کہلوایا ہے۔"

"تمہارا کیا فیصلہ ہے۔" میں نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکی۔" اب اس کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔

"میرے خیال میں اس کے علاوہ بھی کوئی اور پریشانی ہے جو تم مجھے نہیں بتا رہی، ہوسکتا ہے میرا خیال غلط ہو۔" اس نے میری اس بات پر مجھے غور سے دیکھا۔

"میری زندگی کی کہانی خاصی تفصیل طلب ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

"جمیل کی عادات اور اطوار کیسی ہے۔" میں نے اس بار صاف گوئی سے سوال کیا، جمیل میں کوئی برائی نہیں، سوائے شک کے، وہ کبھی کبھی راحیل کا طعنہ ضرور دیتا ہے، جو میری روح کو بھی زخمی کردیتا ہے، میرے والدین نے جو کچھ بھی سوچا ہو، مگر میں نے جمیل سے شادی کرتے وقت عہد کیا تھا کہ میں جمیل سے خود سے طلاق نہیں لوں گی۔ راحیل نے، میرے والدین نے مجھے کھلونا سمجھا ہوا ہے کہ میں ان کے ہاتھوں میں کھیلتی رہوں۔" پھر اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"میرے لئے ایسا کرنا گناہ ہے ناں کہ میں اب راحیل کے متعلق سوچوں۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو عالیہ، میں بھی تمہیں صرف یہی بات سمجھاؤں گی کہ جمیل تمہارا شوہر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد عورت کے لئے جنت شوہر کی خوشنودی میں رکھی ہے، راحیل تمہارے لئے ایک غیر محرم شخص ہے، تم اپنے والدین کو کتنی سے سمجھا سکتی ہو کہ جمیل کے سوائے تم کسی اور کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔" میں نے اس کو سمجھایا۔

"مگر میں فواد کا کیا کروں، اس کو کیسے سمجھاؤں۔"

"تم نے کہا تھا کہ جمیل نے فواد کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں، مگر جب تک راحیل نہیں آیا تھا، اب فواد صبح شام ایک ہی ذکر کرتا ہے۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیکھو عالیہ پہلے تم اپنا ذہن ایک طرف کرلو کہ اب تم کو راحیل کے متعلق دوبارہ سوچنا بھی نہیں ہے۔" اس نے مجھے ٹوکا۔

"مگر وہ مجھ سے فواد کو چھین لے گا۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"اوہ، تو تمہیں یہ پریشانی ہے، جس کی وجہ سے تم ڈگمگا رہی ہو۔" میں نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔" وہ مایوسی سے دوچار لہجے میں بولی۔

"تم غلط کررہی ہو عالیہ، جو تمہارے مقدر میں لکھا ہے، وہ ہونا ضرور ہے، مگر تم کم از کم گناہ گار تو نہ بنو، جمیل کے ساتھ دھوکہ کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہوگا اور پھر تمہیں یقین ہے کہ راحیل اب تمہارے ساتھ صحیح ہوجائے گا یا وہ تم پر شک نہیں کرے گا، اول تو یہ سوچنا ہی غلط ہے کہ تم جمیل سے طلاق لے کر دوبارہ راحیل سے نکاح کرلو، مگر بالفرض اگر اس پہلو کو دیکھو گی تو اس میں سراسر نقصان ہی نظر آئے گا، موازنہ کرنا بھی بیکار ہے، جب تم راحیل کو بالکل دماغ سے نکال لو گی تو ہم پھر فواد کے پہلو کو دیکھیں گے اور چونکہ وہ تو سال کا بچہ ہے، تو میں اس کی ٹھہرائی کروں گی، جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ اس کا رجحان کس طرف ہے اور اللہ سے دعا کرو، وہ ہی تم کو سکون دے گا اور تمہارے لئے بہتری کرے گا۔" میں نے اس کو سمجھایا اور دوبارہ کہنے لگی۔

"انسان خالی ہاتھ دنیا میں آیا ہے اور ایک دن خالی ہاتھ ہی واپس جانا ہے، رخت سفر کے لئے دولت، عزت، اولاد، رشتے ناطے سب بے کار ہوتے ہیں، صرف خاکی انسان کے اعمال ہیں جو اس کے ساتھ جاتے ہیں اور یہی اعمال روحوں کی تقدیر رقم کرتے ہیں۔ اس عارضی دنیا کی خاطر اپنی ابدی زندگی برباد مت کرو، تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو کہ وہ جو تمہارے لئے کرے گا، وہی بہتر ہوگا، جمیل کی وفادار بن کر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو، فیضان رحمت تو صرف اللہ کی ذات ہے، اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر فریاد کرو، وہ قادر مطلق سب بہتر کرے گا۔" وہ مجھے اب تھوڑی ریلیکس لگی۔

"آپ کی باتیں سن کر میری بے چینی کافی حد تک ختم ہوگئی ہے۔"

"عالیہ یہ دوائیاں دے رہی ہوں، اس کو استعمال کرو، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اگلے ہفتے میرے پاس آؤ، پھر سوچتے ہیں فواد کے متعلق۔" میں نے نوٹ بک بند کردی۔

☆.....☆.....☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔" عالیہ ایک ہفتے بعد میرے پاس آئی تو مجھے کافی پرسکون لگی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو عالیہ۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"دوائیوں سے سر درد میں کمی ہوئی ہے، مگر میرا ڈیپریشن اپنی جگہ ہے، آپ نے مجھے سمجھایا تھا کہ میں راحیل کے متعلق سوچنا چھوڑ دوں، مگر جمیل کا رویہ بھی روز بروز مجھ سے خراب ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے میں نہ چاہتے ہوئے بھی راحیل کے متعلق سوچنے لگتی ہوں۔"

"عالیہ اس کی وجہ میں تمہیں بتاتی ہوں، چونکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راحیل کے آنے سے فواد اور تمہارے رویے میں تبدیلی آئی ہے اور ظاہر ہے جمیل مرد ہے، وہ اس چیز کو برداشت مشکل سے کرے گا، جس کی وجہ سے تمہارے گھر کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے، راحیل کی ذات نے تمہارے پورے گھر کو ہلا ڈالا ہے، یقیناً فواد کا رویہ بھی جمیل سے بہتر نہیں ہوگا، جبکہ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ جمیل کی توجہ فواد پر تم سے زیادہ ہے۔" میں نے وضاحت کی۔

"مگر اب اس کا حل کیا ہوگا، راحیل، فواد کا باپ ہے، فواد، راحیل سے ملتا رہے گا تو میرے گھر کا سکون برباد ہی رہے گا۔" عالیہ نے قدرے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"آنے والا کل کیا ہوگا وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، کوئی بھی پریشانی کبھی بھی مستقل نہیں ہوتی، ہر غم کے بعد خوشی ہے۔ جس طرح ہر رات کے بعد صبح ہوتی ہے، آرام سے تسلی سے اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے، تم خود کو پرسکون کر کے جمیل سے بھی اس موضوع پر بات کر سکتی ہو، اس کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر اس کے دل سے شک کے کانٹوں کو نکال سکتی ہو اور یہ سب تم پر منحصر ہے کہ تم کتنی اپنی قوت ارادی کو بروئے کار لاتی ہو، چونکہ پہلے ہی تم نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے ہیں، اس لئے صورتحال تمہارے قابو میں نہیں آرہی اور تم اپنے ہی پیدا کردہ مسئلوں میں الجھتی جارہی ہو۔" میں نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔

"اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ جمیل اپنی پریشانی یا جھنجلاہٹ کا اظہار کس طریقے سے کرتا ہے۔"

"اگر کھانے میں کمی رہ جائے، میں اگر کسی سے فون پر بات کر رہی ہوں تو یہ چڑچڑے ہو جاتے ہیں، اس طرح بعض دفعہ اگر فواد کا زیادہ خیال رکھ لوں تو یہ بھی میرے لئے مشکل ہو جاتی ہے۔" اس نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ تم اکیلی رہتی ہو یا تمہاری ساس تمہارے ساتھ ہیں یا مشترکہ خاندان۔" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں اکیلی ہوتی ہوں، میری ساس سب سے بڑے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہیں، وہ میری پھوپھی بھی ہیں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"ان کا تمہارے ساتھ رویہ، میرا مطلب ہے تم جمیل کے خاندان میں اپنے قدم جما چکی ہو یا یہاں پر بھی کسی قسم کے مسائل درپیش ہیں۔" میں نے اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"عالیہ چند ثانیے کچھ سوچتی رہی اور پھر کہنے لگی، بظاہر تو کسی بھی قسم کی پریشانی نہیں ہے، میں تو ان لوگوں کے رویوں سے مکمل طور پر مطمئن ہوں، سارے گھر والوں کا رویہ میرے ساتھ بہت مناسب ہے، آنا جانا اور میل جول بھی ہے، اب ان کے دل میں میرے لئے کچھ ہو تو مجھے پتہ نہیں۔"

"ایک بات پوچھوں، اگر ناگوار خاطر نہ گزرے۔" میں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں تمہارے والدین نے یا راحیل نے تو جمیل سے رجوع کرنے کا نہیں کر لیا اور تم مجھ سے چھپا رہی ہو اس بات کو۔" عالیہ میرا سوال سن کر چونک اٹھی۔

"نہیں، ڈاکٹر صاحب، آپ سے میں کچھ نہیں چھپاؤں گی، آپ بے فکر رہیے۔"

"مجھ پر اعتماد کی وجہ۔" مجھ اس کی بات پر حیرت ہوئی۔

"مجھے آپ سے بات کر کے بہت سکون ملا ہے، مجھے لگتا ہے شاید آپ میرا مسئلہ حل کر دیں گی۔" وہ پرامید تھی۔

"اور تمہیں اپنے والدین پر بھروسہ ہے کہ وہ ایسا کچھ جمیل سے نہیں کہیں گے کہ جس کی وجہ سے تمہیں پریشانی ہو۔" میں نے وہی بات دوبارہ دہرائی۔

"اس کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اب تمہیں دو باتوں کا خاص خیال رکھنا ہے، تم نے یہ دیکھنا ہے کہ کوئی جمیل کے کان تو نہیں بھر رہا اور دوسرا تم زیادہ سے زیادہ توجہ جمیل کو دو، تاکہ تم کو اندازہ ہو جائے کہ

اس کے رویے کی تبدیلی کی وجہ کیا ہے، اسی طرح تم نے اللہ تعالیٰ سے بھی برابر رجوع رکھنا ہے، نماز پڑھتی ہو کبھی یقیناً۔"

"جی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا، ٹھیک ہے، ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا کم از کم تین بار ضرور پڑھو۔ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" اور تمہیں راحیل سے کسی بھی شرارت کی امید ہو تو یہ دعا پڑھ کر اس کا تصور کر کے دم کر دو، ان شاء اللہ اس کے شر سے محفوظ رہو گی۔" اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔" عالیہ تم کو منتقل مزاجی سے کام لینا ہوگا، ان شاء اللہ یہ دن بھی گزر جائیں گے، فواد، تم نے بتایا نو سال کا ہے۔" میں نے دریافت کیا۔

"جی وہ اگلے ماہ پورے 9 سال کا ہو جائے گا۔" عالیہ نے جواب دیا۔

"تم چاہو تو ایک دو دن میں اس کو میرے پاس لے کر آجاؤ، اس کے ساتھ بات کر کے ہی میں تم کو فواد کے متعلق کچھ بتا سکوں گی، اس کا رجحان اور اس کی کیفیت کا تجزیہ کر کے ہم دیکھیں گے کہ بہتر کیا ہوگا، دعا بھی کریں گے اور دوا بھی، وہ پراعسب الاسباب ہے، وہی بہتر جانتا ہے کہ انسان کے حق میں کیا اچھا ہے، کیا برا، وہی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب وہ میرے ساتھ اگر رہنا بھی چاہے گا تو راحیل اس کو مجھ سے کورٹ کے ذریعے چھین لے گا اور میں فواد کے بغیر کیسے جیوں گی، مجھے یہ سوچیں ساری رات سونے نہیں دیتیں، دوائیاں نہ کھاری ہوتی تو نہ جانے کیا عالم ہوتا۔" وہ پہلو بدل کر بولی۔

"تم نے جمیل سے اس بات کا ذکر کیا ہے، یہ تو اسے معلوم ہوگا کہ راحیل پہلے امریکا میں تھا، اب یہاں پر ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں، مجھے یاد آیا، جمیل سے شادی کے بعد تین یا چار مہینے بعد میری اور جمیل کی فواد کے متعلق تفصیلی بات چیت اس موضوع پر ہوئی تھی تو جمیل نے مجھے اپنے تعاون کا مکمل بھروسہ دلایا تھا، جمیل کے علم میں ہے کہ فواد راحیل سے ملتا ہے۔" وہ اداسی اور اکھڑی باتیں کر رہی تھی۔

"پھر تو تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم جمیل سے اس موضوع پر بات کر لو اور پھر فواد کو میرے پاس لے کر آجاؤ۔"

"ٹھیک ہے، میں پرسوں فواد کو لے کر آتی ہوں۔"

"یہ میں نے دوائیاں بدل دی ہیں، شاید نیند میں بہتری ہو جائے۔" میں نے نسخہ اس کی طرف بڑھایا۔

"ٹھیک پانچ بجے عالیہ۔" جاتے ہوئے میں نے عالیہ کو تنبیہ کی۔

☆.....☆.....☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ڈاکٹر صاحبہ۔" عالیہ نے اندر آتے ہی مجھے سلام کیا، اس کے ساتھ ایک خوبصورت بچہ قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔

"وعلیکم السلام، بیٹھو عالیہ، یہ یقیناً فواد ہیں۔" میں نے فواد کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"جی میرا نام فواد ہے۔" جواباً فواد خود بولا، اس کے انداز میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

"کون سی کلاس میں پڑھتے ہو۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں چوتھی کلاس کا اسٹوڈنٹ ہوں۔" وہ بھی جواباً مسکرایا۔

"گڈ، Hobbies (ہابیز) کیا ہیں آپ کی۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"مجھے Books (بکس) پڑھنے کا شوق ہے، میں اردو، انگلش میں ہر طرح کے ناولز پڑھ لیتا ہوں۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"کون سے رائٹرز شوق سے پڑھتے ہو۔" میں نے اس سے پوچھا۔

"Enid bliton" اور اردو میں اشتیاق احمد ساتھ ہی نونہال اور تعلیم و تربیت باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔"

"میں تھوڑی دیر میں آپ کو بلواتی ہوں، عالیہ آپ تب تک باہر بیٹھیں۔" میں نے عالیہ کو مخاطب کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ جی کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"فواد آپ ماشاءاللہ بہت سمجھ دار بچے لگتے ہو۔" میں نے موضوع بدلا۔

"جی میں اپنی امی کا بہت سمجھ دار بیٹا ہوں، میری مما بھی یہی کہتی ہیں۔" وہ اب بھی پراعتماد تھا۔

"بیٹا میں آپ کی امی کی دوست ہوں، آپ کی امی ایک مسئلے میں بہت بری طرح الجھ گئی ہے اور وہ آپ سے بھی شیئر نہیں کر پا رہیں، میں ان کے حوالے سے آپ سے کچھ پوچھوں گی، آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے، ہم صرف اچھے دوستوں کی طرح ڈسکس کرلیں گے۔" میں نے تمہید باندھی۔

"جی، مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ الجھ کر بولا۔

"آپ کے پاپا اور مما میں ڈائیورس ہو چکی ہے اور اب آپ کے پاپا دوسرے ہیں، کیا آپ دوبارہ اپنے پہلے والے پاپا کے پاس جانا چاہتے ہیں۔" میں نے کھل کر بات کرنی چاہئے، وہ کتنا ہی سمجھ دار ہو، بہرحال نو سال کا بچہ ہی تھا ناں۔

"میرے دوسرے پاپا بھی اچھے ہیں، مگر میں دوبارہ اپنی امی کے ساتھ پہلے والے پاپا کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے بھی مختصر اجواب دے دیا۔

"لیکن اب تمہاری مما تو دوبارہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔" میں نے اس کو سمجھانا چاہا۔

"میں بھی یہی سمجھتا تھا، مگر مجھے میرے ابو نے بتایا ہے کہ جمیل پاپا ان کو ڈرائیورس دے دیں گے۔" وہ اعتماد کے ساتھ گویا ہوا۔

"اگر ایسا نہ ہو اور آپ کو صرف ممی یا پاپا میں سے کسی ایک کو سلیکٹ یعنی چننا پڑے تو آپ کیا چوز کریں گے۔" میں اس کی پراعتمادی کو دیکھتے ہوئے صاف صاف بات کررہی تھی۔

"یہی تو پرابلم ہے، مجھے ان دونوں کے ساتھ رہنا ہے۔" وہ اپنی بات پر قائم رہا۔

"مگر پھر بھی ایسا نہ ہو، پھر تم کس کے ساتھ رہو گے، کیونکہ تمہارے اس طرح اپنے پاپا سے ملنے پر تو تم خود بھی بہت ڈسٹرب ہو جاتے ہو گے۔"

"میں ابو کے ساتھ رہوں گا، وہ اکیلے ہیں، میری مما تو اکیلی نہیں ہیں۔" اس نے اپنے حساب سے بہترین فیصلہ کیا تھا۔

"مگر تمہاری مما جنہوں نے کبھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑا، تمہارے پاپا تو باہر بھی چلے گئے تھے۔" میں نے اس کو کریدا۔

"اب میں بھی ان کے ساتھ باہر چلا جاؤں گا۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا، عالیہ صحیح کہہ رہی تھی، اس بے چارے نے دو سالوں میں 20 سالوں کا تجربہ حاصل کرلیا تھا۔

"اچھا آپ اپنی مما کو اندر بھیج دو اور آپ باہر ٹھہرو۔"

"عالیہ تم کو دل بڑا کرنا ہوگا، میں نے اپنی دوست وکیل سے بھی مشورہ کیا تھا، چونکہ تم شادی کر چکی ہو، اس لئے راحیل بذریعہ کورٹ تم سے فواد کو لے سکتا ہے، اس حقیقت کو تم کو قبول کرنا ہوگا، میں تم کو بھی یہی مشورہ نہیں دوں گی کہ تم جمیل کو چھوڑ کر دوبارہ راحیل سے شادی کرلو۔" میں نے عالیہ کو صاف صاف کہہ دیا۔ بہرحال عالیہ چھوٹی بچی نہیں تھی کہ میں بات گھما پھرا کر اسے سمجھاتی۔

"میں دو دن سے یہ تسبیح پڑھ رہی ہوں، مجھے بہت سکون ملا ہے اور میں نے کل اپنے والدین کو بھی صاف کہہ دیا ہے کہ میں جمیل سے ہرگز طلاق نہیں لوں گی، اگر فواد کی مرضی ہو تو بھی نہ ہو تو بھی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"جن کے بچے مرجاتے ہیں وہ لوگ بھی تو زندہ رہتے ہیں، فواد کم از کم اپنے باپ کے پاس تو رہے گا، فواد اپنے باپ کے پاس چلا جائے گا تو جمیل کے شک و شبہات بھی دور ہو جائیں گے۔" اس نے بات مکمل کی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو عالیہ، یہاں پر مصلحت سے کام نہیں چلے گا، فیصلہ فوراً کرنا ہوگا، تاکہ ذہنی پریشانی سے نجات حاصل ہو۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحبہ۔" ان دوائیوں کو کب تک استعمال کرنا ہے۔" یہ نیند کی دوائی جب تک ضرورت محسوس کرو اور یہ دوسری دوائی تمہیں کم از کم دس دن اور مستقل استعمال کرنی ہے، پھر تم میرے پاس آنا۔

"اور یہ تسبیحات کب تک پڑھوں۔" اس نے سوال کیا۔

"یہ بھی ابھی تو پڑھو، جب تک فواد کا کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا۔"

"ڈاکٹر صاحبہ عورت کتنی مجبور ہوتی ہے ناں۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے، یہ جو کچھ ہے عارضی ہے، مجبور آدمی بھی بہت ہوتا ہے، تم فضول سوالوں کو اپنے دماغ میں جگہ نہ دو، تم صرف اتنا سوچو کہ جو کچھ ہو رہا ہے، خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے، تم خود کو پرسکون محسوس کرو گی۔" میں نے اسے پھر سمجھایا۔

"السلام علیکم ڈاکٹر صاحبہ" عالیہ تقریباً دس دن بعد میرے پاس آئی۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیسی ہو عالیہ۔"

"پہلے سے بہت بہتر۔" وہ مسکرائی۔

"خود کو اب کیسا محسوس کررہی ہو۔" میں جو ابا مسکرائی۔

"سر درد تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اب میں نیند کی دوائی بھی نہیں لے رہی، ڈاکٹر میں نے ایک چیز محسوس کی کہ جمیل بھی میرے رویے کی تبدیلی کی وجہ سے خوش رہتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے ان سے شکایت محسوس ہوتی تھی، وہ بھی دور ہو گئی۔" وہ خاموش ہو گئی۔

"اور فواد" میں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

"مجھے فواد کی سمجھ میں نہیں آتی، اس کا رویہ عجیب ہوتا جارہا ہے، ابھی تک راحیل نے فواد سے دوبارہ کانٹیکٹ نہیں کیا ہے، اس لئے وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہے، میں نے چونکہ اس کی طرف توجہ کم کردی ہے اس لئے وہ مجھ سے دور ہوتا جارہا ہے۔" اس نے اپنے خدشات بیان کئے۔

"تم سب اپنی طرف سے سوچنا مت شروع کردیا کرو، ایسی باتیں آگے جا کر تمہارے ڈیپریشن کا سبب بنتی ہے، اصل میں راحیل نے تمہاری فیملی کو ڈسٹرب کردیا ہے اور سب سے زیادہ اثر فواد پر پڑا ہے، اس دن تم اچھی خاصی پریشان تھیں، اس لئے میں نے صرف تم کو فواد سے دستبردار ہونے کے لئے تیار کیا تھا، فواد اور میری درمیان کیا بات چیت ہوئی وہ میں نے تم سے نہیں کی تھی۔" میں نے رک کر بغور اسے دیکھا۔

"تو فواد کیا۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔

"پھر کچھ پہلے ہی سے اخذ کرلیا، اس کو صرف راحیل کے اکیلے ہونے کا احساس ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے، اگر تم اس کی جگہ ہوتیں تو تم بھی یہی فیصلہ کرتیں۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس لئے تم فواد کے رویے کو پازیٹو لو کہ جمیل اس کی الجھن سمجھ میں آنے لگے گی اور تم خود کو بھی ریلیکس محسوس کرنے لگو گی۔"

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" اس نے مجھ سے استفسار کیا۔

"فواد کو کون پڑھاتا ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"خود سے پڑھتا ہے، ذہین ہے اور سمجھ دار بھی، مجھے کبھی بھی اس کو پڑھانا نہیں پڑا، موٹیویشن کی ہے ہر چیز خود کرلیتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور طلاق ہونے کے بعد بھی اس کی پڑھائی میں فرق نہیں پڑا۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بلکہ اپنے ماموں کے گھر تو جب تک رہا اور زیادہ کتابوں میں گم ہو گیا تھا، مجھ سے بھی کم بات کرتا تھا۔" اس نے جواباً کہا۔

"اس کی وجہ تم کو کیا سمجھ میں آئی۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"جو لوگ تبصرے کرتے ہیں شاید وہ ان سے بچتا تھا، میں نے جو لعن طعن سنی ہے وہ بھی میرا دل ہی جانتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، آپ یقین کریں گی راحیل کی ایک کزن نے دو بچیاں ہونے کے باوجود اپنے شوہر سے خلع لے لی اور پھر عدت پوری ہوتے ہی اپنے کسی کزن سے شادی کرلی، دراصل وہ دونوں دشمنی ختم ہوئی، اس کی کزن نے اپنے بچوں کا لحاظ کئے بغیر خلع لے کر دوسری شادی کرلی، اس واقعے کے فوراً بعد مجھے طلاق ہوگئی، اس لئے میرے متعلق بھی کئی قسم کی قیاس آرائیاں ہوئیں، مگر آہستہ آہستہ سب باتیں ختم ہوتی چلی گئیں اور پھر میں راحیل ہی کے کہنے پر طلالے کے لئے تیار ہوئی تھی۔" اس نے مجھے ایک واقعہ سنادیا۔

"ایک بات بتاؤ، تم جو یہ راحیل کی کزن کا واقعہ سنا رہی ہو، اس کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا تھا۔" میں نے سوال کیا۔

"وہ شخص راحیل کا دوست تھا، مجھے راحیل نے بتایا تھا۔" اس نے وضاحت دی۔

"یعنی تم نے ایک طرف کی بات سنی تھی۔" میں نے بغور اس کو دیکھا۔

"ہاں، مجھے اس عورت پر بہت غصہ آیا تھا، ایسی عورتوں کی وجہ سے تمام عورتیں بدنام ہوتی ہیں، مجھے تو وہ کہیں ملتی ہے تو میں اس سے زیادہ بات بھی نہیں کرتی۔" وہ بہت عجیب انداز میں اس عورت کے متعلق بات کررہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے تم کیا کررہی ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کیا مطلب.....؟" وہ حیرت سے بولی۔

سب سے پہلے تم غیبت کررہی ہو اور اگر یہ بات جھوٹی ہوئی تو بہتان ہے، چونکہ تم نے صرف ایک طرف کی باتیں سنی ہیں تو ممکن ہی ہو وہ بہتان ہو اور اس وجہ سے تم کسی سے نفرت کررہی ہو، سوچو تو سہی تم کتنا بڑا گناہ کررہی ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، یہ سورۃ حشر کی آیت نمبر 10 ہے۔ اس طرح حدیث میں

ہے کہ غیبت زنا سے زیادہ اشد ہے۔ "بلاوجہ ہم لوگوں کی سنی سنائی باتوں سے دوسرے لوگوں کے متعلق دل میں کینہ رکھتے ہیں۔"

اور پھر ہم جب کسی بندے کو اس کے گناہ کی وجہ سے حقیر جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں اسی گناہ میں مبتلا کردیتے ہیں، اسی لئے کسی قابل حیرت پر بھی حیرت نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہمیشہ عاجزی میں رہنا چاہئے، وہ کئی لمحے تو گنگ رہی، پھر کہنے لگی۔

"اف، ہماری دین سے دوری دیکھئے، ہوسکتا ہے بھی اسی آزمائش میں اسی وجہ سے مبتلا ہوئی ہوں۔" اس نے خود کی پریشانی کو جانچ لیا۔

"بس تم زیادہ سے زیادہ استغفار کرو اور دوسروں سے متعلق باتیں نہ کرو، یہ گناہ کبیرہ ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ڈاکٹر صاحبہ ایک اور بھی بات مجھے یاد آرہی ہے، میری ایک جاننے والی نے گھر سے بھاگ کر شادی کرلی تھی اور اس کے بعد اس کے ابو بہت بیمار رہنے کے بعد چل بسے تھے، تو ہم اس کے متعلق بھی بہت باتیں کرتے تھے، اسی طرح میرے ماموں کی بہو۔"

"پلیز عالیہ چپ ہوجاؤ، مجھے پتہ ہے ہم صرف اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں، ہمارے معاشرے میں دوسروں کے متعلق باتیں کرنا تو ایک بہترین مشغلہ ہے، ہم کو معلوم ہی نہیں ہے، اپنی باتوں میں کس طرح لوگوں کی غیبتیں کرتے ہیں اور یہی غیبتیں بڑھ کر بہتان بن جاتی ہے، سو چو ان سب باتوں کا کتنا گناہ ہوگا، جو ہوگیا اس پر توبہ کرو، اگر ہم سب دوسروں کی نوٹہ چھوڑ دیں گے تو خود جنت جاسکیں گے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بہشتی زیور میں عورتوں کی اصلاح کے لئے ساتویں حصے میں ان تمام باتوں کا بہت تفصیلی ذکر ہے اسے پڑھو اور اپنی اصلاح کرو اور استغفار کرو۔

"جی میں ضرور پڑھوں گی، اب کب آؤں ڈاکٹر۔"

"جب تم کو ضرورت محسوس ہو چکر لگالینا، اب تو تمہارا

ڈیپریشن دور ہوچکا ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

پھر عالیہ تقریباً چھ مہینے بعد میرے پاس آئی۔

"کیا حال ہیں عالیہ۔" میں نے عالیہ سے حال احوال دریافت کئے۔

"ڈاکٹر صاحبہ فواد اپنے باپ کے پاس جاچکا ہے جبکہ میں۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"تم شاید اس بات کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی۔" میں نے اس کو یاد دلایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، میں جتنی بھی بہادر بن جاؤں مگر میرا دل تو ایک ماں کا دل ہے، میں کیا کروں، میری سمجھ میں نہیں آرہا، میں پریگننیٹ بھی ہوں، جس کی وجہ سے جمیل مجھے یہاں لے کر آئے ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ میں خوش رہوں، میں کیسے خوش رہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا، مجھے لگتا ہے میں فواد کا حق مار رہی ہوں، میں کچھ دن سیٹ رہتی ہوں، پھر دوبارہ وہی حال ہوجاتا ہے، میرا دل کسی چیز میں نہیں لگتا، میرا دل کرتا ہے میں ہر چیز توڑ پھوڑ دوں، میں نے خود اپنے ہاتھوں مصیبت مول لی ہے، نہ میں شادی کرتی نہ میرا بچہ مجھ سے دور ہوتا۔" وہ بڑے کرب سے بولی۔

"اللہ تعالیٰ نے تم پر اتنا بڑا فضل کیا ہے، تو تم شکر ادا کرنے کے بجائے مزید ناقدری اور ناشکر گزار ہورہی ہو، کیا تم فواد سے پہلے زندہ نہیں تھیں، اب اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو اس حقیقت کو قبول کیوں نہیں کرتیں، اس کے بدلے میں جمیل اور پھر اب آنے والا بچہ تمہارا تو سر شکر سے اٹھنا ہی نہیں چاہئے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔" ذرا کیا ساری زندگی تمہارے ساتھ رہے گا، تھوڑے عرصے بعد وہ اپنی پڑھائی کرے گا، پھر شادی ہوجائے گی، پھر کون سا فواد اور کیسا فواد، صرف شوہر اور بیوی کا رشتہ ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے جو آخر وقت تک ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، خدانخواستہ فواد مرجاتا پھر تم کیا کرلیتیں۔" میں نے اس کو ٹھیک ٹھاک ڈانٹ دیا۔

"مردوں پر صبر آجاتا ہے جینے جی صبر نہیں آتا۔"

"سب تمہاری فضول سوچیں ہیں، اگر تم شکر ادا کرنا شروع کردو تو تم کو جب فواد یاد آئے گا تو تمہاری یہ حالت نہیں ہوگی، اچھی کتابیں پڑھو، قرآن پاک زیادہ سے زیادہ پڑھو۔" میں نے اس کو پھر سمجھایا، اب ہر ہفتے میرے پاس باقاعدگی سے آیا کرو۔"

عالیہ پھر ہر ہفتے باقاعدگی سے میرے پاس آتی رہی اور میں بہتیری زیور سے کافی چیزیں اس کو مارک کرکے پڑھنے کے لئے دیتی رہی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹی سے نوازا، اس کے بعد وہ ایک عرصے تک میرے پاس نہ آسکی، پھر ایک روز میرے پاس آئی تو اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"السلام علیکم ڈاکٹر صاحبہ کیسی ہیں آپ۔"

"وعلیکم السلام الحمدللہ، بڑی خوش نظر آرہی ہو۔"

"مجھے شکر ادا کرنے پر خدا کی نعمت ہوئی ہے۔" وہ مسکرائی۔

"میں سمجھی نہیں، آپ کے مستقل سمجھانے پر اور دینی کتابیں پڑھنے پر میں فواد کے خیال آنے پر جب شکر کرتی تھی، تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے میری مشکل آسان کردی، راحیل کے دوسری شادی کرلی اور اس کی بیوی نے فواد کو واپس میرے پاس بھیج دیا، فواد اب اتنا سمجھ چکا ہے کہ وہ میری ہر بات کو نہ صرف مان لیتا ہے بلکہ جمیل اور مرشد کا بھی اتنا ہی خیال کرتا ہے، میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں، کم ہے کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مجھے اپنے شکر گزار بندوں میں شامل کرلیا۔"

"لیکن یہ زندگی ہے دکھ، سکھ ساتھ چلتے رہیں گے، کبھی بہت بڑی بڑی پریشانیاں بھی آئیں گی پھر کیا کرو گی۔" میں نے اس کو بغور دیکھا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ صبر اور نماز سے تمام مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں اور آپ نے بتایا تھا کہ قرآن مجید میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سورۃ البقرہ کی آخری آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"

"یاد ہے تمہیں۔" میں نے اس کو سکرا کر دیکھا۔

"جی بہت اچھی طرح۔" وہ بھی جواباً مسکرائی۔

"اور وہ غیبت، کینہ اور بہتان والی باتیں یاد ہیں۔"

میں نے اس کو یاد دلایا۔

"جی اس چیز سے تو اب بہت ڈرتی ہوں، غیر ضروری باتوں سے بچتی ہوں، غیر ضروری باہر آنے جانے سے احتراز کرتی ہوں، تب ہی تو آپ کے پاس آتے ہوئے اتنے دن ہوگئے، ارے گاڑی میں رمشہ رو رہی ہے، ٹھیک ہے ڈاکٹر میں چلتی ہوں۔

"کس کے پاس ہے رمشہ۔" میں نے پوچھا۔

جمیل اور فواد دونوں ہیں اور یہ فواد نے مسیج کیا ہے، شکریہ ڈاکٹر صاحبہ بہت بہت شکریہ۔

☆.....☆.....☆

انسان سوچتا ہی نہیں کہ اللہ کے کتنے احسانات ہیں، ذرا سی عقل ہو تو سوچے، اللہ کے کتنے احسانات ہیں، کیسا مقام ہے کتنی نعمتیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مقام صبر ہے ہی نہیں، ہر مقام مقام شکر ہے، یہ تو انسان کی ناشکری، ناقدری، بے ہمتی اور ہوس کی بات ہے، اگر وہ یہ سمجھے کہ اس کے پاس نعمتیں نہیں اور وہ صبر کر رہا ہے، دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتیں نہ ہوں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب انسان پر کوئی مصیبت آئے تو اس پر تین شکر واجب ہیں۔

(۱)..... الحمدللہ! کہ یہ مصیبت دینی نہیں ہے، دینی نہیں، دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

(۲)..... الحمدللہ! چھوٹی مصیبت ہے بڑی مصیبت نہیں، دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں ہیں۔

(۳)..... الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مصیبت میں صبر کی توفیق عطا فرمائی، جزع و فزع سے حفاظت فرمائی اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

"جس نعمت پر شکر ادا کرو گے، میں اس نعمت میں ضرور زیادتی کروں گا۔"

راضی برضا ہوں تو سکون ابدی ہے
ہر درد میں آرام ہے، ہر غم میں خوشی ہے

☆.....☆.....☆

اللہ کا ذکر

ہالینڈ کے ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ لفظ "اللہ" کا ذکر افسردگی اور ذہنی تناؤ کے شکار مریضوں کے لئے بہترین علاج ہے۔ ڈچ پروفیسر گزشتہ تین برس سے مریضوں پر تجربے کر رہے ہیں، ان میں بیش تر مریض غیر مسلم تھے، جب انہیں لفظ اللہ صاف طور پر بولنے کی تربیت دی گئی تو اس کا غیر معمولی نتیجہ برآمد ہوا، ماہر نفسیات کے مطابق اللہ کا ذکر ہر امراض میں موثر ہے۔ پہلا لفظ "الف" نظام تنفس سے خارج ہوتا ہے اور سانس کو کنٹرول رکھتا ہے۔ دوسرا حرف "ل" کی ادائیگی سے سانس کے تناؤ کو عافیت ملتی ہے۔ "تیسرا حرف "ہ" پھیپھڑے اور دل کے رابطے کو کنٹرول کرتا ہے، جو مسلمان بلا ناغہ قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کرتے ہیں، وہ خود کو ہر بیماری سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

قرآن پاک

قرآن کیا ہے؟ (۱) جو پوری دنیا کی کتابوں کا سردار۔ (۲) کتاب کو لانے والے جبرائیل علیہ السلام جو فرشتوں کے سردار۔ (۳) جن پر اتارا وہ نبیوں کے سردار، محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۴) جس امت پر اتارا وہ امتوں کی سردار مسلمان۔ (۵) جس شہر میں اترا وہ امتوں کی سردار مکہ مدینہ۔ (۶) جس مہینے میں اترا وہ مہینوں کا سردار رمضان۔ (۷) اور جس رات کو اترا وہ راتوں کی سردار لیلۃ القدر۔ یہ ہے قرآن جو ہماری وراثت ہے۔ (سبحان اللہ)

(فضا عبدالرزاق، مدرسہ فیض القرآن)

کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں.....



بنت مولانا عبدالمجید

قسط نمبر 3

امدادی قافلہ اپنا تمام سامان سمیٹ کر خیمہ زن ہو چکا تھا، مولانا جنذب مسجد میں اپنے چند رفقاء کے ہمراہ بیٹھے گہری سوچ میں غرق تھے۔

استاد محترم! کیا آپ اپنی پریشانی سے ہمیں آگاہ کر سکتے ہیں؟ ایک آواز ابھری۔

ہوں..... انہوں نے سر ہلایا..... پھر دھیرے سے بولے..... مجھے یہ نیا قافلہ مشکوک لگتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمدردی و غمخواری کی غرض سے نہیں آئے بلکہ کسی دشمنی سے آئے ہیں۔

ابھی تو انہیں آئے ہوئے چند گھنٹے ہی ہوئے ہیں لیکن آپ نے کیسے پہچانا کہ یہ غلط لوگ ہیں؟ ایک سوال ہوا۔

مولانا جنذب نے نظریں اٹھائی اور بولے، باطل اور حق دونوں ایسے نشانات ہیں کہ خود ہی پہچانے جاتے ہیں، باطل اپنی رسوائی اور حق اپنی نورانیت سے پہچانا جاتا ہے اور کسی تعارف کا محتاج نہیں ہوتا، پھر بھی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ مجھے کشف ہوا ہے، بلکہ میں نے ان کے امدادی سامان کے ڈبوں پر ایک چھوٹی سی تصویر دیکھی ہے اور وہ تصویر مرزا غلام قادیانی کی ہے، بس مجھے یہ ہی محسوس ہو رہا ہے کہ یہ قادیانی گروہ ہے، اور آگے یہ کیا کریں گے، یہ آپ خود جانتے ہیں۔

مولانا جنذب کی بات سن کر بعض ساتھیوں کو تو سانپ سونگھ گیا اور جو قادیانی چہرے سے واقف نہیں تھے، وہ آنکھیں بائیں شائیں کرنے لگے، مولانا جنذب کا تخمینہ درست ہوا اور اگلے روز سے ہی نئے قافلے نے اپنی کارروائی شروع کر دی، وہ خیمہ خیمہ جا کر بہترین انداز میں دادرسی کرتے، ان کے پاس صرف باتوں کے ہتھیار نہیں بلکہ نیا اور جدید سامان، خوراک، پھل، عمدہ پوشاک وہ تقسیم کرتے پھر رہے تھے، ان کی امدادیوں تقسیم ہو رہی تھی جیسے پانی کا ٹھہرنا بہہ رہا ہو، متاثرین کی مجبوری اور ابتری نے انہیں حق و باطل کی پہچان سے یکسر بے نیاز کر دیا تھا، انہیں پیٹ کی آگ بجھانے، تن کو ڈھانپنے کے لئے اور سر چھپانے کے لئے جو دو کوڑی بھی دیتا وہ اسی کے زر خرید غلام بن جاتے۔

مولانا جنذب کے ساتھی اور خود وہ لوگوں کو راہِ حق سمجھانے کی تگ و دو کر بھی کیسے سکتے، وہ جس کے قریب جاتے، پہلے آواز آتی، او ملا ہمیں تیری تقریریں نہیں چاہئے، اگر اپنی شہرت بڑھانی ہے تو جا کر کسی شہر میں خطابت جھاڑ!!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ وہیں سے واپس پلٹ آتے، اصل مسئلہ یہ تھا کہ ان کی امداد ختم ہو چکی تھی اور مزید امدادی سامان ابھی تک پہنچا نہیں تھا جبکہ نیا باطل قافلہ سامان کے زور پر لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور اپنے عقائد گھول گھول کر پلا رہا تھا، باطل کے یکدم یوں چھا جانے کی وجہ سے مولانا جنبو نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، رات کی سنسان ساعتوں میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اجتماعی دعا کروا رہے تھے، ان کی غم میں ڈوبی دلسوز آواز گونج رہی تھی اور دبی دبی سسکیاں سب کو آہوں پر مجبور کر رہی تھیں، وہ دامن پھیلائے دست بدعا تھے۔

یا ارحم الراحمین! حق کو غلبہ عطا فرما، میرے مولا! باطل کو تو ہے ہی شکست خوردہ، تو اس کا فریب لوگوں پر ظاہر فرما، میرے الٰہ العالمین تو میرے مسلمانوں کو جگادے، پرامن علاقوں اور تیری نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والے مسلمانوں کو جگا دے کہ وہ تیرے حق کی نصرت کے لئے امداد بھیج دیں، یااللہ تو مدد فرما، دوستوں کے عوض ان مسلمانوں کو ایمان کا سودا کرنے سے بچا.....

ان کی اسی فریاد میں کئی ساعتیں گزر گئیں اور دعائے نیم وا رنگ لائی کہ صبح ہی کراچی سے امدادی سامان کے دو ٹرک آ گئے جبکہ ایک ٹرک راستے میں لوٹ لیا گیا، مال لٹنے کی خبر نے ان کے دل پر ایک اور برچھی چلائی، غریبوں کے لقمے لوٹنے والوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ان کی یہ آزادئ طبیعت وعشرت پسندی کہیں کئی مسلمانوں کو ایمان کا سودا کرنے پر مجبور نہ کر دے۔

مولانا جنبو اور ان کے ساتھیوں کے چہروں پر خوشی کے رنگ کھل اٹھے، ایک نے دوڑ کر امداد کی تقسیم کا اعلان کر دیا اور متاثرین کا جمگھٹا لگ گیا، سردی کی شدید لہر اٹھی تھی جس کے باعث سب کو گرم کپڑوں کی ضرورت تھی، مولانا جنبو نے چادر بچھوا کر ان پر کپڑوں کے ڈھیر لگوا دیئے۔

او بابو!! یہ لنڈے کا مال اپنے پاس رکھو، وہ والے لوگ ہمیں اس سے اچھے کپڑے دیتے ہیں۔

ایک بوڑھے نے کہا تو مولانا جنبو پانی پانی ہو گئے۔

کتنے ناشکرے ہیں یہ لوگ..... عاکف نے دھیرے سے کہا۔

خاموش عاکف!! وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، تم خود دیکھو نا..... ہمارے مسلمان امداد میں وہ دیتے ہیں جو ان کے لئے ناکارہ ہو، ان کپڑوں کی طرف دیکھو، ان میں چند کے سوا سب گھس گھس کر پرانے ہو چکے ہیں، کئی کپڑے پیوند زدہ اور بہت سے تو جگہ جگہ سے جلے ہوئے ہیں، یہ لوگ وہ بھیجتے ہیں جو کسی کو دینے کے قابل نہیں ہوتا۔

لیکن مولانا! ان لوگوں کے لئے تو یہ بھی غنیمت ہے نا کہ انہیں مل رہا ہے، عاکف نے کہا۔

یہ اس وقت غنیمت ہوتا جب ان کے سامنے دشمنانِ اسلام کا کیمپ نہ ہوتا، دونوں جانب کی امدادی کارروائی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ تو مسلمانوں کا ایمان خریدنے آئے ہیں، لہٰذا اس کے لئے قیمتی سے قیمتی سامان ساتھ لائے ہیں۔

مولانا! ہمارے ہاں تو زائد از حاجت اور فالتو سامان غرباء کو دیا جاتا ہے، ٹھیک ہے غریب ان کوڑیوں پر راضی ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں اتنی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے، قرآن پاک میں صاف ارشاد موجود ہے کہ: ”لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون“ اپنی محبوب چیز قربان کرنے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے دوست..... یہ متاثرین تو ایسے لوگ ہیں جو آج سے پہلے عیش وعشرت میں تھے، اس لئے یہ زیادہ محسوس کرتے ہیں، ہمیں کم از کم انہیں اعلیٰ نہیں تو متوسط چیز دینی چاہئے، اب یہ سویٹر ہی دیکھو..... مولانا جنبو نے ایک سویٹر اٹھا کر انہیں دکھایا جس پر جگہ جگہ بڈھا دار، اکھڑے ہوئے بٹن اور ابھری ہوئی روئی نمایاں تھی، یہ سویٹر اگر اپنے استعمال کا نہیں رہا تو کوئی اور کیسے استعمال کرے گا اور اگر اتنی کفایت شعاری ہے کہ کپڑے میں

ڈالتے ہوئے دل کڑھتا ہے تو اسے اپنے گھر کا پوچھا بنا لیا جائے، پرانے کپڑے صرف غریبوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے گھر کے دیگر مصارف میں بھی استعمال ہو سکتے ہیں، انہیں جھاڑن، پوچھا، پائیدان یا بستروں میں بھر لیا جائے اور جو قیمت ان چیزوں کے لئے خرچ ہو رہی ہے، وہ غریبوں کو دی جائے تو کتنا اچھا ہو..... !! مولانا جنبو خاموش ہوئے تو سب نے اثبات میں سر ہلایا، مولانا نے بات ہی بہت پتے کی تھی۔

☆.....☆.....☆

آیانی کے کمرے کی کھڑکی سے وقتاً فوقتاً سے کوئی چیز نچ رہی تھی، آیانی کا بستر کھڑکی کے ساتھ ہی تھا، اس نے ٹھہرا کر ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ سمجھ نہ آیا، وہ مکمل میں اچھی طرح لپٹ گئی اور بمشکل سونے کی کوشش کرنے لگی، بہت کوشش کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی، صبح اس نے اس واقعے کا ذکر گھر میں سب سے کیا۔

تمہارا وہم ہوگا، عابش نے کہا۔

آج تک یہاں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا، پھر کل کیسے ہو گیا، منہل نے بھی حیرت سے کہا۔

پھوپھو میں نے خود اپنے کانوں سے ٹھک ٹھک کی آواز سنی ہے، اس نے یقین دلانے کی کوشش کی، تمہیں صبح جگانے کے لئے دھول بھی پیٹا جائے تو تمہاری آنکھ نہیں کھلتی، پھر تم نے ٹھک ٹھک کیسے سن لی، عابش نے مذاق اڑایا، اس نے یقین دلانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی نہ مانا اور وہ بھی چپ ہو گئی، مگر یہ وہم نہ تھا اس سے اگلے روز بھی اس نے اسی طرح کی آواز سنی تو اس نے فوراً جا کر منہل پھوپھو کا دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

منہل نیند سے مخمور آنکھیں لئے اٹھی اور اسے گھبرایا ہوا دیکھ کر پریشان ہو گئی، کیا ہوا چندا.....؟؟ وہ..... پھوپھو کوئی مجھے بلا رہا ہے؟!

ہیں..... کون بلا رہا ہے؟؟ ابھی کہیں نہیں جانا..... منہل کی نیند یکدم سے اڑ گئی اور وہ اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

نہیں وہ..... کوئی میری ونڈو بجا رہا ہے کل کی طرح..... آیانی نے بات سنبھالی۔

چلو تم ایسا کرو الہام کے کمرے میں سو جاؤ، صبح ہوتے ہی میں چیک کرواؤں گی کہ کیا مسئلہ ہے۔

منہل نے اسے تسلی دی اور الہام کے کمرے میں بھیج دیا، وہ بھی پریشان ہو گئی تھی کہ کیا ہو گیا ہے، پوری رات وہ بھوت، پریت، آسیب اور جنات کے بارے میں سوچتی رہی، صبح ناشتے کے دوران اس نے ارغد کو آیانی کے ساتھ بیتا ہوا واقعہ سنایا تو وہ بھی حیران ہو گیا۔

میں آج ہی کوئی عامل یا پیر بلواتا ہوں جو آ کر دیکھے کہ یہ کیا ماجرا ہے، ارغد کا ذہن بھی فوراً جنات کی طرف گیا۔

شام کو ارغد جب گھر لوٹا تو اس کے ہمراہ بڑی بڑی مونچھوں اور گھنی میلی کچیلی داڑھی، لمبا کرتہ اور سر پر روایتی پگ والا ایک عامل بابا تھا۔

ارقم جا کر ماما سے کہو کہ بابا کے لئے چائے بنا دیں، ارغد نے اسے کہا اور ارقم کچن کی طرف چلا گیا جبکہ ارغد اسے آیانی اور عابش کے آنے سے لے کر کھڑکی بجنے تک کی داستان سنانے لگا، ساری بات سن کر عامل بولا:

سخت قسم کا جادو ہے، میں حساب لگا کر عمل بتاؤں گا، کچھ تعویذ بھی بنا دوں گا، البتہ حساب ذرا سخت ہے، اس کے لئے ایسا جانور قربان کرنا پڑے گا، جس کے بدن پر تمام بال ایک ہی رنگ کے ہوں اور ایک دھبہ بھی نہ ہو، اس کی بات سن کر ارغد پریشان سا ہوا، ایسا جانور کہاں سے ملے گا؟؟

ہوں..... ہوں..... عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے، تم ستر ہزار روپے مجھے دے دو، میں قربان کروا دوں گا۔

بہت بہتر..... ارغد نے لاچار ہو کر دھیمی سی آواز میں کہا۔

ہاں تو بچی کا نام کیا ہے؟ اس نے اپنے سامنے کاغذ پھیلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آیانی..... ارغد نے بتایا، اسی لمحے ارقم چائے کی ٹرے تھامے اندر آیا اور اسی کے سامنے رکھ کر واپس پلٹا۔

عمر کیا ہے اور شادی شدہ ہے یا نہیں؟ عامل نے پوچھا۔

ارقم دروازے تک پہنچا تو وہ صرف شادی سن سکا، اس سے آگے کی بات اس نے نہیں سنی تھی، وہ زیرلب بڑبڑایا۔

"بچی کا نام کیا ہے؟ عمر کیا ہے اور شادی.....؟؟؟"

وہ قیاس کے گھوڑے دوڑانے لگا، اسی دن نما کہہ رہی تھی کہ آیانی کی شادی ہو جائے گی تو سدھر جائے گی، کیا پاپا ان کی شادی کر رہے ہیں، یقیناً شادی ہی ہو رہی ہوگی۔

وہ سیدھا آیانی کے کمرے میں گیا جہاں آیانی، عابش اور الہام بیٹھی مونگ پھلیاں کھا رہی تھیں۔

آیانی باجی..... آپ کے دولہا بھائی آئے ہوئے ہیں۔

یہ کیا بکواس ہے ارقم!! وہ غصہ ہوگئی۔

مذاق نہیں کر رہا میں..... جا کر دیکھ لیں نیچے.....

پاپا کے ساتھ بیٹھے ہیں..... میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ پاپا نے انہیں آپ کا نام، عمر بتائی ہے اور وہ شادی کا کہہ رہا ہے، ارقم اتنا سنجیدہ تھا کہ آیانی اور عابش منہ کھولے ایک دوسرے کو تکتی رہ گئی۔

الہام جاؤ تم دیکھ کر آؤ..... یہ سچ کہہ رہا ہے یا نہیں..... عابش نے الہام کو ڈرائنگ روم کی طرف بھیجا۔

الہام نے دیکھا تو واقعی ایک آدمی بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا۔

آیانی کے والدین اور باقی گھر والے کہاں ہیں؟

وہ تو سب کراچی میں ہے، یہ چھٹیاں گزارنے ہمارے پاس آئی ہے اور اب اس کی وجہ سے ہم پریشان ہیں، یہ آواز ارغد کی تھی۔

الہام نے آنا فانا یہ بات کمرے میں پہنچا دی، منہل ان سب سے بے نیاز اپنے کمرے میں کپڑے استری کر رہی تھی، اسے خبر ہی نہ تھی کہ وہاں کیا ہنگامہ ہو گیا ہے۔

کیا ہم پھوپھا پر اتنا بوجھ بن گئے ہیں..... آیانی کی آنکھیں بھر آئی اور ٹھوڑی ہی دیر میں اس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا، عابش کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز تھیں، رونے کی آواز سن کر منہل آ گئی، اسی سے آیانی کو زوردار چکر آیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

آیانی..... کیا ہوا.....؟ عابش چیختے ہوئے اس کی طرف آئی، اس کی چیخ ارغد نے سن لی تھی، وہ دوڑ کر آیا تو آیانی بے ہوش تھی، اس نے کچھ پوچھے بغیر ہی پیر صاحب کو کہا کہ اس کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔

پیر صاحب حق ہو کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے، عابش نے آیانی پر چادر ڈال دی، صرف چہرہ کھلا رہنے دیا، پیر صاحب اس کے قریب بیٹھ کر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے، پھر بھاری آواز میں بولے، اس پر سخت قسم کا سایہ ہے اور ایک جن عاشق ہو گیا ہے۔

کمرے میں موجود تمام لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

پیر صاحب نے آیانی کو بالوں سے پکڑ کر ایک زور دار جھٹکا رسید کیا، عابش نے شدت سے آنکھیں بھینچ لیں۔

ادھر پیر صاحب اس کے چہرے پر پھونکیں اور پانی برسا رہے تھے، آیانی نے شدت کرب سے آنکھیں کھول دیں، اپنے سامنے خوفناک آنکھوں والے پیر بابا کو دیکھ کر چلائی، پیر بابا نے اس کے انگوٹھے کو زور سے دبایا تو آیانی چیخی..... میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ، مجھے واپس بھیج دو!!

دیکھا کوئی اسے لے کر جانا چاہ رہا ہے، پیر بابا نے پیشین گوئی کی۔

تو ارغد اس کے قریب آیا..... بیٹا آپ کو کون لے کر جا رہا ہے؟

یہ والا بابا..... اس نے آنسو صاف کیے اور ترخ سے بولی، آپ مجھے اس کے ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں نا،

پلیز ڈاکٹر پھوپھا مجھے واپس تایا جی اور بے جی کے پاس بھیج دیں، آیانی کے لہجے میں کرختگی تھی، اس کا انداز نہیں سے نہیں بتا رہا تھا کہ اس پر آسیب ہے۔

ارغد نے حیران و پریشان ہو کر بابا جی کی طرف دیکھا، وہ مسلسل سر ہلا ہلا کر کچھ پڑھ رہے تھے۔

ارقم نے دھیرے سے عابش کے قریب ہو کر کہا..... شاید یہ نکاح پڑھا رہا ہے، منہل نے اس کی بات سن لی تو اسے گھور کر دیکھا اور کہا۔

بیٹا صد میں رہو..... اس کی بات سن کر ارغد متوجہ ہوا۔

کیا ہوا؟؟

کچھ نہیں..... منہل نے نفی میں سر ہلایا۔

ہاں بچیا..... آواز تجھے کب سے آتی ہے؟ پیر نے اب آیانی کو باتوں کے دباؤ میں پھنسانے کی کوشش کی۔

کون سی آواز..... آیانی وہ آواز بھول گئی تھی۔

آیانی یہ آپ کا علاج کرنے آئے ہیں، رات کو جنات آپ کے کمرے کی کھڑکی بجاتے ہیں نا تو یہ انہیں بھگا دیں گے، منہل نے اسے سمجھایا۔

ہیں علاج..... !! آیانی حیران ہوئی، اسے یاد آ گیا کہ کل منہل نے کہا تھا کہ کچھ کروں گی، اس لئے وہ پیر بابا کو بلوا چکی تھی۔

"لیکن رقم تو کہہ رہا تھا کہ پاپا آپ کی شادی کر رہے ہیں اس بابے سے....." آیانی نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا، تو ارغد نے مزاکرا رقم کو دیکھنا چاہا لیکن وہ کب کا باہر نکل چکا تھا۔

گدھا ہے ارقم، خبر لیتا ہوں اس کی..... یہ کہہ کر ارغد کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن پیر بابا کی آنکھیں تو چمک اٹھی تھیں۔

ارے جن بہت سخت ہے، اگر جلد کچھ نہ کیا تو وہ آیانی کے ہاتھوں تم سب کی جان لے لے گا، میں اس کا علاج کروں گا، اگر ٹھیک نہ ہوئی تو اسے میرے ساتھ بھیجنا ہوگا، میرے خوف سے جن اس کے قریب بھی نہیں آئے گا، میں نے کئی لڑکیوں کا علاج اس طرح کیا ہے، پیر کے خوفناک عزائم سن کر آیانی اچھل کر اس سے کچھ دور بیٹھ گئی جبکہ ارغد نے بھی شدت غضب سے مٹھیاں بھینچ لیں، قبل اس کے کہ وہ پیر بابا کو مارکسید کرتا، ارقم بھاگتا ہوا آیا..... یہ رہا جن.....!! اس کے ہاتھ میں لمبا سا موٹا دھاگہ تھا، جس کے آخری سرے پر اسٹیل کی چھوٹی سی پیالی بندھی تھی۔

یہ کیا ہے؟ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

یہ پیر بابا کا جن ہے جو آیانی آپی پر عاشق ہے، روزانہ رات کو ان کی کھڑکی بجاتا ہے، ارقم نے دبی دبی ہنسی میں کہا، پیر بابا سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہے تھے۔

پاپا..... اسکول میں سر ریاض نے پرندوں کو دانہ، پانی دینے کی ترغیب دی تھی تو میں نے اس برتن کے ساتھ دھاگہ باندھ کر آیانی آپی کے کمرے کی کھڑکی سے باندھ دیا، دھاگہ اوپر کی طرف تھا، اس لئے پیالی کھڑکی کے درمیان تک پہنچتی تھی اور جب ہوا تیز ہوتی ہے تو یہ پیالی کھڑکی سے بجتی ہے، بس یہ ہے جن کہانی۔

ارقم نے جب بتایا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ رینگ گئی اور پیر صاحب ہکا بکا بیٹھے تھے، ارغد غصے سے اس کی طرف بڑھا..... ظالم فراڈیے..... تم نے مجھ سے جانور، پیسے اور نہ جانے کیا کیا مانگ لیا اور اتنا بڑا جھوٹ بولا، نجانے کتنے لوگوں کو تم لوٹتے ہو دن بھر میں..... میں پولیس میں تمہاری رپورٹ درج کرواتا ہوں، میڈیا پر لے کر جاؤں گا تمہیں..... ارغد نے غصے سے کہا، پیر صاحب اس کے پاؤں پر پڑے معافی مانگ رہے تھے اور اس نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی، لیکن جاتے جاتے ارغد سے منت سماجت کی کہ اس راز کو کسی پر آشکار کر کے اس کی روزی بند نہ کرے، پیر کے گھر سے نکلتے ہی ارغد نے ارقم کا کان پکڑا اور اسے اپنے کمرے کی طرف لے کر چلے گئے..... برخوردار!! پیر تو بچ نکلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب تم کہاں جاؤ گے؟؟ آؤ ذرا اپنی نیکیوں اور بدیوں کا حساب کروالو۔

اور کمرے میں قہقہے بلند ہونے لگے جبکہ آیانی نے شرمندگی سے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپالیا۔

☆.....☆.....☆

عاکف ایک خیمے کے قریب سے گزر رہا تھا تو اندر سے آنے والی آواز نے اسے رکنے پر مجبور کردیا، وہ کان لگا کر کھڑا ہوگیا۔

کوئی کہہ رہا تھا..... صاحب تم یہ فقیری کی زندگی چاہتے ہو یا آرام، اپنی بوڑھی ہڈیوں پر رحم کرو، اپنے ناتواں بچوں، بیٹیوں اور بیوی کا خیال کرو، اگر تم یہیں رہے تو زندگی برباد ہوجائے گی، ہمارے مذہب اور بات کو تسلیم کرلو، ہم تمہیں اچھی رہائش اور عمدہ زندگی دیں گے، فی الحال یہ دس ہزار رکھ لو اور خوب سوچو.....

عاکف پر بجلیاں گریں، انہیں کوتو مولانا جندب نے ایمان کا ڈاکو کہا تھا، یہ پیسوں سے ہمارا ایمان خریدنے آئے ہیں۔

خیمے کا پردہ سرکا اور قادیانی شخص نکل کر چلتا بنا اور کوئی دوسرا شکار تلاش کرنے لگا، خیمے سے کسی عورت کی آواز آئی۔

مان لے نا تو اجوں کی بات!! دیکھو کتنا خیال رکھتے ہیں ہمارا، اگر وہ ہمارے دشمن ہوتے تو ہم پر اتنا کیسے لٹاتے، یہ تو ہم سے محبت کرتے ہیں، تبھی تو دیتے ہیں۔

پھلی مانس!! یہ نبی جی کے علاوہ کسی اور کو نبی ماننے کو کہتے ہیں۔

آدمی کی آواز آئی۔

لے تا جو..... نبی جی کون سا اب ہیں جو تجھے پکڑ کر ماریں گے، چل دل میں تیرے جو ہی ہے، اوپر اوپر سے ان کا ساتھ دے دے، کم از کم سکھ سے جیئے گے تو نا..... اب تو بیمار ہے، تیری چھ بیٹیوں کو لے کر میں کہاں دھکے کھاتی پھروں گی، ان کی عزت کا سوچ، اور کون سا دوسرا نبی ماننے سے تو کافر ہوجائے گا، یہ تو کہہ رہا تھا کہ ہم مسلمان ہی ہیں اور نبی جی نے بتایا تھا کہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا، قرآن میں بھی ہے، پھر تجھے کیا مسئلہ ہے، تا جو کی بیوی اسے گمراہ کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

چل میں مسجد والے مولی صاحب سے پوچھوں گا۔

نہ بابے اس سے نہ پوچھنا بچے، اس آدمی نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر کسی کو بتایا تو تمہاری بہنوں کی عزت خطرے میں آجائے گی، تا جو کے تیسرے نمبر والے بیٹے نے کہا تو تا جو الجھ گیا اور کسی گہری سوچ میں مگن ہوگیا۔

عاکف کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا، وہ شکستہ قلب لئے مسجد میں لوٹ آیا۔

☆.....☆.....☆

اب سیلاب زدگان کے خیموں سے آئے روز کوئی نہ کوئی اشکال اٹھنے لگا، مولانا جندب اسی صورتحال سے پریشان تھے، وہ یہاں کے لوگوں کی فلاح وسرخروئی اور راہِ ہدایت کے لئے کام کرنا چاہتے تھے، مگر ان کا اتنا یہاں رہنا مشکل تھا، ان کے دیگر گروپ والے ساتھی بھی واپس لوٹنے پر اصرار کررہے تھے، کیونکہ سب کے اپنے گھر بار اور ضروری امور تھے، اس لئے انہوں نے اعلان کردیا کہ میں ایک ہفتہ مزید یہاں رکوں گا جو میرے ساتھ بآسانی رک سکے، وہ رک جائے اور باقی سب کو لوٹ جانے کی کھلی اجازت ہے، اس اعلان کے بعد کئی کارکن اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے، کراچی سے جانے والا قافلہ بھی رخت سفر باندھنے لگا، عاکف کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ دن مزید ٹھہر جائے، سو وہ اپنے ارادے پر ڈٹ گیا اور ساتھیوں کے بے انتہا اصرار کے باوجود بھی جانے پر رضامند نہ ہوا، عاکف اور اس کے تین ساتھی اور رک گئے، دیگر قافلہ چلا گیا، عاکف نے ان کے ہاتھ اپنا گھر پیغام بھیج دیا کہ میں کچھ دنوں تک آؤں گا۔

سب کے جانے کے بعد مولانا جندب نے اپنے ساتھ رہ جانے والوں کی تعداد گنی تو کل بارہ افراد تھے، ان کے چہرے پر اطمینان افزا مسکراہٹ عود آئی اور وہ بولے:

ساتھیو!! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بارہ جماعتیں تھیں، نبی علیہ السلام نے لیلۃ المعقبہ میں بارہ سردار منتخب کئے تھے، اب ہم بھی بارہ ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ ہم سے بڑا کام لے لیں۔

ان شاءاللہ!!

ساتھیو!! سب سے پہلے اپنے یہاں رکنے کا مقصد سمجھ لو، ہمارا مقصد صرف اور صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کا تحفظ کرنا ہے، جہالت اور عناد کے دریا میں سے حق اور باطل کو واضح کرنا ہے، ہماری مثال اس بوڑھی کی سی ہے جو اپنے بال لے کر یوسف کی خریدار بنے آئی تھی، اس پرندے کی سی ہے جو اپنی چونچ میں پانی کا قطرہ لے کر نارِ ابراہیم بجھانے آیا تھا، انہیں معلوم تھا کہ وہ یہ کام سرانجام نہیں دے سکتے، لیکن صرف رب کے یہاں اپنا نام جدوجہد کرنے والوں کی فہرست میں لکھوانا چاہتے تھے، ہم بھی کوشش کریں گے، چاہے کامیاب ہوں یا نہ ہوں، کم از کم روزِ محشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانے کے قابل تو ہوجائیں گے نا.....!! سوچو اگر بروزِ قیامت نبی ہاشمی نے سوال کرلیا کہ اے جندب!! جب میری عزت وحرمت پر ڈاکا ڈالا جارہا تھا تو تو نے کیا کیا؟؟

مولانا جندب کی بات سن کر فہد ملتانی نے جوشیلی آواز سے کہا..... مولانا آپ ہمیں صرف ہمارا کام سمجھا دیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے، ہم جی جان سے سرانجام دیں گے۔

بہت خوب! سب سے پہلے تو ہمیں خیموں میں جاکر لوگوں کو سمجھانا ہوگا، اگر یہاں کے لوگوں نے ہماری بات مان لی تو درست، ورنہ پھر ہم براہِ راست قادیانی کیمپ میں جاکر انہیں سمجھائیں گے، پھر جتنا سخت ہی کیوں نہ ہو، بارش کے مسلسل برسنے سے اس میں سوراخ ہو ہی جاتا ہے، ہم ضرور حق کا پرچار کریں گے۔

جندب بھائی! ہمیں تو کچھ معلوم ہی نہیں کہ قادیانی عقائد کیا ہیں؟ اور ان کا رد کیا ہے؟ ہم جا کر کیسے دلائل دیں گے؟؟ یہ کاف نے سوال کیا۔

ہاں بھائی یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے لیکن فکر نہ کرو، میں سمجھا دوں گا، فی الحال میں تمہارے ساتھی ہی ہوں، پھر انہوں نے اپنے بیگ سے چند پمفلٹ نکال کر ساتھیوں کو دیئے، قادیانیوں کی حقیقت، مرزا غلام احمد کی آسان پہچان، قادیانی کلمہ، مرزائی اور قانون وغیرہ، ساتھیوں نے شوق سے لئے اور اس کے مطالعے میں سرگرداں ہوگئے، وہ جیسے جیسے پڑھتے گئے، حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتے چلے گئے۔ شام کو مولانا جندب نام خدا لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گشت کرنے نکلے، وہ ایک خیمے میں گئے تو ایک بوڑھی خاتون لحاف میں لپٹی لیٹی تھی اور اس کے سامنے ایک مرزائی نوجوان اسے پُرجوش بات کررہا تھا۔

"لا الہ الا اللہ غلام احمد رسول اللہ" پھر صحابہ کو گالیاں دینے کی لمبی گردان اس نے پڑھ ڈالی، بیٹا میں تو اپنے پیدا ہونے سے لے کر آج تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سنا ہے، میرے بڑے بھی یہی پڑھتے آئے ہیں، بڑھیا نے اعتراض کیا تو وہ بولا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اماں جی آپ نے پوچھا ہے نا کہ وہ نبی کہاں ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں اس کا حال۔

ہاں بتاتا کچھ..... وہ بولی۔

اماں وہ جھوٹا نبی زندہ تھا، پھر ایک روز اس کے پیٹ میں درد ہوا اور اسے ہیضہ ہو گیا اور وہ بیت الخلا میں مر گیا اور اماں وہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔

آئے آئے ..... ہی ..... ہی ..... ہی ..... اماں دوپٹے کا پلو منہ پر رکھ کر اپنے پوپلے منہ سے ہنسنے لگی۔

اماں سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے نبی جی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور انہوں نے فرما بھی دیا کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اماں وہ تو سچا نبی تھا، پھر اس کے بعد یہ نبی کیسے پیدا ہو گیا؟ مولانا جندب نے سوال کیا؟

پتر یہ بات تو میں بھی سوچتی ہوں، لیکن یہ مویا کہتا ہے کہ نہیں وہ نبی تھا۔

چلیں اماں! آپ کو اس کی بات پر اتنا یقین ہے تو کیا آپ اس کی اس بات پر یقین کریں گی کہ مرزا غلام احمد خدا تھا؟؟

نہ نہ..... نہ..... توبہ کر..... اماں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

تو اماں یہ مویا تو یہ بھی کہتا ہے کہ مرزا خدا تھا، عیسیٰ تھا، کبھی کہتا ہے، نبی تھا تو کبھی ولی تھا، اس موئے کو تو خود بھی پتا نہیں کہ مرزا کیا تھا۔

اوئے دفعہ دور..... چل نکل یہاں سے، اماں نے جھک کر چپل اٹھائی اور اس موئے کو ماری تو وہ آناً فاناً خیمے سے نکل بھاگ کھڑا ہوا۔

دیکھا اماں یہ کیسے بھاگ گیا۔

ہاں پتر تو نے تو بڑا اچھا کیا مجھے بتا دیا ورنہ یہ مویا مجھے کیا کیا بتاتا رہا تھا۔ اماں نے مولانا جندب کا شکریہ ادا کیا۔

ٹھیک ہے اماں آئندہ اگر یہ آپ کے پاس آئے تو اس کی بات نہ سننا۔

ارے نہ..... نہ..... سنتا تو دور کی بات ہے، اب آیا تو چپل سے پٹائی کروں گی، نہیں چھوڑوں گی اسے.....

اماں نے کہا تو مولانا جندب اور ان کے ساتھی ہنس دیے، سلام کر کے وہ باہر نکلے تو مرزائی آدمی کھڑا تھا، وہ ان کے قریب آیا اور بولا:

تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ ایک دن کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ، ورنہ تمہارا انجام تاریخ میں ہمیشہ گونجے گا..... سمجھ میں آئی بات.....!! یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹا اور چلا گیا۔

.....(جاری ہے)

کچھ دعائیں کچھ خطائیں

دل کی سیاہیاں تو اس قدر ہیں بڑھی ہوئی
نہ جگہ ہے یہاں اب کسی اور داغ کی
ہر لمحہ ہر پل ہے گناہوں میں دھنستا ہوا
یہ قدم کیوں ہے تیرے رستے سے بھٹکتا ہوا
اب تو آنکھ کا پانی بھی پتھر ہو چکا ہے
قلب ونظر پہ بے حسی کی مہر ثبت ہو چکی ہے
یہ وجود اس قدر ہے گناہوں میں ڈوبا ہوا
تیری رحمتیں ہیں پھر بھی بے پناہ
تیرے کرم میں ہر ذی روح ڈوبا ہوا
جانے کا وقت بھی تو آخر کو آنا ہے
سنبھل جائے وہ وقت بہت ہے قریب
کاش کہ تو نہ ہو اس لمحے میں بکھرتا ہوا
چھوٹ جائیں گے بادل حرص و ہوس کے
ہر قدم ہو جو تیری سنتوں کی طرف بڑھتا ہوا
تو کیوں محو ہے اس دنیا کے فریب میں
یہ تو اک ہی لمحے میں اوجھل ہو جائے گی
تو کیوں ہے پور پور اس میں ڈوبا ہوا
اک دعا ہے اس امت کے لیے
ہر شخص ہو یہاں تیرے رستے پہ چلتا ہو



مولانا عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰ء تا ۱۹۲۶ء) برصغیر کے ممتاز معروف اردو ادیب اور صحافی تھے، اردو زبان میں تاریخی ناول لکھنے کا سہرا آپ کے سر ہے، آپ کا شمار اپنے دور کے مقبول ترین ناول نگاروں میں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے ناولوں کے ذریعے مغرب کی جانب سے اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے منفی پروپیگنڈوں کا بھرپور جواب دیا۔ یوں تو آپ کا ہر ناول دل چسپ اور قابل مطالعہ ہے، لیکن "فردوس بریں" ان سب میں منفرد ہے، اس ناول میں فرقہ باطنیہ کی اسلام کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کیا ہے، اس ناول میں ماضی کے عظیم الشان عشق، جن میں اخوت، مساوات، بہادری، سرفروشی کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ یہ روایات اگرچہ اسلامی تاریخ سے وابستہ ہیں لیکن اہل نظر فکر کی دور بین نگاہوں میں ان کی حیثیت دائمی اور وقعت بین المذہبی ہے۔ عبدالحلیم شرر کا دل چسپ اور اسلامی تاریخ سے مزین اردو ادب کا شاہکار ناول "فردوس بریں" قارئین حیا کے لئے قسط وار پیش ہے۔

تیری دلدادہ زمرد..... حسین یہ خط پڑھتے ہی فوراً قراقرم کی طرف چل کھڑا ہوا، راستے میں بار بار اس کے دل میں آتا تھا کہ مجھے وہاں بھیجنے سے زمرد کی کیا غرض ہے؟ مگر اس کو وہ خود ہی مٹاتا اور کہتا کہ ان معاملات کے تجسس سے زمرد نے منع کیا ہے، تاہم ایک چیز کی اسے بڑی فکر تھی، وہ یہ کہ زمرد نے ملکہ کو سوالوں کا سچ سچ جواب دینے کی ہدایت کی ہے اور میں ایسے کام کر چکا ہوں، جن کے ظاہر کرنے میں ہر جگہ جان کا اندیشہ ہے، کیا یہ بتا دوں کہ میں نے امام نجم الدین نیشاپوری کو بے خطا و قصور قتل کیا؟ یا امام نصر بن احمد کی نماز پڑھنے میں جان لی؟ اور سب باتیں در کنار وہاں تو شاید اگر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے فرقہ باطنیہ سے کوئی تعلق ہے تو واجب القتل قرار دیا جاؤں گا۔ کئی مہینے جو منازل سفر طے کرنے میں صرف ہوئے، انہی خیالات اور اسی قسم کے تردادات میں گزرے، آخر وہ چلتے چلتے ترکستان کی حدود میں داخل ہو گیا اور چند روز بعد خاص شہر قراقرم میں وارد ہوا جو تاتاریوں کا پایہ تخت تھا، قراقرم میں پہنچ کے بھی کئی مہینے گزر گئے مگر شہزادی بالغان خاتون تک رسائی نہ ہوئی جس کے حسن و جمال کے قصے سارے شہر میں مشہور تھے اور کہا جاتا تھا کہ اپنے باپ کے مارے جانے کے صدمے سے تمام لذائذ دنیوی سے علیحدہ ہو گئی ہے، آبادی سے باہر اس کا ایک باغ تھا جس میں ایک وسیع اور دلچسپ شکارگاہ بنی ہوئی تھی، مگر باپ کے غم نے اپنا یہ مزہ کر دیا تھا کہ اس نے اب اس باغ میں آنا بھی چھوڑ دیا تھا، ایک دن حسین وسط شہر میں کھڑا تھا کہ ناگہاں غل ہوا "شہزادی بالغان خاتون آئی ہے"۔ وہ سڑک کے کنارے ٹھہر گیا اور زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا تھا کہ ملکہ کئی سہیلیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار آئی اور نکل گئی، حسین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید جرأت کر کے اور جان پر کھیل کے ہاتھ میں خط دے دیتا مگر زمرد نے تاکید کی تھی کہ تنہائی میں دینا، مایوں کی صورت بنائے خاموش کھڑا رہ گیا اور جب شہزادی نکل گئی تو دل میں کہنے لگا: ”یہ تو مشکل نظر آتا ہے کہ اس نازآفرین ملکہ کی خلوت گاہ تک رسائی ہو۔“

چند روز اور گزر گئے، اب سنا گیا کہ شہزادی نے مدت کے بعد باغ اور شکارگاہ میں جانے کا ارادہ کیا ہے، حسین کو امید پیدا ہوئی کہ غالباً وہاں موقع مل جائے گا، اسی خیال سے پہلے ہی جا کے شکارگاہ میں چھپ رہا، وہاں بھی ملکہ بلقان خاتون آئی اور پہلے سے ہی چلی گئی، حسین کو موقع ملنا تھا، نہ ملا، کئی دفعہ وہ ملکہ سے دوچار ہوا مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی سہیلی ضرور موجود ہوتی تھی۔

جب حسین کو زیادہ مایوسی ہوئی تو آخر تدبیر یہ کی کہ نوکری کا امیدوار بن کے ملکہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا اور ملازمت کی درخواست کی، اتنے دن قراقرم میں رہ کے اس نے چند ایسے دوست بھی پیدا کر لئے تھے جنہوں نے اس کی سفارش کی اور اسے بہ دشواری ملکہ کو دارو غہ اصطبل ہونے کی عزت حاصل ہوگئی، اس نوکری کے بعد بھی دو مہینے تک اسے تنہائی میں ملنے کا موقع نہ ملا، آخر ایک مرتبہ صبح سویرے جب کہ ملکہ اپنے بستر ناز سے اٹھ کر غسل خانے میں جا رہی تھی اور بالکل اکیلی تھی، وہ سامنے آگیا اور جھک کر سلام کیا، بلقان خاتون حسین کو غیر معمولی طور پر سدراہ دیکھ کے ٹھہر گئی اور پوچھا ”کیوں؟ کیا بات ہے؟“

حسین: ”(زمین چوم کے) شہزادی کی خدمت میں ایک خط پہنچانا ہے، جس کو لئے ہوئے چھ مہینے سے قراقرم میں پھر رہا ہوں اور صرف اس وجہ سے کہ بغیر تنہائی کے مجھے اس خط کے پیش کرنے کی اجازت نہ تھی، اتنی تاخیر ہوئی، اسی غرض کے لئے مجبوراً میں نے شہزادی کی ملازمت اختیار کر لی، بڑی بڑی نامرادیوں کے بعد خوش نصیبی سے اس خط کے پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے زمرد کا خط نکال کر شہزادی کی طرف بڑھایا۔ شہزادی بلقان خاتون تاتاری عورتوں میں ہی نہیں، تاتاری رؤسا کے بھی خلاف ایک نہایت ہی شائستہ اور تعلیم یافتہ ملکہ تھی، وہ فارسی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتی تھی، اس قدر نہیں بلکہ شعرائے فارس کے کلام کی اچھی طرح داد دے سکتی تھی اور مشکل اور بلند فارسی بھی بہ احسن سمجھ لیتی تھی، خط کو ہاتھ میں لیتے ہی اس نے غور سے دیکھا، پھر لفافے کو سادہ پا کے تعجب سے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا ”یہ خط کس نے بھیجا ہے؟“

حسین: شہزادی کو پڑھنے کے بعد خود ہی معلوم ہو جائے گا، مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ خط کسی انسان کا نہیں بلکہ ایک حور کی طرف سے ہے، جس کا نشیمن اس سرو شبستان الٰہی اور حیز نور میں ہے۔

بلقان خاتون نے یہ جواب سن کے اور حیرت زدہ ہو کے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا: ”اگر فردوس بریں کی کسی حور کا خط ہے تو تم کو کیوں کر ملا؟ اور تم سے اس کا کیا تعلق؟

حسین: بس اتنا ہی تعلق ہے کہ اس کی یاد میں سرد ھنتا ہوں اور کبھی کبھی وہ کوئی خط کسی روحانی ذریعے سے میرے پاس پہنچا دیتی ہے۔

تاتاری شہزادی یہ جواب سن کے اور متحیر ہوئی اور دیر تک حسین کو غور سے دیکھتی رہی، پھر دل میں سوچ کر بولی: ”اچھا، اب اس وقت تم جاؤ، اس خط کو اطمینان سے پڑھ کر میں تم کو بلاؤں گی۔“

حسین: (سینے پر ادب سے ہاتھ رکھ کے) بہتر، مگر اتنا خیال رہے کہ اس بارے میں جو کچھ دریافت فرمانا ہو، شہزادی اسی طرح تنہائی میں بلا کے دریافت فرمائیں، میں اپنے راز کو کسی اور کے سامنے صحیح طور پر بیان نہیں کر سکتا۔

بلقان خاتون: میں اکیلی ہی ملوں گی۔

یہ خط اور حسین کا بیان معمولی چیزیں نہ تھیں، شہزادی بلقان خاتون نہانا بھی بھول گئی اور حسین کے واپس جاتے ہی پھر اپنی خواب گاہ کی طرف پلٹ گئی، تنہا بیٹھ کے خط کو کھولا اور نہایت توجہ اور مستعدی سے پڑھنے لگی۔

مضمون حسب ذیل تھا:

”اوغمزدہ اور نیک دل شہزادی! تو اپنے باپ کے غم میں مبتلا ہے جو بالطینوس کے فدائی دیدار کے ہاتھوں سے نہایت دغابازی کے ساتھ قتل ہوا، مجھے تیرے رنج والم سے ہمدردی ہے، اسی لئے اپنے منصب کے خلاف تجھے خبر دیتی ہوں کہ دیدار یہاں قلعۂ الموت میں بیٹھا جنت کے مزے لوٹ رہا ہے، اگر اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتی ہے، اگر دنیا کے پردے سے ایک بہت بڑا فتنہ دور کرنا چاہتی ہے تو اسی حسین کے ساتھ جو میرا خط لایا ہے اور جو جنت کی زیارت کے شوق میں عقل و ہوش بلکہ دین و ایمان کھو چکا ہے، کوہ البرز کی وادی میں میری تربت پر آ کے پتھر کو الٹ، اس کے نیچے تو تیرا دوسرا خط پائے گی جو تیری رہبری کرے گا اور تو اپنے باپ کے انتقام کے ساتھ ایک بڑے طلسم کو توڑ کے دنیا کا سب سے بڑا راز کھولے گی، اس وقت تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا الملاء اعلیٰ میں کتنا فرق ہے، حسین سے تو اس کے حالات پوچھ سکتی ہے جس سے تجھے معلوم ہوگا کہ اس کے دل پر فردوس بریں کا کیتنا اثر ہے، جہاں میں ہوں یہی جنت میں تجھے بے منت دکھاؤں گی اور تیرا مجرم تیرے ہاتھ میں ہوگا، لہٰذا آ اور جلدی آ، مگر خیال رہے کہ ۲۷ رمضان کی صبح کو میری تربت پر موجود ہو، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کافی تعداد میں ایک تاتاری لشکر تیرے قریب ہی موجود رہے لیکن میری قبر پر تجھے اپنے ساتھ میں چار آدمیوں سے زیادہ کو نہ لانا چاہئے۔ میمونہ نشین زمرد۔“

بلقان خاتون کے حق میں یہ خط کسی جادو یا تسخیر کے حکم سے کم اثر نہ رکھتا تھا، جس کو پڑھتے پڑھتے بھی وہ انتہا سے زیادہ غضب ناک ہو جاتی اور کبھی خاص خیال سے اس کے دل کو ایک گونہ تسکین ہو جاتی، مگر حیرت و انتظاب کی کوئی انتہا نہ تھی، اس نے خط کو اول سے آخر تک کئی مرتبہ پڑھا اور کچھ سوچنے لگی، آخر بہت دیر کے لئے تردد انتظار کے بعد اس نے حسین کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھنے لگی۔ ”تم جانتے ہو اس خط میں کیا لکھا ہے؟“

حسین: نہیں، مجھے ایک لفظ کی بھی خبر نہیں۔

یہ جواب پا کر بلقان خاتون نے جس کی نگاہ سے حسین کو گھور کے دیکھا اور پوچھا ”تم مذاہب باطنیہ کے پابند ہو؟“

حسین: (ڈر کے) جی ہاں۔

بلقان خاتون: تم نے جنت کی سیر کی ہے؟

حسین: ایک بار دیکھا ہے اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔

بلقان خاتون: اچھا، تمہاری یہ ہوس پوری ہو جائے گی، مگر یہ بتاؤ، تمہارے شارفدائیوں میں ہے؟

حسین: البتہ۔

یہ جواب سن کر بلقان خاتون نے پھر حسین کو گھور کے دیکھا اور پوچھا ”تم نے کتنے لوگوں کی جان لی ہے؟“

حسین: صرف دو شخصوں کی، مگر بڑے بڑے شخص، جن کے قتل کرنے کا مجھے بھی افسوس ہے۔

بلقان خاتون: ان پر تجھ چلاتے وقت تمہیں ترس نہ آیا؟

حسین: آیا تھا مگر مرشد کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔

بلقان خاتون: (تعجب سے) مرشد کے حکم سے اتنے بڑے ارتکاب کر لینے میں تمہیں اپنے نیک و بد کا خیال نہیں آیا؟

حسین: نیک و بد ہمیں نظر ہی کب آتا ہے، ہم ہر چیز کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور شیخ کی نگاہیں باطن پر، مایوں کہنا چاہئے کہ اصلی حقیقت پر پڑتی ہیں۔

بلقان خاتون: اگر مرشد کر نے کو کہے تو گر پڑو گے؟

حسین: بلاتامل! یہی ہمارا عقیدہ اور پہلی ریاضت ہے، مرشد جس خوبی کو دیکھ کے حکم دیتا ہے، اس کے سامنے اس برائی یا مضرت کی کوئی ہستی ہی نہیں۔

بلقان خاتون: زمرد کی تم سے کیوں کر مفارقت ہوئی؟

حسین: میں منع کرتا رہا، اس نے نہ مانا اور کوہ البرز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی اس گھاٹی میں چلی گئی، جہاں کبھی کبھی پریوں کا گزر ہوتا ہے، ہمارے جاتے ہی پریاں بھی آ پہنچیں، انہوں نے آتے ہی اسے مار ڈالا اور اس کی وہاں قبر بنادی، جس پر مدتوں میں آہ و زاری کرتا رہا، شہادت نے زمرد کو فردوس بریں میں پہنچادیا اور میں قبر پر پڑا موت کا منتظر تھا کہ زمرد نے فردوس بریں سے خط بھیج کے مجھے فرقہ نابغیۂ باطنیہ میں داخل ہونے کی ہدایت کی اور اپنے پاس پہنچنے کا طریقہ بتایا، اس کی ہدایتوں کے مطابق عمل کر کے میں ایک بار اس کے دیدار سے شرف یاب ہو چکا ہوں، مگر افسوس پھر ملنے کی امید نہیں، اب دوبارہ کوشش اس کی زیارت کے لئے آپ کے ذریعے سے شروع ہوئی ہے، مگر چونکہ مجھے کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں، لہٰذا آپ کے سامنے اپنی کوئی آرزو پیش نہیں کرسکتا۔ بلغان خاتون کو حسین کی اس سادہ مزاجی پر حیرت ہوئی، وہ کسی قدر مسکرائی اور کہا:

"بے شک میں اپنی آرزو میں بامراد ہوں گی اور تمہاری تمنا بر آئے گی، لیکن مجھے بھی اس مقام تک پہنچادو جہاں زمرد کی قبر ہے اور جس جگہ تم کہتے ہو کہ وہاں پریوں کا نشین ہے۔"

حسین: اس امر کا تو مجھے حکم ہو چکا ہے، شہزادی جب تشریف لیں چلیں، یہ غلام ہمرکاب ہوگا۔

بلغان خاتون: حسین اگر میں کسی کو قتل کرنے کا کہوں تو تم اسے قتل کر ڈالو گے؟

حسین: بے شک، بشرطیکہ اسے قتل کرنے میں کچھ مضائقہ نہ ہو۔

بلغان خاتون: یہ قید تم مرشد سے بھی لگاتے ہو؟

حسین: نہیں، ہر مرشد کے تعلقات مرید کے ساتھ اور قسم کے ہیں، ان کے ہاتھ میں مرید کو ایک بے جان آلے کی طرح رہنا چاہئے۔

بلغان خاتون: خیر، اب تو میں سفر کا سامان کرتی ہوں، تم بھی تیار رہو۔

یہ کہہ کے شہزادی نے حسین کو رخصت کیا اور خود حمام میں گئی، مگر اس کی حیرت کسی طرح کم ہونے کو نہ آتی تھی، لوگ اس کے مزاج میں کوئی غیر معمولی تغیر پاتے تھے جس کے متعلق ہر شخص سوال کرتا مگر وہ خاموش رہتی۔

دوسرے دن اس نے علی الصباح ایک ایسا نٹنی سوار کو خط دے کر کسی طرف روانہ کیا اور خود بھی روانگی کا سامان کرنے لگی، مگر اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اپنے ابن عم اور شہنشاہ ترکستان منقوخان سے اجازت حاصل کرے، جس کے لئے وہ ایک تردد میں تھی۔

☆.....☆.....☆

بلغان خاتون کا سفر

جس روز حسین نے اپنی میمونہ شین معشوقہ زمرد کا خط بلغان خاتون کو پہنچایا ہے، اس کے ایک ہفتے کے بعد صبح کے وقت تاتاری شہزادی اپنے بھائی منقوخان کے پاس گئی، منقو خان کے دربار میں اس وقت خاندان تاتاری کے کئی معزز روٴسا موجود تھے جن کے سامنے وہ کہتے ہوئے جھجکی اور دیر تک خاموش بیٹھی رہی، اس کو چپ دیکھ کے منقو خان نے کہا "یہ غیر معمولی سکوت کیسا ہے؟"

ایک دربار ی: شہزادی اپنے والد کے غم کو آج تک نہیں بھولیں۔

منقوخان: ہاں، بلغان! اب تو اس غم کو چھوڑو، اتنے دنوں تک غم والم میں مبتلا رہنا، ہماری قومی شجاعت کے خلاف ہے۔

بلغان خاتون: آہ بھائی! یہ غم بھول سکتا ہے؟ (تھوڑے سکوت کے بعد) خیر، اب باتیں تو ہوتی رہیں گی، اس وقت میں ایک ضروری کام کو آئی ہوں۔

منقوخان: وہ کیا؟

بلغان خاتون: بھائی! آپ نے تو بہت سی مہمیں سر کیں مگر اب ارادہ ہے کہ ایک مہم کو میں خاص اہتمام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام دوں۔

اس جملے کو سنتے ہی سب لوگ حیرت میں آ گئے، منقو

خان نے اسے گھور کے دیکھا اور پوچھا: "بہن! خیر تو ہے؟ کیسی مہم؟ کیا میرے اسلحے نے جواب دے دیا ہے؟ فقط تمہارے کہہ دینے کی ضرورت ہے، جس ملک پہ! جس قوم کو کہو، میرے جانے کی بھی ضرورت نہیں، ہمارے بہادر سپاہی جائیں گے اور ایک آن میں تہہ و بالا کر دیں گے۔

بلغان خاتون: یہ صحیح ہے، مگر میں چاہتی ہوں کہ اس کام کو خاص اپنے ہاتھ سے انجام دوں۔

منقو خان: آخر کون سا کام ہے اور کس پر فوج کشی کا ارادہ ہے؟

اس کے جواب میں بلغان خاتون نے زمرد کا خط اس کے سامنے رکھ دیا اور کہا "پہلے اسے پڑھ لیجئے، پھر پوچھئے گا۔" منقو خان نے خط کو اول سے آخر تک پڑھا لیکن ختم کرنے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے، اس نے غضب آلود چشم اور زخم شدہ ہونٹوں سے خط کو تمام کر کے غصے سے پھینک دیا اور کہا "مطمئن رہو، میں کل ہی بلا کو خان کو لکھتا ہوں۔"

بلغان خاتون: نہیں، یہ میرا کام ہے۔

منقو خان: تم جا کے کیا کرو گی! جنگ و پیکار تمہارا کام نہیں۔

بلغان خاتون: اسی خیال کو میں دنیا سے مٹا کے ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ عورتیں بھی ویسی ہی بہادر ہیں جیسے مرد، اگر موقع دیا جائے تو کسی امر میں مردوں سے کم نہیں رہیں گی اور ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں لڑنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔

منقو خان: بے شک ہوگی، بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں، باقی رہی عورتوں کی شجاعت، میں تسلیم کرتا ہوں کہ عورتوں کی حکومت مردوں سے بڑی ہوتی ہے، بڑے بڑے تاجدار اور بڑے بڑے صف شکن جو عالم کے تخت الٹ دیتے اور ساری دنیا کے بہادروں کے دست و بازو تھکا دیتے ہیں، ان پر بھی جو حکومت کرتا ہے، وہ عورت ہے، مگر عورت کے اسلحے دوسرے ہیں، وہ تیر اور خدنگ، شمشیر و خنجر سے نہیں لڑتی۔

بلغان خاتون نے اس جواب پر شرمندہ ہو کے سر جھکا لیا، مگر نیچی نظروں میں اس نے پھر متانت پیدا کی اور کہا "بھائی! ایسا نہ سمجھیں، میں اسی طرح بہادری اور جان بازی سے مقابلہ کروں گی جس طرح کسی بہادر تاتاری لڑکی کو کرنا چاہئے۔"

منقو خان: یہ میں جانتا ہوں مگر جس وقت تک ہم لوگ زندہ موجود ہیں تم کسی نازنین کو میدان جنگ میں قدم رکھنے کی زحمت نہیں دی جاسکتی اور آخر تمہارے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

بلغان خاتون: یہ صرف ہمرکاب ہے اور اپنے فرض سے میں آپ ہی سبک دوش ہونا چاہتی ہوں۔

منقو خان: خیر ایسا ہی شوق ہے تو چلو، مگر میں بھی ساتھ چلوں گا، یہ مجھ سے گوارا نہیں ہوسکتا کہ خاندانِ مغلیہ کی ایک معزز شہزادی اپنے نامور عزیزوں کے ہوتے ہوئے تن تنہا میدان کارزار میں قدم رکھے۔

بلغان خاتون: مگر بھائی! وہاں کسی لڑائی کی امید نہیں، ہمارے چند سپاہی بھی ہوں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔

منقو خان: یہ نہ سمجھو، جو لوگ سردار کے ایک ادنیٰ اشارے پر جان دینے کو تیار ہو جائیں، ان سے ڈرنا چاہئے۔

بلغان خاتون: گرتاتاریوں کا رعب آج کل دلوں پر اس قدر بیٹھا ہوا ہے کہ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ بے لڑے ہتھیار رکھ دیں گے۔

منقو خان: بے شک ہمارا ایسا ہی رعب ہے، مگر پھر بھی ایک قدیم اور بڑے سوبرس کے شاہی و مذہبی خاندان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا آسان کام نہیں۔

منقو خان بہت اصرار کرتا رہا، جب شہزادی بلغان خاتون نے اس کی شرکت کسی طرح گوارا نہ کی اور دیکھا کہ بھائی منظور نہیں کرتا تو جھک کے اس کے کان میں کچھ کہا، جسے سن کے وہ تھوڑی دیر تک غور کرتا رہا اور آخر بڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد یہ قرار پایا کہ اولوالعزم و

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہادر تاتاری پانچ سو سوار ساتھ لے کے روانہ ہوجائے، بلخان خاتون واپسی کے لئے اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی اور خط کو دوبارہ بھائی کے سامنے پیش کر کے بولی:

"مگر ذرا دیکھ کے یہ بھی بتلا دیجئے کہ مجھے کب یہاں سے روانہ ہونا چاہئے؟ ۱۷ رمضان کی ۱۷ تاریخ۔"

منقو خان: (خط کو پڑھ کے) رمضان کی ۱۷ تاریخ۔

بلخان خاتون: خدا جانے اس تاریخ کے معین کرنے سے کیا غرض ہے، تو پھر مجھے کوچ کر دینا چاہئے۔

منقو خان: اس میں کوئی بات ضرور ہے اور میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ اس گھاٹی میں پہنچنے کے بعد تمہیں کیا پیش آئے، ممکن ہے کہ اس عورت نے جو اپنے کو نور بتاتی ہے، فریب کیا ہو؟

بلخان خاتون: اس کی تحریر اور اس کی بے تکلفانہ دعوت سے مجھے فریب کی امید نہیں، باوجود اس کے محض اسی خیال سے میں نے تھوڑے سے سپاہی ساتھ لے جانے کا ارادہ کرلیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ اپنی حفاظت کا میں نے پورا بندوبست کرلیا ہے، ہاں، تو زمرد نے رمضان کی ۱۷ کو بلایا ہے اور آج کون سی تاریخ ہے؟

منقو خان: جمادی الاول کی ۲۰ قریب قریب چار مہینے سے کم کا نہیں، اگر جلدی پہنچ گئیں تو راستے میں کسی جگہ ٹھہر جانا مگر یہ تو کل ہی کوچ کر دینا چاہئے۔

اس کے بعد منقو خان کچھ آپ ہی سوچ کر بولا "ہاں خوب یاد آیا، بلخان خاتون، ایک دو دن اور ٹھہر جاؤ، آج سے چوتھے دن بلا کو خان کی کمک کو چالیس ہزار سپاہیوں کا بڑا بھاری لشکر جانے والا ہے جس کو طوبیٰ خان لے جائے گا، اس کے ساتھ تم بھی ہو لینا، یہ لوگ بھی اس طرف جائیں گے جدھر تم جاتی ہو، بلکہ انہیں تم سے آگے جانا ہے، بلا کو خان ویلم کے تخت پر قبضہ کر چکا ہے، فی الحال اس کا تعاقب کر رہا ہے، اس فوج کے پہنچنے کے بعد وہ ارض عراق کا عزم کرے گا اور ارادہ ہے کہ خلیفہ بغداد کو بھی اس کی سرتابیوں اور غرور کی سزا دی جائے گی۔

بلخان خاتون: ایک دن کی بات ہے تو میں ٹھہر جاؤں گی۔

ان تمام امور کا تصفیہ کر کے بلخان خاتون اپنے مکان پر واپس آئی اور حسین کو بلا کے کہہ دیا "پرسوں کوچ ہے، تیار رہنا"، حسین نے سینے پر ہاتھ رکھ کے اور ادب سے سر جھکا کے جواب دیا "مجھے تو جس وقت حکم ہو، حاضر ہوں۔"

دوسرے روز منقو خان کا بیٹا طوبیٰ خان بھی کوچ کا سامان کرنے لگا اور اس کے ساتھ کے لئے چالیس ہزار جوانوں کو تیاری کا حکم دیا گیا، آخری رات سیاہ نے عجیب ذوق وشوق اور بڑی دھوم دھام میں بسر کی، فراقم کے درد و پیار سے جوش وخروش نمایاں تھا، ہر طرف ایک چہل پہل تھی، لوگ ادھر ادھر دوڑے پھرتے تھے، جو اپنے گھروں اور خیموں میں تھے، وہ خوشی خوشی اسلحہ بھی درست کرتے جاتے تھے اور عزیزوں، بیوی بچوں سے بھی رخصت ہوتے جاتے تھے، صبح سویرے ہی کوچ کا طبل بجا اور تاتاریوں کے غول اپنے اپنے نشانوں اور بیروں کے نیچے جوش مسرت میں کودتے، اپنے قومی گیتوں کو گاتے اور شور کرتے ہوئے بڑھے۔

یہ فوج مختلف حصوں میں تقسیم ہو کے روانہ ہوئی، ہر اول کے پانچ ہزار جوان آگے بڑھ گئے، پھر جاں نثاروں کی پانچ پانچ ہزار ٹکڑیاں دائیں بائیں پھیل گئیں، پانچ ہزار کا ایک گروہ پیچھے غول میں رہا اور درمیان یا قلب میں پورے ۲۰ ہزار ترک جدا جدا فوجوں اور پرچموں میں بٹے ہوئے آگے پیچھے روانہ ہوئے، جن کے بیچ میں طوبیٰ خان اور بلخان خاتون دو مضبوط گٹھے ہوئے ترکی گھوڑوں پر سوار تھے، تاتاری نمائیں اور نیزے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے تھے اور ہر چہار طرف سے جوش ولولے کی صدائیں اور فتح ونصرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے، تاتاریوں کا یہ طوفان ایک ٹڈی دل کی طرح راستے کی تمام چیزوں کو خراب کرتا چلا جاتا ہے جو گاؤں نظر آتا، آدمیوں سے خالی ملتا، اس لئے کہ ان بے رحم وحشی لٹیروں کی آمد کی خبر سنتے ہی لوگ اپنے اپنے مکان چھوڑ کے بھاگ جاتے اور ان کے ویران اور غیر آباد مکانوں میں آگ لگا دی جاتی، یہ لوگ جوں جوں آگے بڑھتے، شہر اور گاؤں مسمار و منہدم اور جل جل کر خاک سیاہ ہوتے جاتے، رعایا میں سے مرد، عورت، بوڑھا، بچہ جو شخص ملتا، انسان کا شکار کھیلنے والے وحشیوں کے ہاتھ سے قتل ہوتا، یہ لوگ تمام علاقے میں خلق خدا کو تباہ کرتے ہوئے بحر خزر کے کنارے کنارے چلے اور مازندران میں پہنچے، پھر ان کے گاؤں تاخت و تاراج کر کے آذربائیجان کی طرف نکل گئے، اس لئے کہ ہلاکو خان کے اسی طرف ہونے کی خبر تھی کیونکہ وہ سلطان دیلم کے تعاقب میں شمال کی طرف بڑھ گیا تھا۔

مگر بلخان خاتون اپنے ساتھ کے پانچ سو سواروں کے ساتھ جبل طالقان کے دامن میں نہر ویرنجان کے قریب خیمہ زن ہوگئی (یہیں اسی مقام پر جہاں اس ناول کی ابتداء میں ہم نے زمرد اور حسین کو پایا تھا)

جس وقت یہ پانچ سو تاتاری اس سرزمین پر پہنچے ہیں، رمضان کی ۱۸ تاریخ تھی، مجبوراً چند روز اسی جگہ فروکش رہنا پڑا، جس سے زیادہ کوئی مصیبت تاتاری لشکر کے لئے نہیں ہو سکتی تھی، ان لوگوں کا معمول تھا کہ جب تک لوٹتے مارتے رہتے، اسی وقت تک اچھے اور خوشحال رہتے اور جہاں کسی جگہ قیام ہو گیا، محض اس وجہ سے کہ نئے شہر اور قصبے ان کو نہ ملتے، فاقے کرنے لگتے، یہاں بھی یہی مجبوری تھی، سب نے انتظار کرکے دن فقرو فاقے سے بسر کئے، نویں دن ٹھیک ۲۷ تاریخ تھی، بلخان خاتون صبح ہی سے کسی انتظار میں تھی اور جوں جوں دیر ہوتی، اس کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، آخر جب اس نے دیکھا کہ وقت نکلا جاتا ہے تو بیس وپیش کے بعد تین فوجی جوانوں کے ساتھ لے کے چل کھڑی ہوئی، حسین اس کا رہبر ہوا، باقی تمام ہمراہی وہیں چھوڑ دیئے گئے، حسین اور تاتاری شہزادی سڑک چھوڑ کے نہر ویرنجان کے کنارے کنارے چلے اور بدقت دشواری گھاٹیوں اور جنگلوں سے گزر کے اس مرغزار میں جا پہنچے، حسین نے زمرد کی قبر پر جا کے فاتحہ خوانی کی اور کہا۔ "یہی پتھر ہیں جن کے نیچے میری زمرد کا پیکر عنصری آرام کر رہا ہے۔"

بلخان خاتون نے زمرد کا خط نکال کر پھر پڑھا اور زمرد کی ہدایت کے موافق قبر کے پتھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے ہٹانے لگی، چار پانچ پتھر ہی ہٹے ہوں گے کہ حسب وعدہ زمرد کا دوسرا خط مل گیا جسے کھول کے اس نے چپکے چپکے پڑھا اور ذرا متردد ہو کے سامنے کی طرف نظر بڑھا بڑھا کے دیکھنے لگی، چند لمحوں کے بعد کچھ سوچا اور اپنے ایک ہمراہی کے کان میں کچھ کہنے کو جھکی، تاتاری سپاہی شہزادی کا راز سنتے ہی واپس روانہ ہوا اور وہ خود حسین کی طرف دیکھ کے بولی۔ "چلو۔"

حسین: کہاں؟

بلخان خاتون: جہاں میں لے چلوں۔

اتنا کہتے ہی دونوں باقی ماندہ سپاہیوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور چل کھڑی ہوئی، حسین کی کیا مجال انکار تھی، بے عذر ساتھ ہو لیا۔

بلخان خاتون اس وادی کے شمالی کونے کی طرف چلی، اسی طرف جدھر سے حسین نے بھی پریوں کو آتے دیکھا تھا، جاتے جاتے تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ ایک سرسبز پہاڑ کے دامن میں پہنچی اور گو اس طرف کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا مگر وہ برابر بڑھتی چلی جاتی تھی، حسین تو ایک عقیدت کیش مرید کی شان سے بے عذر اطاعت کر رہا تھا مگر ہمراہی سپاہیوں کو حیرت تھی کہ شہزادی انہیں کہاں لئے جا رہی ہے، بلکہ ایک نے بڑھ کے ادب سے پوچھا بھی کہ ادھر تو راستہ نہیں ہے، جس کے جواب میں بلخان خاتون نے کہا کہ تم کچھ بولو چالو نہیں، خاموشی سے چلے آؤ، پہاڑ کی جڑ میں پہنچ کے وہ ایک تیرہ تاریک غار میں گھس گئی اور ساتھیوں سے کہا "اس طرح چلو کہ کسی کو آہٹ معلوم نہ ہو۔" شہزادی کے حکم کے مطابق سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ جہاں تک ممکن تھا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چلے، غار کے اندر بالکل اندھیرا تھا، سب ہاتھوں سے ٹٹولتے اور دونوں طرف کے ٹکڑوں سے بچتے جاتے تھے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد دور کچھ روشنی نظر آئی جس کی نسبت معلوم ہوا کہ غار کے اس طرف دہانہ ہے، آخر بلغان خاتون اس غار سے باہر نکلی، مگر جب غار سے نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام بھی وحشت ناک ہے، اس لئے کہ یہاں بہت ہی گھنا جنگل تھا، جس کے درخت اس طرح ملے ہوئے تھے کہ آفتاب کی روشنی بہ مشکل زمین تک پہنچ سکتی تھی۔

شہزادی اس جنگل میں پہنچے ہی بائیں ہاتھ کی طرف مڑگئی، اب اس کا رخ مغرب کی طرف تھا، وہ درختوں میں چھپتی اور کانٹوں میں الجھتی برابر آگے چلی جاتی تھی، ساتھ والے اس دشوار گزار راستے کو دیکھ کے ٹھہرا گئے تھے اور دل میں حیران تھے، آخر یہ جنگل یکا یک ایک پہاڑ کے پاس ختم ہوگیا، یہاں پہنچ کے شہزادی پھر داہنے ہاتھ کی طرف مڑی اور پہاڑ کے دامن ہی دامن دور تک چلی گئی، ایک مقام پر پہنچ کے اسے نظر آیا کہ جیسے کسی ناگہانی صدمے کے باعث پہاڑ پھٹ گیا ہے اور درمیان میں ایک بہت ہی تنگ اور نہی گلی پیدا ہوگئی ہے جس سے ایک سے زیادہ آدمیوں کا گزر نہیں ہوسکتا۔ بلغان خاتون نے اس گلی کو غور سے دیکھا، چاروں طرف نظر دوڑائی اور جیسے دل ہی دل میں کچھ مطمئن ہوکے اس گلی کے اندر گھسی، اندر جانے سے پہلے اس نے ایک اور ہمراہی سپاہی کے کان کی طرف جھک کے کچھ کہا، جس کے ساتھ ہی وہ واپس چلا گیا، اب شہزادی حسین اور باقی ماندہ ایک جوان کو ساتھ لے کے گلی میں داخل ہوئی، گلی کے اندر ایک مقام پر ایک کھڑکی نما جسے شہزادی نے کھول کے دیکھا تو کپڑوں کا ایک زنانہ جوڑا تھا اور دو مردانے جوڑے جو بالکل دہقانوں اور گائے بھینس پالنے والوں کی وضع کے تھے، شہزادی نے دونوں جوڑے حسین اور دوسرے ساتھی کو دے کے کہا ''اپنے کپڑے اتار کے یہاں رکھ دو اور یہ کپڑے پہن لو۔'' یہ کہہ کر وہ خود بھی زنانہ جوڑا پہننے لگی، جب سب کپڑے پہن چکے تو وہاں پر اندھیرا تھا، حسین شہزادی کی وضع و لباس کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

بلغان خاتون: کیوں حسین! تعجب کس بات کا ہے؟

حسین: کیا عرض کروں، یہ لباس پہن کے تو آپ دنیاوی شہزادی نہیں آسمانی حور معلوم ہوتی ہیں۔

بلغان خاتون یہ بات سن کے مسکرائی اور بولی ''بس چپکے چپکے چلے آؤ۔'' اور آگے روانہ ہوئی، یکا یک معلوم ہوا کہ آڑی چٹان نے راستہ بند کردیا ہے، بلغان خاتون نے جب مڑ کے دیکھا تو نیچے ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آیا جس میں سے ایک آدمی مشکل سے سمٹ سمٹا کے نکل سکتا ہے، وہ اسی سوراخ سے نکلی اور ہمراہیوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا، اس دشواری کو جھیل کے شہزادی آگے بڑھی، لیکن بظاہر ایک بہت بڑی مشکل نظر آئی، وہ یہ کہ آگے ایک زبردست فولادی دروازہ تھا جو دوسری طرف سے بند تھا، مگر بلغان خاتون نے دروازے کے داہنے بازو کے برابر سے ایک پتھر نکالا، جس کے ہلتے ہی روشن دان سا ہوگیا، اس روشن دان میں ہاتھ ڈال کے اس نے دروازے کی کنڈی کھولی، جو اندر سے بند تھی، اس کے بعد تاری سپاہی اور حسین کی زور آوری سے فولادی پٹ اندر کی طرف ہٹ آیا اور جانے کا راستہ بن گیا۔

اس دروازے سے نکلتے ہی بلغان خاتون نے حیرت سے دیکھا کہ عجب فرحت بخش روح افزا چمن لگے ہوئے ہیں، پھولوں کی بہار اور طیور کی نغمہ سنجیاں دیکھتے ہی بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا۔

''واہ!'' مگر حسین جو اس مقام کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے حیرت سے دیکھ رہا تھا، شہزادی کی زبان سے یہ لفظ سن کے بولا۔ ''مجھے تو یہ فردوس بریں معلوم ہوتا ہے، مگر کیوں کر کہوں۔''

بلغان خاتون: اب میں تمہیں حور نظر آتی ہوں تو ضرور ہے کہ یہ باغ جنت ہے، مگر ذرا غور سے دیکھو۔

کیا یہی وہ فردوس بریں ہے جس کی تم سیر کر چکے ہو؟ (یہ کہہ کے شہزادی مسکرائی)

حسین: یعنی، وہی مقام معلوم ہوتا ہے، خداوندا! میں خواب دیکھتا ہوں یا بیدار ہوں! اور دیکھئے طیور کے نغموں سے بھی وہی آواز نکلتی ہے، اسلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔

بلغان خاتون: اس کے کیا معنی؟

حسین: اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں عدہ کیا ہے کہ جنت میں لوگوں کا خیر مقدم ادا کیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر سلام ہو، پاک ہو گئے تم لوگ، لہٰذا ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

حسین نے زبان سے تو یہ جواب دے دیا مگر اس کے دل و دماغ اور اس کی آنکھوں پر ساعت بساعت زیادہ حیرت مستولی ہوتی جاتی تھی، وہ ہر چیز کو ٹھہر ٹھہر اکر دیکھتا اور بار بار کہہ اٹھتا۔ ''یا تو میں آسمان پر پہنچ گیا ہوں یا فردوس بریں نیچے اتر آیا ہے، یہ تو بعینہٖ وہی باغ ہے جس میں زمرد کے ساتھ سیر کرتا پھرتا تھا۔''

بلغان خاتون: فردوس بریں میں تم پہنچ گئے، اب مطمئن رہو، زمرد سے بھی ملواؤں گی۔ حسین کو جنت میں پہنچ جانے کا یقین ہوگیا تھا، شہزادی کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی اس کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا:

''آپ نے اس راہ میں میری رہبری کی ہے، مجھے اب شیخ علی وجودی سے بھی دستگیری کی امید نہ تھی، آپ کا یہ احسان ہمیشہ میرے لوح دل پر نقش رہے گا۔''

بلغان خاتون: (حسین کو زمین سے اٹھا کے) ذرا صبر و تحمل سے کام لو، زمرد سے ملنے کے لئے شرط ہے کہ چپکے سے ساتھ ساتھ چلے چلو، ایسا اضطراب کرو گے تو کام بگڑ جائے گا، یہ کہہ کے شہزادی نے پھر زمرد کا خط نکال کے پڑھا اور دونوں ہمراہیوں کو ساتھ لئے ہوئے ایک جانب چل کھڑی ہوئی، چند منٹ میں وہ قصروں اور کوشکوں کے قریب تھی۔

حسین اس نظر فریب منظر کو کھڑا نہایت ہی حیرانی واز خود رفتگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ ناگہاں ایک حسین و نازنین عورت شہزادی کے سامنے آئی اور اس کے پاؤں چومنے کو جھکی۔

بلغان خاتون: تم کون ہو؟ (مگر اس کے ساتھ ہی حسین کی نظر اس پر جا پڑی، ایک بے اختیاری و خود فراموشی کے جوش میں اس کی زبان سے نکلا۔ ''زمرد!'' اور دوڑ کے اس سے لپٹ گیا)

زمرد: (حسین کو پھینک کر کے) ذرا صبر سے کام لو، پہلے مجھے شہزادی کے سامنے اپنی احسان مندی ظاہر کرنے دو۔

بلغان خاتون: تو تم ہی زمرد ہو۔ (یہ کہہ کر اس نے زمرد کو گلے سے لگالیا اور بولی) ''بہن، تیرا کیا احسان ہے، ہاں، تمہاری البتہ انتہا سے زیادہ شکر گزار ہوں، اگر تم مدد نہ کرتیں تو مجھے غم والم کے نجات نہ ملتی۔

زمرد: (مسکرا کے کسی قدر ندامت سے) مگر شہزادی، اس میں میری خود غرضی بھی تو تھی۔

بلغان خاتون: اسے خود غرضی نہ کہنا چاہئے، یہ اس سادہ لوح نوجوان پر تمہارا احسان ہے کہ اپنی محبت سے اسے عزت بخشی اور اتنے بڑے اور اس قدر گہرے فریب سے نجات دلائی، اس کے بعد زمرد حسین کی طرف متوجہ ہوئی اور پوچھا ''اب تو تم پر سارا راز کھل گیا؟''

حسین: راز کیسا؟ میں نے شہزادی کے حکم کی اطاعت کی اور صرف اس وجہ سے کہ تمہاری ہدایت تھی۔

بلغان خاتون: نہیں، ابھی میں نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نہ تمہارا کوئی خط دکھایا ہے، مگر جب سے یہ باغ میں داخل ہوئے ہیں، انتہا سے زیادہ پریشان ہیں اور بدحواس ہیں، اب اپنے ساتھ لے جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ دو تا کہ ان کی وحشت زدا دور ہو اور آدمی بنیں۔

زمرد: افسوس! غلطی میں یہ ایسے ایسے کام کر چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں کہ اطمینان تو انہیں بڑی مشکلوں سے نصیب ہوگا۔

بلغان خاتون: لیکن اب یہی مصلحت ہے کہ انہیں اپنے قصر میں لے جاؤ اور کوشش کرو کہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اٹھ جائے، مگر ہاں، پہلے مجھے یہ بتادو کہ یہاں کسی کا خوف تو نہیں؟ تمہارے لکھنے کے مطابق میں آنے کو تو چلی آئی مگر اندیشہ ہے کہ کوئی خرابی نہ اٹھ کھڑی ہو۔

زمرد: شہزادی! آپ مطمئن رہئے، کسی بات کا اندیشہ نہیں، آج شام تک آپ یہاں بے کھٹکے رہ سکتی ہیں، مگر وہ جو میں نے لکھا تھا، اس کا بھی بندوبست آپ نے کرلیا ہے؟

بلغان خاتون: سب سامان کرچکی ہوں، اگرچہ اس کے متعلق مجھے ذرا سا تردد ہے۔

زمرد: وہ کیا؟

شہزادی: خیر، کوئی مضائقہ نہیں، اس کو پھر بیان کروں گی۔

یہ کہہ کر اس نے باقی ماندہ جوان کو بھی جو ساتھ آیا تھا کچھ کان میں کہہ کر واپس بھیجا اور زمرد سے پوچھنے لگی "یہ بتاؤ، قلعے پر کدھر سے حملہ ہوسکتا ہے۔"

زمرد: آپ قلعے میں ہیں، مگر اتنا حصہ قلعے سے علیحدہ کردیا گیا ہے، اگرچہ غیر لوگ نہر یرنجان کے ذریعے سے اور بیرونی دیوار کے نیچے سے نکال کے لائے جاتے ہیں مگر اسی نہر کے اس طرف خورشاہ کا محل ہے۔

حسین: (چونک کر) خورشاہ کا محل! وہ یہاں کہاں؟ وہ تو الموت میں ہے۔

بلغان خاتون: (ہنس کے) اب انہیں ان کے قصروں میں وہیں پہنچا دو جس کے دیکھنے کا انہیں شوق ہوگا، باقی باتیں پھر آکے کرنا، یہ اگر یہاں موجود رہے تو بات نہ کرنے دیں گے۔

زمرد: بے شک شہزادی، آپ بجا فرماتی ہیں، انہیں وہاں بٹھا کے ابھی آتی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے حسین کا ہاتھ ہاتھ میں لیا، جو ایک خود فراموشی کے عالم میں کھڑا تھا اور شہزادی کو تنہا چھوڑ کے اسے کھینچتے ہوئے اپنے قصر دری میں لے گئی، حسین راستے بھر اس سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا مگر زمرد نے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا کہ پھر بتاؤں گی اور اسے قصر میں بٹھا کے شہزادی کے سامنے واپس آئی۔

بلغان خاتون: ہاں تو، خورشاہ کے محل کو یہاں سے راستہ گیا ہے؟

زمرد: جی ہاں، وہ روز یہاں آکے عیش وعشرت میں مشغول ہوا کرتا ہے، آپ اس راستے سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بہ آسانی پہنچ جائیں گی، پہلے نہر کا پل ہے، اس سے اترتے ہی آپ کو ایک راستہ ملے گا جو سیدھا خورشاہ کے حرم سرا کو گیا ہے، جس میں داخل ہوتے ہی آپ سمجھ لیجئے کہ الموت کے قلعے میں پہنچ گئیں اور آج عید کا دن ہے اور معمول ہے کہ اس زمانے میں کوئی شخص نہ جنت میں لایا جاتا اور نہ خورشاہ آسکتا ہے، اس لئے کہ اس علاقے کے تمام معزز اور مقرب لوگ نیز دور دور کے برسر آوردہ نقیب امام کی زیارت کو آتے ہیں اور قلعے میں عام معتقدین کا بڑا بھاری مجمع رہتا ہے، اسی خیال سے میں نے آپ کو رمضان کی ۲۷ تاریخ کو بلایا ہے، کیونکہ اس دن لازمی طور پر یہ باغ غیروں سے خالی رہتا ہے اور خود خورشاہ کو بھی تین چار دن تک یہاں آنے کی فرصت نہیں ملتی، اگر اور کوئی زمانہ ہوتا تو اب تک آپ کے آنے کا حال قلعے میں معلوم ہوگیا ہوتا۔

بلغان خاتون: تو ابھی تک کسی کو ہمارے آنے کی خبر نہیں؟

زمرد: بالکل نہیں، اول تو یہاں کوئی مرد نہیں جو لوگوں کو خبر کرکے لڑائی کا سامان کرے اور شاید کوئی عورت بھاگ کے چلی بھی جاتی مگر میں نے آج صبح سے شہر کے پل کے پھاٹک میں قفل لگا دیا ہے اور کنجی میرے پاس ہے، لہٰذا ممکن نہیں کہ کوئی بھی بھاگ کے قلعے میں جا سکا ہو اور لطف یہ کہ ان دنوں ادھر سے بھی کوئی آنے والا نہیں۔

بلغان خاتون: یہ تو بہت اچھی بات ہوئی، تم کہتی ہو آج عید ہے، جب کہ قلعے میں خوشی کا جوش وخروش ہوگا، پس کوئی فکر نہیں، آج شام سے پہلے ہی ہمارا حملہ ہوجائے گا، مگر زمرد مجھے ایک بات کا تردد ہے، جس فوج کو میں نے اپنی مدد کیلئے بلایا تھا، اس کا ابھی تک پتا نہیں، میرے ہمراہ صرف پانچ سو سپاہی ہیں جو شاید کافی نہ ہوسکیں۔

زمرد: میں تو سمجھتی ہوں کہ پانچ سو جوان بھی قلعے پر ادھر سے جا کر قبضہ کرلیں گے۔

بلغان خاتون، مگر مجھے یقین ہے کہ ہماری کمک آئے گی ضرور، صرف شام تک کی مہلت چاہئے۔

زمرد: شام کیا معنی، آپ کل تک یہاں مخفی رہ سکتی ہیں، کوئی اندیشے کا مقام نہیں، پس جب تک کمک آئے، یہاں آرام فرمایئے، آپ تھک بھی گئی ہوں گی، ستانے کیلئے اچھی مہلت مل گئی، اس کے بعد شہزادی نے پوچھا" اور زمرد، یہ لباس جو تم نے میرے دونوں ساتھیوں کیلئے تجویز کیا ہے، اس میں کیا مصلحت تھی؟"

زمرد: آپ کا لباس تو وہی حوروں کا لباس ہے جس کو لوگ یہاں حلہ جنت سمجھتے ہیں، اس لباس کی وجہ سے کسی پر بدگمانی نہیں ہوسکتی۔

بلغان خاتون: شاید اسی لئے مجھے وہ کپڑے پہنے دیکھ کے حسین نے کہا تھا کہ آپ حور معلوم ہوتی ہیں۔

یہ جملہ سن کے زمرد بھی ہنسی اور بولی "مگر اپنے لباس کے متعلق انہوں نے کچھ نہ کہا؟"

بلغان خاتون: اور ہاں، مردوں کے لئے ایسا بے ہودہ لباس تم نے کیوں تجویز کیا؟

زمرد: اس لئے کہ مردوں میں یہاں عام طور پر دو ہی دو وہ والے آیا کرتے ہیں جو یہاں کی نہروں اور حوضوں میں دو وہ اور شراب بھرتے ہیں، اگر کوئی مرد اس لباس کو پہنے ہوئے یہاں آئے تو کسی کو بھی خیال نہ ہوگا کہ کوئی غیر ہے۔

بلغان خاتون: گر ایسا نہ ہو کہ کسی کو خبر ہوجائے اور قبل از وقت راز کھل جائے۔

زمرد: کسی کو خبر نہ ہوگی، آپ شوق سے یہاں فروکش ہوں، عید کے دن کس کو یہاں آنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

بلغان خاتون: بہتر، میں یہیں ٹھہروں گی، مگر مجھے چل کے ذرا جنت کی سیر کرادو اور پل سڑک بھی دکھادو تاکہ راستہ خوب پہچان لوں۔

زمرد: چلئے۔

اس تجویز کے بعد دونوں حسین ونازنین عورتیں قصروں اور کوشکوں کی سیر کرتی اور باغوں اور چمنوں کی بہار دیکھتی ہوئی اس بڑی نہر کے کنارے پر پہنچیں جس کے راستے سے لوگ سونے کی کشتی میں بٹھا کے جنت کے اندر لائے جاتے تھے، اس نہر کے پل کے پھاٹک میں قفل لگا ہوا تھا جسے زمرد نے کھولا اور دونوں لڑکیاں دوسری وادی کے میدان میں اتریں، ادھر بھی ایک پھولوں کا سطح تختہ دور تک بنا ہوا تھا اور درمیان میں سے ایک سڑک گزرتی تھی جو تھوڑی دور تک کھلی فضا میں جا کے بڑے سایہ دار درختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہوگئی تھی، انہی درختوں کے اس طرف حرم سرا کا راستہ تھا، یہ دلچسپ سیر کرکے شہزادی واپس آئی اور زمرد کے انتخاب کے مطابق عالی شان فیروزہ کے کوشک میں جا کے فروکش ہوگئی، زمرد دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی اور جب دیکھا کہ شہزادی لیٹ کے آرام کیا چاہتی ہے تو اس سے رخصت ہو کے دروازہ اندر سے بند کروادیا اور اپنے قصر کی طرف روانہ ہوئی۔

☆.....☆.....☆

افشائے راز

حیرت زدہ حواس باختہ نوجوان حسین کو زمرد، شہزادی کی تجویز کے مطابق قصر دری میں چھوڑ کے واپس گئی تو وہ گھبرا کے ایک ایک کو دیکھتا اور اپنے دل سے پوچھتا تھا کہ کیا حقیقت میں یہ وہی مقام ہے جہاں وہ امام قائم قیامت کی وجہ سے آیا تھا، مگر وہ تو ملاء اعلیٰ پر تھا اور یہ زمین ہی پر ہے، لیکن کیوں کر شک کیا جائے، خود زمرد بھی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود ہے، اگر یہ کوئی دنیاوی باغ ہے تو وہ کیوں کر چلی آئی؟ خود اسی نے لکھا تھا کہ جنت میں ہوں اور فردوس بریں کی سیر کر رہی ہوں، آخر اسے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟

اس کے بعد وہ محل کے برآمدے میں جا کھڑا ہوا اور ہر ایک عمارت، ایک ایک چمن کو غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے لگا، ہر چیز وہی اور ویسی ہی تھی، جیسی کہ پہلے نظر سے گزری تھی، قصروں کی روکا ربر اسی طرح جواہرات جڑے ہوئے تھے، ان کی وضع بھی ویسی ہی تھی، چمنوں کا بھی وہی رنگ اور وہی نقشہ تھا، سڑکیں اور روشیں بھی اسی طرح رنگ برنگ اور نظر فریب تھیں، سونے چاندی کے تخت وتاج بھی اسی پہلی شان سے تھے، نہریں بھی اسی مستانہ روی سے بہہ رہی تھی، بس صرف ایک چیز کی کمی تھی، اور وہ وجد میں لانے والا گانا تھا، مگر جب اس نے طیور کی زبان سے وہی ترانہ خیر مقدم لیا تو ادھر سے بھی شک جاتا رہا، وہ اسی پس وپیش میں تھا کہ ایک طائر نے ایک تازہ اور شاداب سیب چونچ میں لا کے سامنے ڈال دیا۔ ''یہ بھی خاص فردوس بریں کی علامت ہے۔''

حسین کے خیالات میں ایک عجیب قسم کا تردد و اضطراب تھا، یہ معمہ کسی طرح حل ہونے میں نہ پایا تھا کہ سامنے سے زمرد نظر آئی جو شہزادی سے رخصت ہو کے اس کے پاس آ رہی تھی، اس کی دل ربا اور ناز آفریں صورت دیکھتے ہی وفور جوش سے حسین کا دل دھڑکنے لگا اور عشق کے جذبات نے یک بیک ایسی بے اختیار حالت طاری کی کہ برآمدے سے اتر کے استقبال کو دوڑا اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

حسین: پیاری زمرد! واللہ بتاؤ کہ میں کس عالم میں ہوں اور یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟

زمرد: (مسکرا کے) وہی دیکھ رہے ہو جو ایک دفعہ دیکھ چکے ہو۔

حسین: یعنی وہی ملاءِ اعلیٰ پر ہوں؟

زمرد: واقعی جو ساز و سامان نظر آ رہا ہے اس لحاظ اس جگہ کو ملاءِ اعلیٰ ہی کہنا چاہئے۔

حسین: کہنا چاہئے؟ تو کیا اصل میں نہیں؟

زمرد: تم اپنے دل سے پوچھو، تم نے اس مقام کو زمین پر پایا یا آسمان پر؟

حسین: آیا تو زمین ہی کے راستے ہوں۔

زمرد: تو زمین ہی پر سمجھیں۔

حسین: مگر کیوں کر سمجھوں؟ تمہاری قبر پر تمہارے وہ خطوط یہاں تک آنے کا ذریعہ ہیں، ان تمام باتوں میں جس چیز کا خیال کرتا ہوں، اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کوئی اور عالم ہے اور یہاں کی مسرتیں دنیاوی مسرتوں سے بالا ہوں۔

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں قصر میں داخل ہوئے اور زمرد نے کہا ''یہاں کی مسرتیں تو بے شک دنیا کی مسرتوں سے بالا ہیں مگر یہ نہ سمجھو کہ تم دنیا سے نکل کے کسی اور جگہ آ گئے ہو۔

حسین: پھر وہ سب واقعات جو گزر چکے ہیں، ان کی نسبت کیا خیال کروں؟

زمرد: یہ سب میری مجبوری، میری بے دست و پائی اور تمہاری سادہ لوحی کا نتیجہ ہے۔

حسین: میں اس کا مطلب نہیں سمجھا؟

زمرد: گھبراؤ نہیں، سب سمجھ جاؤ گے، مگر افسوس! جس قدر سمجھو گے، اسی قدر زیادہ پریشان ہو گے اور اپنے کئے پر پچھتاؤ گے۔

حسین: زمرد! اب مجھے تیری صورت پر بھی شبہ معلوم ہوتا ہے، تو وہی زمرد ہے جو میرے ساتھ آئی تھی؟

حسین کی زبان سے سادگی کا سوال سن کے زمرد کو ہنسی آئی مگر ضبط کیا اور ایک عجیب دل فریب ادا کے ساتھ پرمعنی اور شوخ چتونوں سے دیکھ کے بولی ''نہیں، دوسری ہوں۔'' اس جواب کو حسین نے سنا ہی نہیں تھا، اس نے زمرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور غور سے دیکھ کے بولا:

وہی نورانی جسم ہے یا میرے ہی جسم کا سا مادی پتلا؟''

زمرد: ہوش کی باتیں کرو، تم بالکل از خود رفتہ ہوئے جاتے ہو، تمہاری آنکھوں کے سامنے سے ایک بہت بڑا طلسم ٹوٹا ہے، جس کے اثر سے تمہارے حواس ٹھکانے نہیں رہے، ذرا ہوش میں آؤ اور حواس کی باتیں کرو کہ سارا راز، تمام سرگزشت بیان کروں۔

حسین: پیاری زمرد، جلدی بیان کرو، اس لاعلمی اور ناواقفی نے مجھے دیوانہ کر رکھا ہے۔

زمرد: اس وادی میں ہم دونوں نے جن پریوں کو دیکھا تھا، وہ پریاں نہ تھیں بلکہ اسی مصنوعی جنت کی حوریں تھیں۔

حسین: (حیرت سے بات کاٹ کے) مصنوعی جنت! یہ وہ جنت نہیں جس کا وعدہ مومنین سے کیا گیا تھا؟

زمرد: ذرا صبر کرو، خیر، تم وہاں بے ہوش ہو گئے اور مجھے وہ یہاں پکڑ لائیں، نہ میں ماری گئی، نہ شہید ہوئی، مگر اس لئے کہ تم کو میرے مرنے کا یقین آ جائے، انہوں نے واپسی سے پہلے بھائی کی قبر میں ذرا تغیر پیدا کیا اور اسی وقت رات کو مجھ سے پوچھ کے بھائی کے نام کے برابر میرا نام بھی کندہ کر دیا، اس سے غرض صرف یہ تھی کہ تم مجھ سے مایوس اور میرے خیالوں سے دست بردار ہو کر چلے جاؤ، اس وادی کی خطرناک حالت ہر ملنے والے سے بیان کرو اور یہاں کی پریوں کی اہمیت ہر شخص کے دل میں بٹھا دو۔

حسین: تم تو زندہ ہو (یہ کہا اور زمرد کو سر سے پاؤں تک گھور کے دیکھنے لگا)

زمرد: (جھنجھلا کے) نہیں چڑیل ہو گئی ہوں (حسین نے کچھ اس کا جواب نہیں دیا اور زمرد نے ایک لمحہ توقف کر کے پھر سلسلۂ کلام شروع کیا) تو تم کو یہ دھوکہ دیا گیا اور میں یہاں لانے کے بعد انہی عورتوں میں شامل کر دی گئی جو یہاں حوریں کہلاتی ہیں، چند روز بعد دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تم اسی طرح میری قبر کے مجاور بنے بیٹھے ہو اور جانے کا نام ہی نہیں لیتے، آخر یہاں غور کیا گیا کہ وہ وادی تم سے کیوں خالی ہو، اکثروں کی رائے تھی کہ قتل کر ڈالنا چاہئے، مگر اتفاق سے میری تدبیر کارگر ہوئی اور تجویز قرار پائی کہ کسی ایسے طریقے سے تمہیں وطن جانے کی ہدایت کی جائے کہ کسی کا لگاؤ ثابت نہ ہو اور تم بغیر اس کے کہ کسی قسم کی بدگمانی کرو، وہ وادی چھوڑ دو، اس تجویز کا نتیجہ میرا پہلا خط تھا، جس میں تم سے میری وصیت پوری کرنے کی درخواست کی گئی تھی، وہ خط میرے ہی ہاتھ سے لکھوایا گیا اور مجھ سے حالات دریافت کر کے اس کے مضمون کا مسودہ تیار کیا گیا، مگر حسین! وہ خط صاف کرتے وقت میں چپکے چپکے بہت روتی تھی، اس لئے کہ جانتی تھی کہ خود اپنے ہاتھ سے دائمی مفارقت کا سامان کر رہی ہوں، خیر، وہ خط تمہارے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ اب بھی تم اسی طرح بیٹھے ہو اور گویا تمہارے ارادے میں تبدیلی نہیں ہوئی۔

حسین: بے شک نہیں ہوئی تھی، زمرد، میں تو مر جاتا اور وہاں سے نہ ہٹتا۔

زمرد: جب یہ معلوم ہوا تو ان لوگوں کو پھر فکر پیدا ہوئی، کئی مرتبہ خود مجھ سے کہا گیا کہ یہ تدبیر بے سود ہوئی، اب کیا کیا جائے؟ اب کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہ آتی تھی اور دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں یہ غضب نہ ہو کہ یہ لوگ تمہارے مار ڈالنے پر آمادہ ہو جائیں، اتفاقاً انہی دنوں میں خبر آئی کہ امام نجم الدین نیشاپوری باطنیوں کے خلاف وعظ کہہ رہے ہیں اور تدبیریں کی جا رہی تھیں کہ کس فدائی کے ہاتھ سے وہ قتل کرا دیئے جائیں، کم بختی یا شامت اعمال سے میری زبان سے نکل گیا کہ وہ تمہارے چچا اور تمہارے استاد و مرشد ہیں، یہ خبر جیسے ہی یہاں کے بادشاہ خورشاہ کو پہنچی اس نے خیال کیا کہ وہ امام عالی مقام تمہارے ہاتھ سے قتل ہوں تو زیادہ مناسب ہے، اس طرح زمانے بھر کو معلوم ہو جائے گا کہ مذہب باطنیہ والوں پر کس قدر گہرا اثر ڈالتا ہے کہ انسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے عزیز واقارب، اساتذہ ومرشد تک کی پروانہیں کرتا، تمہارے تبختر سے ان کا قتل ہونا ایک ساتھ ان باتوں کا ثبوت دے سکتا ہے کہ بھتیجے نے چچا کو، شاگرد نے استاد کو مرید نے مرشد کو بلا تامل ثواب سمجھ کے قتل کر ڈالا۔

زمرد نے یہاں تک کہا تھا کہ حسین نے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لی اور آبدیدہ ہو کے کہنے لگا۔ ''افسوس! میں نے شفیق بزرگ اور خداشناس مرشد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، زمرد! یہ تیرے ہی شوق میں اور تیری ہی ہدایت کی وجہ سے تھا ورنہ میں اتنے بڑے ظلم کی ہرگز جرأت نہ کرتا۔

زمرد: حسین! میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں کہ اس گناہ میں مجھے شریک نہ کرو، مجھے جب اس کا خیال آجاتا ہے تو کانپ اٹھتی ہوں، مگر اس ذکر کو جانے ہی دو، ایک ہونے والی بات تھی جسے کوئی نہ روک سکتا تھا، میں نے اگر تمہیں اس کام کے لئے تیار کیا تو میں اپنے بس میں نہ تھی اور تم اگر آمادہ ہو گئے تو تم اپنے ہوش میں نہ تھے۔

حسین: (زور سے سینہ پیٹ کے) مگر افسوس زمرد! یہ عذر خدا کے سامنے نہ کئے جائیں گے، میں نہ ہوش میں تھا نہ بے ہوش، صاف نظر آرہا تھا کہ ایک گناہ عظیم کر رہا ہوں، مگر تیرا شوق بار بار دل کو اطمینان دلا کے آمادہ کرتا تھا۔

زمرد: (بے تابی سے بات کاٹ کر) پھر میرا نام! خدا کے لئے حسین مجھے اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ (آنسو بہا کے) میں نے کچھ کیا ہے، مجبوری اور بے بسی میں، افسوس! خود اپنے دل سے تو لعنت کی آواز سن رہی ہوں، تمہاری زبان سے بھی وہی سنتی ہوں۔

یہ کہہ کر زمرد زار وقطار رونے لگی، حسین نے بے اختیاری کے ساتھ جلدی سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا:

''زمرد! بے شک تو بے خطا ہے، اگر میں نے تیرا دل دکھایا تو معاف کرا اور آگے بتا کہ پھر کیا ہوا؟''

زمرد: (رومال سے آنسو پونچھ کر) پھر تم کو دوسرا خط ملا جس میں تمہیں کوہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تہہ خانے میں چلہ کشی کرنے اور پھر جلب جا کر شیخ علی وجودی سے ملنے کی ہدایت کی گئی تھی، وہ خط بھی اسی طرح بھیجا گیا کہ اس کا مسودہ لکھ کے مجھے دیا گیا اور جب میں نے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا تو میری قبر پر رکھوا دیا گیا۔

حسین: لیکن اگر اتنا ہی کام تھا کہ امام نجم الدین نیشا پوری قتل کر ڈالے جائیں تو مجھے اتنے چکر کیوں دیئے گئے اور میرے راستے میں بے شمار کی دشواریاں کیوں پیدا کی گئیں؟

زمرد: اس لئے کہ تمہارے شوق میں ہیجان اور بے صبری پیدا ہو، اگر بغیر اتنے جھٹکے کھنچوائے اور بغیر علی وجودی کے پاس ایک سال تک انتظار کرانے کے کہہ دیا جاتا تو تم اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے۔

حسین: زمرد! تیرا شوق میرے دل میں اس قدر تھا کہ جس کام کو کہا جاتا، اسی وقت پورا کرنے کو تیار ہو جاتا۔

زمرد: خیر، تو ان کو نہیں معلوم تھا کہ اتنے بے وقوف ہو اور تمہارے اخلاق اس قدر کمزور ہیں۔

حسین: مگر کیوں کر کہوں زمرد! مجھے تیری باتوں کا یقین نہیں آتا، ان آنکھوں سے ایسی ایسی کرامتیں اور عقل انسانی سے اس قدر بالا باتیں دیکھ چکا ہوں کہ ان لوگوں کی خداشناسی سے انکار کرنے کی کسی طرح جرأت نہیں ہوتی، جن گدھوں پر ہم دونوں سوار ہو کے یہاں آئے تھے وہ تو مر چکے تھے مگر مجھے ایک نیا تازہ دم گدھا اسی درخت سے بندھا ملا اور ایسا خوبصورت توانا و متدرست اور تیز رو کہ اس وقت تک میں یہی سمجھتا تھا کہ میری سواری کے لئے خاص خدا کے پاس سے آیا تھا۔

زمرد: وہ گدھا یہیں سے بھیجا گیا تھا، جس وقت تمہارے نام کا خط قبر پر رکھوایا گیا تھا، اسی وقت وہ گدھا ایک دوسرے راستے سے بھیج کر اس درخت سے بندھوایا گیا تھا۔

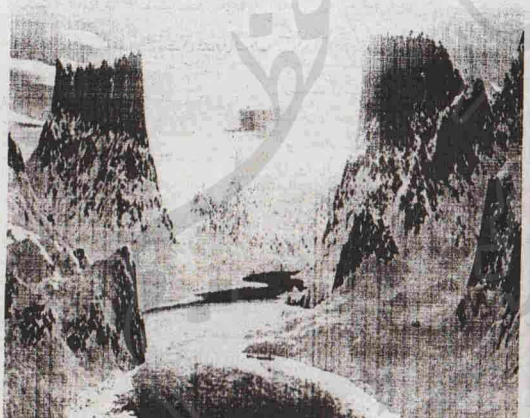
حسین نے اس جواب کو حیرت سے سنا اور بولا:

''عجب! مگر پھر بھی میرے شبہات دور نہیں ہوتے، آخر شیخ وجودی کو میرے سب حالات کیوں کر معلوم ہو گئے؟ وہ یہاں سے دس ہزار کوس کے فاصلے۔ (جاری ہے)

جب پو پھٹی

ایمان لانے کی پاداش میں صحابہ کرامؓ پر کفار ومشرکین کی جانب سے کی گئی سختی اور صحابہ کرامؓ کی ایمان پر ثابت قدمی پر لکھی گئی ایک محاکاتی تحریر

تاریخ کے اوراق سے قارئین ''حیا'' کیلئے خوبصورت انتخاب



ایک عامری نے کہا:

''اگر اس کے کھلانے پلانے کی فکر اور دوسرا بوجھ جو ہم پر ہے تجھ پر ہوتا تو کبھی تجھے ترس نہ آتا، اور نہ اس پر رحم کھاتی، بخدا یہ بالکل ناکارہ غلام ہے، ہم پر ہر طرح کا بوجھ تو ڈالتا ہے لیکن فائدہ کچھ نہیں دیتا، یہیں نہیں بلکہ ہمارا کہنا بھی نہیں مانتا، ہمارے ساتھ چلنے سے انکار کرتا ہے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے یہ شہر اسے بہت پسند آگیا ہے، حالانکہ یہاں کا کوئی باشندہ بھی تو اسے پسند نہیں کرتا۔"

ام انمار بولی:

"کیوں نہیں، مجھے یہ بڑا اچھا لگتا ہے۔"

عامری کہنے لگا:

"تو پھر اسے خرید کیوں نہیں لیتی، قیمت دے دے اور اس کو لے جا، دیوتا برکت نہ دیں، اس کم بخت غلام میں!"

بالآخر معاملہ اس طرح ختم ہوا کہ ام انمار نے چند درہم دے کر بہت سستے داموں اسے خرید لیا، ام انمار بھی اس دبلے پتلے غلام کو ہاتھ سے پکڑے بنی زہرہ کے قبیلے میں اپنے گھر واپس آگئی، بھوک کے مارے اس غلام کا برا حال تھا، سفر کی تکلیف اور تکان سے بے چارہ چور ہو رہا تھا، ام انمار جب بھی بنی زہرہ کے مردوں یا عورتوں کے جمگھٹ کے پاس سے گزرتی، وہ ہنس کر کہتے:

"واہ بی ام انمار! آج یہ کس مردے کو گھسیٹتی لے جا رہی ہو؟"

وہ جواب میں کہتی:

"تمہیں اس سے کیا؟ میں اس کو اپنے پاس رکھوں گی، یہ میری خدمت کرے گا اور میرے بچے کے ساتھ کھیلے گا۔" اس نے بچے کو گھر چھوڑا اور کام سے شہر میں چلی گئی۔

شام کو جب وہ گھر واپس آئی تو اپنے بیٹے اور غلام کو دیکھا کہ طرح طرح کے کھیل کھیل کر خوب تھک گئے ہیں، اس نے ان کو خوب کھلایا پلایا اور پھر بڑی نرمی اور لطافت سے غلام سے باتیں کرنے لگی، بولی:

"بیٹا! تمہارا نام کیا ہے؟"

غلام نے کہا:

"خباب!"

پھر بولی:

"اور باپ کا نام کیا ہے؟"

غلام نے کہا:

"ارت!"

ام انمار بولی:

"اچھا بیٹا یہ تو بتاؤ، تمہاری ماں کا نام کیا ہے؟"

یہ سننا تھا کہ وہ بچہ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ بڑھیا کا دل بیٹھ گیا۔ اس نے مزید سوالات بند کر کے اس کو بہلانا شروع کر دیا اور آنسو پونچھنے لگی۔

قصہ یہ تھا کہ بنی عامر کے وہ لوگ ایک دن دھوکا دے کر اس کے خاندان پر ٹوٹ پڑے۔ اس روز قبیلہ والے کہیں گئے ہوئے تھے، کوئی موجود نہ تھا، لہٰذا جہاں تک ہو سکا، اس کے والد نے تنہا ان کا مقابلہ کیا، لیکن انہوں نے اس کی بیوی، نوجوان بیٹی اسماء اور اس بچے کے سامنے اسے قتل کر دیا، پھر اس کا مال و اسباب سب سمیٹ کر لے گئے اور گھر والوں کو قید کر لیا، اس کی ماں کو تو عرب کے کسی قبیلے میں بیچ دیا اور بہن کو ایک دوسرے قبیلے میں فروخت کر دیا، پھر اس کو اور لوٹے ہوئے مال و اسباب کو ادھر لے آئے، مال و اسباب تو بلا کسی دقت کے نہایت آسانی سے بک گیا، مگر آخر میں یہ بے فیض بچہ ان کے پاس رہ گیا، جس کے اچھے دام نہیں کہیں نہ ملتے تھے، آخر کو بھی ام انمار نے خرید لیا اور اس کے ساتھ غلاموں کا سلوک نہیں کیا بلکہ اپنے بیٹے کی طرح رکھنے لگی، جب وہ کام کاج کے قابل ہو گیا تو ام انمار نے اس کو ایک لوہار کے ہاں بٹھا دیا جہاں اس نے لوہے اور ہتھیار سازی کا کام سیکھا، ابھی اس کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے اور اپنی ماں کے لئے تھوڑا بہت کمانے لگا اور ایک دکان میں یہی لوہے اور ہتھیار سازی کا کام کرنے لگا۔

اس غلام نے بھی اپنے جیسے دوسرے ہم رتبہ غلاموں کی طرح پرورش پائی، جو باہر سے مکہ لائے جاتے تھے یا جن کے ماں باپ کو قسمت نے یہاں لا ڈالا تھا، وہ اگرچہ ایک غلام کی طرح پروان چڑھا، لیکن غلامی کا بوجھ

اسے محسوس نہ ہوا، مگر آزادی کی مٹھاس سے بھی نا آشنا تھا، بس ان دونوں حالتوں کے بین بین تھا، نہ پورا غلام نہ پورا آزاد۔

یہ نوجوان جب ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے تو اپنی ناگفتہ بہ حالت کے متعلق طرح طرح کی خیال آرائیاں کرتے اور ان کی یہ تمام باتیں ہمیشہ ایک مردہ حسرت اور بجھے ہوئے غصہ پر ختم ہوتیں، جب وہ اپنے قریب گردونواح کی بستیوں پر نگاہ دوڑاتے یا عرب کے بادیہ نشین قبیلوں پر نظر ڈالتے تو ان کی تمام امیدیں خاک میں مل جاتیں، یاس و حسرت اور ناکامی کے خیالات پھر لوٹ آتے اور ان کی رہی سہی ہمت جواب دے دیتی، ان بستیوں کو دیکھ کر انہوں نے اندازہ لگایا کہ ان کو اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو کسی طرح کی بھی گزر اوقات کا جب تک یہاں مکہ میں موقع ملتا ہے، اس مکہ کی زندگی ہی ان کے لئے بہتر ہے، مکہ میں امن و امان تھا، یہاں بغیر کسی سخت محنت اور جان توڑ مشقت کے روزی مل جاتی تھی۔

لیکن خباب ایک روز اپنے ایک دوست سے ملا تو تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ اس کا دوست حسرت و ناامیدی سے نجات پا چکا ہے اور غم و یاس سے بالکل آزاد ہے، اب اس میں یاس و ناامیدی کے بجائے آس اور امید کی کرن نظر آتی ہے، یہ دیکھ کر خباب اپنے دوست سے کہنے لگا:

"تمہیں آخر کیا ہو گیا ہے؟ میں اسے تم میں کچھ ایسی چیز پاتا ہوں جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی، آج جو نئی بات میں تم میں محسوس کر رہا ہوں، وہ کبھی کسی دوست میں نظر نہیں آئی، آخر بتاؤ تو سہی ماجرا کیا ہے؟"

اس کے دوست نے اس طریق پر جواب نہیں دیا جیسا کہ ان کا معمول تھا بلکہ اس نے یہ جملے پڑھ کر سنائے:

ترجمہ: "پڑھو، اپنے رب کا نام لے کر پڑھو، جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا، ہاں پڑھو تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا تک نہ تھا، مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو ذرا مالدار اور غیر محتاج دیکھتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب کو آپ کے پروردگار ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔" (سورۂ اقراء)

یہ کلام سنتے ہی خباب کے بدن میں کپکپی چھوٹ گئی اور جسم پر سخت لرزہ طاری ہو گیا، اس کے دانت بجنے لگے، رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پاؤں لڑکھڑانے لگے، اس کے ساتھی نے کچھ دیر اسے یونہی رہنے دیا، پھر جب اس کی کپکپی دور ہو گئی، ہوش و حواس درست ہوئے اور وہ جم کر سیدھا کھڑا ہو گیا تو اپنے ساتھی سے کہنے لگا:

"بوہنہ! ابھی جو تم نے پڑھا ذرا دوبارہ سنانا، دراصل میں اس کی تاب نہ لا سکا، اس لئے کچھ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا۔"

خباب کے کہنے پر اس کے ساتھی نے یہ آیات بار بار پڑھ کر سنائیں، خباب نے جب اپنے ساتھی کو جواب دیا تو پہلے بڑے تعجب سے یہ آیات دہرا میں:

کلا ان الانسان لیطغیٰ O ان راہ استغنیٰ O ان الی ربک الرجعیٰ O

پھر بولا:

"یہ آخر کون سا کلام ہے؟ تمہارا تو یہ ہو نہیں سکتا، پھر بتاؤ یہ کہاں سے سنا؟ میں بھی ایسا کلام سن سکتا ہوں؟"

اس کا ساتھی کہنے لگا:

"ہاں ضرور! اگر تم سننا چاہتے ہو تو "امین" کے پاس، وہ ہمیں یہ کلام پڑھ کر سناتے ہیں اور یہ ان پر آسمان سے اترا ہے۔"

ایک روز صبح کے وقت ابوجہل اپنی قوم کے پاس دانت پھاڑ کر ہنستا ہوا مسجد میں آیا اور رانیں بجا بجا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہنے لگا:

"قریشیو! اگر جی چاہے تو کل ہمارے ہاں آکر ایک دلچسپ تماشا دیکھنا، سنو! اس خناثہ کا بیٹا بھی پے در پے دین ہو گیا ہے، کل دوپہر کو ہم اسے آگ میں جلائیں گے۔"

عبداللہ بن سہیل عمرو جب اپنے بہنوئی ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ سے ملنے آیا تو وہاں اپنی بہن سہلہ بنت سہیل سے بھی ملاقات کی، یہ ابوحذیفہ کی بیوی تھی، جب عبداللہ اس سے ملنے آیا تو خلاف معمول یہ بہت تپاک سے ملی، بڑی گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور خوب آؤ بھگت کی، خلاف توقع یہ غیر معمولی استقبال دیکھ کر وہ بھی بہت خوش ہوا اور اس کو خوش کرنے اور دل بہلانے کے لئے اپنی قوم اور قبیلہ کی باتیں سنانے لگا۔

عبداللہ نے دیکھا کہ اس کی بہن یاد جود خوش و خرم ہونے اور اس سے راضی ہونے کے کبھی کبھی کچھ کھوئی جاتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل اب حاضر نہیں اور اب حاضر ہے، نہ معلوم کیا بات ہے۔

اس کو اپنی بہن کی مسرت اور کھویا کھویا پن دونوں کچھ عجیب سے معلوم ہوئے، لیکن یہ بات اس نے دل ہی میں چھپائے رکھی اور اس پر کسی طرح ظاہر نہ ہونے دی، پھر وہ اسی طرح ہنستا مسکراتا رہا اور اپنی باتیں سناتا رہا، آخر جب کافی دیر اس سے باتیں کر لیں تو واپس جانے کے لئے اٹھا، گھر کے صحن تک رخصت کرنے کے لئے اس کی بہن بھی اٹھی، لیکن چلنے سے پہلے عبداللہ اپنی بہن کو گلے لگانے اور بوسہ دینے کے لئے اس کی طرف جھکا، یہ دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور کچھ پیچھے ہٹنے لگی، عبداللہ بڑی حیرت اور استعجاب سے اسے دیکھنے لگا اور وہ بھی حیرانی و پریشانی کے عالم میں اسے تکنے لگی، پھر عبداللہ واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا، لیکن سہلہ اسی طرح گھبرائی ہوئی خاموش کھڑی تھی، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے، کیا کہے اور کیا نہ کہے؟ کچھ دیر بعد عبداللہ بولا:

"سہلہ! آج تو تمہاری حالت کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے، کیا تم نے کل یہاں سے ہجرت کا ارادہ نہیں کر لیا ہے۔"

سہلہ پر کچھ خوف و دہشت کے آثار نمایاں ہوئے۔ گھبرا کر بولی:

"کیسی ہجرت؟ کون سی ہجرت؟"

یہ سن کر عبداللہ کھل کھلا کر ہنس پڑا، کہنے لگا:

"ایسی بھولی لڑکی میں نے کبھی نہیں دیکھی جو اپنے بھائی کو چرائے، حبشہ کی جانب محمدؐ کے ساتھیوں کی ہجرت کوئی ڈھکی چھپی بات تو ہے نہیں، لوگوں میں اس کا خوب چرچا ہے اور قریش سردار بھی اپنی مجلسوں میں اس کے تذکرے کرتے رہتے ہیں، اگر قریش چاہتے تو محمدؐ کے ساتھیوں کی ہجرت کے راستے روک لیتے، لیکن وہ یہ نہیں چاہتے، وہ ان کے ساتھ ترکیبیں، تدبیریں اور چالیں لڑاتے لڑاتے اکتا چکے ہیں اور ان میں سے کمزوروں کو بار بار سزائیں دے کر اور جلا ستا کر تھک سے گئے ہیں، اب قریش ان کی اس ہجرت سے خوش ہیں اور ان کے سردار کہتے ہیں کہ اب یہ فتنہ و فساد ہمارے سر سے ٹل جائے گا۔"

سہلہ یہ باتیں بڑی خاموشی سے سن رہی تھی، اس کے چہرے پر رنج و غم اور خوف و دہشت کی وجہ سے ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا، وہ خاموش کھڑی اپنے بھائی کی باتیں برابر سنتی رہی اور کوئی جواب نہ دیا تو عبداللہ کہنے لگا:

"شاید تمہارا اور تمہارے خاوند کا یہ خیال ہے کہ قریش تم سے غافل ہیں، ہرگز نہیں، لیکن قریش تم دونوں کو نہیں روکتے، کیونکہ ہم تمہیں دل و جان سے چاہتے ہیں اور تم سے محبت کرتے ہیں، ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اس طرح چھپ چھپ کر زندگی بسر کرو، جیسے آج کل تنگی اور مشکل میں گزر بسر کر رہے ہو، ہمارے دل میں اس بات سے کسی قسم کی تنگی پیدا نہیں ہوتی کہ تمہیں اس ہجرت کے بعد خوف و دہشت اور تنگی و عسرت کی بجائے امن و سکون اور فراخی و

وسعت مل جائے گی، ہمیں اس سے کسی قسم کا رشک یا حسد پیدا نہیں ہوگا بلکہ دلی خوشی حاصل ہوگی اگر والد صاحب کو قریش یہ طعنہ نہ دیتے کہ "سہیل کا دل بودا ہو گیا ہے اور اب وہ اپنی بیٹی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔" تو آج میں تم سے اکیلا ملنے نہ آتا بلکہ والد صاحب بھی ساتھ آتے، مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ قریش میرے بارے میں کیا کہیں گے، بلکہ قریش کی ناراضگی میری خوشی کا باعث ہے اب سن لی تم نے میری بات؟"

سہلہ بولی:

"ہاں سن لیا!"

عبداللہ نے کہا:

"اچھا تو پھر تم کیا کہتی ہو؟"

سہلہ بولی:

"بھائی تم نے دیکھا ہوگا کہ جب سے آئے ہو صرف تم ہی باتیں کر رہے ہو، میں نے کسی بات کا جواب دیا نہیں ہے!"

عبداللہ نے کہا:

"ہاں اسی بات پر تو مجھے بھی تعجب ہے! لیکن میں تمہاری اس گھبراہٹ کا سبب اب تک نہ سمجھ سکا جب کہ میں گلے مل کر تمہیں الوداع بھی بوسہ دینا چاہ رہا تھا۔"

سہلہ اب اپنی مسکراہٹ اور ہنسی کو ضبط نہ کر سکی، ذرا کھسا کر بولی:

"کیوں کہ آپ مشرک ہیں اور میں مشرکوں کا بدن چھونا پسند نہیں کرتی!"

عبداللہ کے چہرہ پر کچھ سنجیدگی آگئی، ناراض ہو کر کہنے لگا:

"کیا محمدؐ کی محبت اور اس کے دین میں تم لوگ اس قدر سخت ہو گئے ہو کہ اپنے بھائیوں سے بھی اجتناب کرنے لگے ہو؟"

اب سہلہ کے چہرے سے بھی مسکراہٹ دور ہو گئی اور کچھ سنجیدگی آگئی، جس سے عبداللہ کا دل اور بھی دھڑکنے لگا، وہ سنجیدہ ہو کر بولی:

"اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین سے محبت کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس کی خاطر بھائیوں اور والدین سے اجتناب کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ میرے بھائی! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم ماں باپ اور بھائیوں سے کہیں زیادہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں، دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بلکہ خود اپنی جانوں سے زیادہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول پیارے ہیں، تم نے ابھی ابھی یہ کہا تھا کہ قریش کو ہماری ہجرت پسند ہے، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ہمیں پسند نہیں ہے، اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا اعلان نہ کیا ہوتا یا ہمیں اس کا حکم نہ دیا ہوتا تو ہمیں آپ کے قریب رہ کر ہر طرح کا دکھ درد اور سزا و تکلیف بلکہ موت تک زیادہ پسند تھی، بہ مقابلہ اس کے کہ ہم آپ سے دور رہ کر دنیا کے کسی حصہ میں بھی فراخی و خوشحالی، راحت و آرام اور امن و اطمینان کے ساتھ زندگی کے دن گزاریں۔"

عبداللہ نے کہا:

"اچھا، یہ بات ہے! تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن اور تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارے ہیں..... اور وہ تمہیں..... اپنی جانوں سے بھی زیادہ پیارے ہیں!؟"

یہ کہہ کر اس نے عنقریب انداز میں سر جھکا لیا۔

سہلہ بولی:

"ہاں! اگر تم بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح محبت کرنے لگو، جیسے ہم کرتے ہیں تو تمہارا دل بھی اس محبت سے آشنا ہو جائے جو سراپا ایثار ہے اور صرف دینا جانتی ہے، لینا نہیں جانتی اور اپنی قیمت عیش و آرام کی شکل میں نہیں مانگتی۔"

اتنے میں ابوحذیفہ بھی آگئے، انہوں نے عبداللہ کو اس طرح سر جھکائے سوچ بچار میں مشغول پایا اور اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیوی سہلہ کو دیکھا کہ وہ ایک طرف کھڑی بڑی پراثر اور سنجیدہ، لیکن امید و ہمدردی سے پرنظروں سے اسے دیکھ رہی ہے، ابو حذیفہ نے پہلے اپنی بیوی کی طرف نظر اٹھائی، پھر عبداللہ کی طرف، پھر بلند آواز سے کہنے لگے:

"سہلہ! بتاؤ کیا تمہارے بھائی کے دل پر خدا نے سکینت اتاری ہے۔"

سہلہ جواب دینے ہی والی تھی کہ عبداللہ نے سر اٹھایا اور اپنی بہن سے پہلے ہی بول پڑا، کہنے لگا:

"سکینت! سکینت!!..... یہ سکینت آخر کیا ہوتی ہے؟ تم لوگوں کے پاس کچھ مخصوص قسم کے الفاظ ہیں جو ہر وقت تمہاری زبانوں پر جاری رہتے ہیں اور ہمارے کانوں کو کھٹکھٹاتے رہتے ہیں، لیکن ہم ان کا مطلب کچھ نہیں نکال سکتے، ابھی یہ کہہ رہی تھیں کہ ہمیں اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن اور خود اپنی جان سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیارے ہیں اور اب تم ان سے پوچھ رہے ہو کہ کیا خدا نے میرے دل پر سکینت اتاری ہے؟ بتاؤ تو سہی یہ سکینت آخر کیا ہوتی ہے؟ اور یہ بھی پتہ چلے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر تمہارے دلوں پر کون سا جادو کر دیا ہے۔"

ابو حذیفہ نے بڑی نرمی سے کہا:

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دلوں پر جادو وادو نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے ہمارے قلب کو ہر قسم کی کجروی سے پاک و صاف کر دیا ہے اور اب سکینت اتر آئی ہے، جس نے ہمارے دلوں کو امن و سکون، خوشی و اطمینان، یقین و ایمان اور امید و اعتماد کی بے بہا دولت سے مالا مال کر دیا ہے اور خوف و دہشت، شک و وہم اور قنوط و یاس کے تمام بداثرات دل سے مٹا دیئے ہیں۔"

ترجمہ: "جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے، ان کا ٹھکانا ان اعمال کے سبب جو وہ کرتے ہیں، دوزخ ہے۔"

یہ دو آیتیں سن کر اس نوجوان پر سخت لرزہ طاری ہو گیا، تمام بدن کپکپانے لگا اور پیشانی سے پسینہ چھوٹ گیا، ابو حذیفہ یہ فرمان الٰہی آگے تک پڑھتے رہے:

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں سیدھی راہ دکھائے گا، ان کے نیچے نعمت کے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں وہ کہیں گے سبحان اللہ! اور آپس میں ان کی دعا "سلام علیکم" ہوگی اور ہر بات کے آخر میں وہ یہی کہیں گے کہ تمام تعریفیں خدائے رب العالمین کو زیبا ہیں۔" (سورۂ یونس آیت: ۱۰)

ابو حذیفہ نے جب یہ آخری آیات پڑھیں تو اس نوجوان کی یہ خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت دور ہو گئی، وہ مسکراتے ہوئے ابو حذیفہ سے ظریفانہ انداز میں بولا:

"واہ بھئی واہ! اب تو مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے، جیسے تمہاری سکینت میرے دل میں اتر آئی ہے، ابو حذیفہ! کیا تم مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو گے کہ میں بھی ان سے یہ کلام پڑھ لوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اب عبداللہ بھی مسلمان ہو گیا اور واپس آ کر اپنی بہن، ابو حذیفہ اور سالم کے پاس بیٹھا اور ان سے قرآن سننے لگا، رات ہونے پر جب وہ واپس جانے لگا تو سہلہ نے اس سے کہا:

"بھائی جان! کیا آپ بھی ہمارے ساتھ ہجرت کریں گے؟"

عبداللہ بولا:

"بے شک، تم سے دور رہنا مجھ پر بہت گراں گزرے گا، لیکن میں نے رسول اللہ سے صرف آج ہی قرآن مجید سنا ہے اور آپ کی گفتگو بھی آج ہی سننے میں آئی ہے، میں چاہتا ہوں کہ جب تک ممکن ہو، آپ کے ساتھ رہوں، لہٰذا تم خوشی سے جاؤ اور ہدایت پاؤ۔"

صبح ہوئی تو ابو حذیفہ اپنی بیوی اور بیٹے سالم کو لے

کر دوسرے مسلمان مہاجرین کے ساتھ حبشہ کو چلے گئے، اس کے کچھ عرصہ بعد جب حبشہ کی طرف دوسرا قافلہ ہجرت کو گیا تو اس میں عبداللہ بن سہیل بھی شامل تھے۔

ہجرت حبشہ سے جب عبداللہ بن سہیل واپس آئے تو والد ملاقات کو آئے، مگر بیٹا ان سے بے تکلف نہ ہوا۔ سہیل نے تالی بجائی اور اس کے ساتھی بھی اس کے کڑیل اور مٹے کٹے غلاموں نے آ کر عبداللہ کو گھیر لیا، پھر ان کو باندھ کر ایک تہہ خانے میں لے گئے اور وہاں قید کر دیا، اسی دن سے ان کے باپ نے انہیں طرح طرح کی سخت سزائیں دینی شروع کر دیں۔

شام کے وقت جب آفتاب اپنے مقام غروب کی طرف ڈھلنا شروع ہوا اور بیلوں کی چوٹیوں اور پہاڑوں کی پھننگوں پر پھیلے ہوئے اپنے پھیکے رنگ کے دامن سمیٹنا اور رخصت ہونے لگا اور رات بھی اس کے دامن کو بہٹا کر اپنی سیاہ زلفیں بکھیرنے لگی تو اس وقت وہ بدنصیب نوجوان بے فکری اور بے توجہی سے اپنی بکریوں کو لاٹھی سے ہنکاتا ہوا مکہ لوٹ رہا تھا، اس وقت اس کے دل میں بس ایک خیال سمایا ہوا تھا جو اسے محسوس تو ہوتا تھا لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، وہاں پہنچ کر اس نے بکریوں کو توباڑہ میں بند کیا اور خود بڑے سکون و اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا پریشان قلبی اور پراگندہ خیالی کے ساتھ عقبہ بن ابی معیط کو ڈھونڈھتا آیا، دیکھا تو وہ گھر کے صحن میں براجماں تھا اور ارد گرد اس کے بیٹے اور دوسرے اعزہ واقربا گھیرا ڈالے حاضر تھے، یہ نوجوان جلدی سے اس کے پاس گیا اور کچھ دور کھڑا ہو کر کہنے لگا:

"اے ابوالولید! کل سے تم اپنی بکریاں کسی اور غلام یا حلیف سے چرا لینا، کیونکہ آج سے میں ان کو چرانا چھوڑ رہا ہوں۔"

عقبہ بولا:

"کیا بات ہوئی بدنصیب نوجوان! کیا تمہیں ہم سے یا بکریوں سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔"

نوجوان نے کہا:

"نہیں مجھے کسی سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی، میں خود بکریاں چرانا چھوڑ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ بغیر کوئی جواب سنے اور لوگوں کی خیال آرائیوں کی پرواہ کئے الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا اور پھر کبھی اس کے گھر نہ آیا، اس کے بعد وہ سیدھا اس مقام پر گیا جہاں وہ عقبہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا، وہاں پہنچ کر وہ ان دو آدمیوں کو تصور میں لایا جن پر پہلے تو کچھ خوف کی حالت طاری تھی اور پھر رفتہ رفتہ انہیں سکون و قرار آ گیا تھا، پھر جب انہوں نے دودھ طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا تھا، پھر اس نے دل ہی دل میں اس بن بیاہی بکری کو یاد کیا جس کے تھن میں پہلے کبھی دودھ نہ آیا تھا، پھر دیکھا تو وہ دودھ سے بھر گیا اور اس میں سے دودھ دھاروں دھار نکل کر جو قدرِ پتھر میں اکٹھا ہونے لگا، پھر اس دودھ کا ذائقہ بدل گیا تو اسے محسوس ہوا کہ ایسا خوش ذائقہ دودھ کبھی پینے میں نہیں آیا، پھر اس نے وہ دعائیہ کلمات یاد کرنے کی کوشش کی جو پرسکون نظروں والا شخص بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرتے وقت پڑھ رہا تھا، لیکن اسے کچھ یاد نہ آیا، پھر تو اسے یہ کلام یاد کرنے کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ دیگر تمام خواہشیں اس شوق کے آگے ماند پڑ گئیں، کلام ہی کچھ اور تھا، یہ سوچ کر نوجوان دل ہی دل میں کہنے لگا:

"اس پرسکون نظروں والے آدمی، اس کے ساتھی اور اس کے کلام میں ضرور کوئی نہ کوئی بھید ہے۔"

شام کے وقت وہ نوجوان وہاں سے لوٹا لیکن مکہ واپس نہیں آیا، بلکہ اپنی وحشت میں مگن اور نشۂ خلوت میں سرشار مکہ کے گرد و نواح میں ادھر ادھر گھومتا اور چکر لگاتا رہا، اسے نہ تکان محسوس ہوتی، نہ ماندگی، نہ نیند آتی نہ پیاس لگتی، نہ بھوک ستاتی، نوجوان نے وہ تمام رات یونہی گزار دی، نہ کسی چھت کا سایہ لیا نہ بستر پر لیٹا، پھر جب آفتاب نمودار ہوا تو وہ اس وقت مکہ لوٹا جب کہ چرواہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بکریاں لے کر نکلے ہیں، لیکن اس کی بے چینی اس وقت تک دور نہ ہوئی جب تک کہ اس مطمئن شخص اور اس کے ساتھی کو معلوم نہ کر لیا اور ان کی جگہ کا پتہ نہ لگا لیا، پتہ ملتے ہی وہ دوڑتا ہوا ان کے پاس گیا، معلوم ہوا کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پرسکون نظر ڈالی اور مسکرائے، پھر وہ برابر قریب ہوتا گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا اور بالکل سامنے آ کر بیٹھ گیا، پھر لرزتی ہوئی دھیمی آواز سے کہنے لگا:

"مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے جو کل میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور شفقت سے سر پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا:

"بے شک تم تعلیم یافتہ بچے ہو۔"

اسی وقت سے نوجوان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ وہ نہ اپنی ذات کے لئے پیدا ہوا ہے، نہ اپنے گھر والوں کے لئے، نہ قتبہ بن ابی معیط کی بکریوں کے لئے، بلکہ اس کی پیدائش کا واحد مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حضرت محمد الامین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں رہے، آپ کی باتیں سنے، ان کو یاد کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پرچار کرے۔

یہ نوجوان بہت بلکا پھلکا اور کمزور تھا، جسم کا بھی دبلا پتلا اور بالکل لاغر تھا، لیکن نہایت چست و چالاک اور بلا کا پُرجوش تھا! ابھی کچھ ہی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنی اور یاد کی تھیں کہ قریش اس کو مکہ کے اطراف میں ہر جگہ گھومتے پھرتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے دیکھنے لگے، وہ ہر طرف آپ کے کلام پر چار کرتا، ہر مجلس میں اس کو سناتا اور ہر جگہ بیان کرتا، اس کی جستجو اور پھرتی قریش کے لئے ایک مصیبت بن گئی تھی، وہ اس کو کسی جگہ تبلیغ کرتا دیکھ کر وہاں جانے کا ارادہ کرتے، لیکن وہاں پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ وہ یہاں سے اٹھ کر کہیں اور چلا گیا ہے، پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کیسے چلا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا پیچھا کرنے والوں کو یہ نوجوان ہر جگہ نظر آتا، لیکن پھر بھی وہ اس کو پکڑنے میں کسی جگہ کامیاب نہ ہوتے، آخر ایک روز ابوجہل زچ ہو کر کہنے لگا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ساتھی سے میں اتنا تنگ نہیں آیا جتنا اس بدلی نوجوان سے آیا ہوں، ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پھیلاتا نظر آتا ہے اور لوگوں کے خیالات خراب کرتا پھرتا ہے، پھر بھی میں اس پر کہیں قابو نہیں کر پاتا، اگر کسی دن قابو پا لیا تو ذرا رحم بھی نہیں کروں گا۔"

ایک روز ابوجہل مسجد کے پاس سے گزرا تو اس نے لوگوں کا ہجوم دیکھا جو ایک دبلے پتلے کمزور آدمی کے گرد جمع تھا، اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہے اور یہ لوگ اس کی تقریر سن رہے ہیں، یہ منظر دیکھ کر ابوجہل نے اپنی رفتار سست کر دی اور کچھ دیر تک گیا، پھر دیواروں کے سہارے سہارے چلنے لگا اور اس طرح چھپتا چھپاتا آگے بڑھتا رہا اور اچانک مجمع کے پاس آدھمکا، وہ ان کے قریب ہی ایک ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سے وہ تو انہیں دیکھ سکے، لیکن وہ لوگ اسے نہ دیکھ پائیں، اس نے وہاں کھڑے ہو کر اس دبلے پتلے کمزور شخص کی آواز پر کان دھرے، دیکھا تو وہ بڑی میٹھی آواز میں ایک نہایت شیریں کلام پڑھ کر سنا رہا ہے، ابوجہل سراپا گوش بن گیا اور کان لگا کر پوری توجہ سے سننے لگا کہ اتنی میٹھی آواز سے یہ کون سا شیریں کلام سن رہا ہے، دیکھا تو ان محمد مسعودؓ مجمع کو سورۂ فرقان کی یہ معجز نما آیات سنا رہے تھے:

ترجمہ: "اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں اور وہ، جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور عجز و ادب سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف دہ چیز ہے اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں، بلکہ اعتدال کے ساتھ، نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کا مارنا ڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا، قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہوگا اور ذلت و خواری سے اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا، مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے، تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو سنجیدگی اور بردباری سے گزر جاتے ہیں۔"

ابوجہل نے یہ کلام سنا تو اس کا دل دہل گیا اور بدن بھی کچھ کانپنے لگا۔ اگر اس نے نفس کو اپنی فطرت پر چھوڑ دیا ہوتا تو اس کی زبان سے بھی وہی کچھ نکلتا جو اس نے وہاں پر دوسرے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا تھا، وہ حسرت بھری آواز میں عبداللہ بن مسعودؓ سے کہہ رہے تھے:

"بخدا ہم بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔"

لیکن ابوجہل نے نفس کو اپنی فطرت پر نہ چھوڑا اور حسد، غرور اور تکبر سے کام لیا، پھر ان لوگوں پر ایسا جھپٹا جیسے شکرا کسی شکار پر جھپٹتا ہے۔ کرخت آواز میں چیخ کر بولا:

"لعنت ہے تم پر کم بختو! آج جیسی جرأت میں نے کبھی نہیں دیکھی، تم اس گمراہ شخص کے پاس جمع ہوتے ہو اور اس کی مفسدانہ باتیں سنتے ہو۔"

اس بھیانک شخص کو دیکھ کر اور اس کی کریہہ آواز سنتے ہی وہ لوگ فوراً منتشر ہو گئے اور آخر میں ابن مسعودؓ اپنی جگہ اکیلے کھڑے رہ گئے، وہ وہاں سے نہیں ہٹے، ابوجہل غصہ میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"بڑا افسوس ہے ابن ام عبد! تو ہمارے حلیفوں اور غلاموں کو اب تک ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہے، میرے خیال تو یہ ہے ہاتھ سے مار کھا کے ہی باز آئے گا۔"

ابن مسعودؓ نے اس کا جواب دینا چاہا لیکن ابوجہل نے مہلت نہ دی اور کمان مار کر ان کا سر زخمی کر دیا۔ ابن مسعودؓ کے چہرے پر خون بہنے لگا لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور بڑی پھرتی سے ابوجہل پر لپکے اور کہنے لگے:

"اچھا! اگر یہ بات ہے تو یہ لے! میں ہذیل کا جوان ہوں، ہذیل کا!!"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ہاتھ سے تو ابوجہل کے سینہ میں گھونسا مارا اور دوسرے ہاتھ سے منہ پر تھپڑ رسید کیا پھر آہستہ آہستہ اس کے پاس سے سرک گئے اور اس کو غصہ میں لال پیلا اور بدحواسی کے عالم میں بہت کھڑا چھوڑ دیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قریش کا کوئی حلیف اتنی جسارت کر سکتا ہے کہ اس کے سینہ میں مکا مارے اور رخسار پر طمانچہ رسید کرے۔

ابوجہل اپنی قوم کے پاس گیا اور مصنوعی غیظ و غضب اور کبر و نخوت کا اظہار کرتے ہوئے اہل مجلس سے کہنے لگا:

"اے بنی مخزوم! تف ہے تم پر!! اگر اب بھی تمہیں اپنی رہی سہی عزت کا پاس ہے تو ابن ام عبد سے میرا انتقام لو، اس نے میرا اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ صرف اس کا خون ہی اسے دھو سکتا ہے۔"

ان لوگوں نے فوراً ہی مکہ اور اس کے اطراف میں عبداللہ بن مسعودؓ کی تلاش شروع کر دی لیکن کامیاب نہ ہو سکے، نہ ان پر کبھی قابو پا سکے، ابوجہل بھی اپنے حریف سے جنگ بدر کے روز ہی مل سکا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلام بن حبیر قرطبی ہر سال کی طرح اب کی مرتبہ بھی بہت سا تجارتی مال واسباب لے کر شام سے آیا، طویل سفر کی تکان دور کی، پھر فوراً ہی یہ انواع واقسام کا ساز وسامان لے کر لوگوں کو کھانے بیٹھ گیا، اس کے بعد یثرب کے اوسی اور خزرجی اس کا سامان دیکھنے آنے لگے اور یثرب کے مضافات سے یہودی بھی آنے شروع ہوگئے۔

تھوڑے ہی دنوں میں سلام بن حبیر نے اپنا تمام سامان تجارت فروخت کردیا اور اس سے کافی نفع حاصل کیا، لیکن ایک غلام بچہ پھر بھی اس کی پریشانی کا باعث بنا رہا، وہ کسی طرح فروخت نہیں ہوتا تھا، یہ لڑکا اس کے گلے میں کانٹے کی طرح اٹکا ہوا تھا۔

سلام اس لڑکے کو یثرب کے بازاروں میں اسی طرح فروخت کے لئے پیش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک روز صبح کے وقت قبیلہ اوس کی خاتون شہیتہ بنت یعار اس کے پاس سے گزری، بچہ کو دیکھتے ہی اسے کچھ ترس آگیا، ذرا نظر جما کر دیکھا ہی تھا کہ اس بچہ کو خریدنے کی خواہش دل میں ابھر آئی۔

شہیتہ بولی:

''ابن حبیر! تمہارے اس غلام کا کیا نام ہے؟''

سلام نے کہا:

''بنی کلب کے جس آدمی نے اسے میرے ہاتھ بیچا ہے، وہ اس کا نام سالم بتاتا تھا۔''

شہیتہ نے پوچھا:

''اور اس کے والد کا نام؟''

سلام نے کہا:

''یہ مجھے نہیں معلوم! لیکن جس کلبی سے میں نے اسے خریدا ہے، اس کا نام معقل ہے اور وہ کہتا تھا کہ اس لڑکے کا خاندان بہت اعلیٰ اور شریف ہے، یہ خاندان اضطرے سے.....''

شہیتہ بولی:

''ہاں، ہاں!'' یہ خاندان اضطرے سے آکر ابلہ میں آباد ہوا، وہاں بستیوں سے بنائی پر کام کرایا اور عراق کے تمام علاقوں میں تجارتی کاروبار پھیلایا، یہ سب باتیں ہمیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں اور اب میں اس کو خریدنے آئی ہوں۔''

بالآخر شہیتہ نے اسے خرید لیا اور گھر لے آئی، یہودی کو اس سودے میں بہت نفع ہوا اور اس عورت کو بھی خوب نفع ہوا، مگر اس کے نفع کا اندازہ روپے پیسوں سے نہیں لگایا جاسکتا، اس لئے کہ اس نے یہ غلام تجارت کی غرض سے یا روزی کمانے کے لئے نہیں خریدا تھا بلکہ اس کے خریدنے کا مقصد سوائے نیکی، بھلائی اور احسان کے کچھ نہ تھا، جب وہ بچے کو لے کر گھر آرہی تھی تو دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

''لعنت ہے اس زندگی پر جس میں انسان، انسان پر رحم نہ کرے، طاقت ور کمزور پر ترس نہ کھائے اور جب کسی عورت کا بچہ گم ہوجائے تو اس کے لئے کسی کا دل موم نہ ہو اور نہ بچے کے لئے دل پسیجے، جب کہ وہ بیچارہ ابھی پرورش کا محتاج ہو، ماں کو جانتا ہو، نہ باپ کو پہچانتا ہو، نہ اپنے کسی عزیز سے واقف ہو کہ اس کے پاس پناہ لے۔''

وہ بچے کو لے کر گھر آرہی تھی اور دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی:

''اگر اسی طرح میرا کوئی بچہ ہوتا اور خدانہ کرے مجھ پر لٹیرے حملہ کر کے اس کو چھین لیتے اور کسی غیر معلوم جگہ لے جاتے تو مجھ پر کیا گزرتی! میں اسے کیسے برداشت کرتی، اور مجھ سے کس طرح صبر ہوتا! کیا آخر عمر تک مجھے اپنے بچے کا صبر آجاتا؟ ہرگز نہیں! اگر میرا بھی ایسا ہی بچہ ہوتا اور لٹیرے اس کو اٹھا کر کسی نامعلوم جگہ لے جاتے تو میرا جینا دوبھر ہوجاتا، زندگی وبال جان بن جاتی، کھانے پینے میں کوئی لطف نہ رہتا اور دنیا کی ہر نعمت مجھ پر حرام ہوجاتی۔''

وہ تصور ہی تصور میں اس بچے کی ماں کو دیکھ رہی تھی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے یہ بچہ چھینا گیا، یا اس کی غیر موجودگی میں اغوا کیا گیا، پھر وہ اس کی والہانہ محبت اور

حسرت والم کا تصور کرنے لگی جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور اس کی مامتا کا تصور کرنے لگی جو کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی اور ان آنسوؤں کا خیال دل میں لانے لگی جو کبھی رکتے نہیں، وہ یہ سوچتی ہوئی اس بچے کو لے کر گھر آرہی تھی اور دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی:

''یہ لڑکا کسریٰ کے ملک سے اغوا کیا گیا ہے، کسریٰ کی فوج جب اس کو بچا نہیں سکی اور اس پر حملہ کرنے والوں کو نہ روک سکی تو پھر یہاں یثرب میں ہمارا کیا حال ہوگا، ہم اس کو کیسے بچا سکیں گے، جب کہ یہ پہلے ہی دہشت زدہ شہر ہے، اس کو ہر طرف سے یہودی اور بدو لوگ گھیرے ہوئے ہیں۔''

اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد اوس اور خزرج کے لوگوں نے نیز نواح یثرب کے بادیہ نشیں اشراف نے شہیتہ کو پیغام نکاح بھیجا، لیکن اس نے سب سے انکار کردیا، پھر گھر والے بھی اس پر زور دیتے رہے، لیکن وہ ایک نہ مانی اور طرح طرح کے عذر کرنے لگی، آخر وہ بیچارے بھی تھک ہار کر چپ ہورہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے واپس ہوتے ہوئے یثرب سے گزرا اور کچھ دن کے لئے وہاں ٹھہر گیا، اس قافلہ میں ابوحذیفہ ہشیم بن عتبہ بن ربیعہ بھی تھا، شہیتہ کے متعلق بہت سی باتیں اس کے سنتے میں آئیں اور اس کے غلام کا قصہ معلوم ہوا تو خواہ مخواہ اسے ان باتوں میں دلچسپی محسوس ہونے لگی، آخر بلا دیکھے بھالے محض لوگوں سے اس کی باتیں سن کر ابوحذیفہ کے دل میں شہیتہ کی محبت بیٹھ گئی اور اس نے بڑی امیدوں اور ارمانوں سے اس دوشیزہ کو پیغام نکاح بھیجا، پہلے پہل تو شہیتہ نے اس کا پیغام مسترد کردیا لیکن جب اسے ابو حذیفہ کا قریش میں درجہ ورتبہ معلوم ہوا کہ وہ اس حرم محترم کا پاسبان ہے، جس پر دھاوا بولنے والے اصحاب فیل کو خدا نے پرے دھکیل دیا تھا، تو وہ اس کی طرف مائل ہونے لگی اور آخر کار اس کی پیغام نکاح منظور کرلی۔

شادی کے بعد ابوحذیفہ اپنی بیوی اور اس کے غلام سالم کو لے کر قافلہ کے ساتھ مکہ واپس آیا، ابھی وہ مکہ آکر ٹھہرا ہی تھا کہ وہاں اسے کچھ باتیں عجیب سی نظر آئیں جن کا اس سے قبل قطعاً وجود نہ تھا، وہ قریش کی مجلسوں میں گیا، ان مجالس میں بہت سی باتیں اسے پہلے جیسی ہی نظر آئیں، لیکن بہت سی کچھ عجیب معلوم ہوئیں، ابو حذیفہ کو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ گویا ان مجالس میں کسی چیز کی کمی واقع ہوگئی ہے اور کہہ میں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، پتہ نہیں کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا، لیکن کچھ نہ کچھ واقعہ تو ضرور پیش آیا ہے، جس کی وجہ سے اس کی قوم میں کچھ ایسا تغیر و انقلاب پیدا ہوگیا ہے جو محسوس تو ہوتا ہے لیکن اس کی اصل معلوم نہیں ہوتی، پھر اس نے اپنے بعض دوستوں کو ان مجالس میں ڈھونڈا لیکن نہ ملے، آخر اس نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ عثمان بن عفان اموی کہاں ہیں؟ طلحہ بن عبیداللہ تیمی کہاں ہیں؟ فلاں دوست کہاں ہے؟ فلاں رفیق کدھر ہے؟ لیکن لوگوں نے کوئی صاف جواب نہیں دیا، بعض تو چپ رہے، بعض نے تو یہ سے کام لیا اور بعض نے زبان توڑ مروڑ کر مبہم سی کوئی بات کہہ دی، بس ابوحذیفہ بے چارہ سنتا اور حیرت سے ان کی شکلیں تکتا، اب تو اس کی بے چینی اور اضطراب اور بھی بڑھ گیا اور سکون واطمینان کوسوں دور بھاگ گیا۔

ایک دن اچانک اسے خیال آیا کہ میرے تمام دوست احباب مکہ ہی میں تو ہیں، کہیں باہر تو گئے نہیں، پھر کیوں میں دوسروں سے ان کے متعلق پوچھتا پھر رہا ہوں وہیں ان کے پاس کیوں نہیں چلا جاتا۔

وہ عثمان بن عفان کے پاس پہنچا، باوجود تفاوت سن کے یہ اس کے گہرے دوست تھے، عثمان کی عمر کچھ اوپر چالیس ہوگی اور ابوحذیفہ ابھی تیس برس کا بھی نہ ہوگا، جب ابوحذیفہ عثمان کے گھر پہنچا اور اندر گیا تو عثمان اسی نرمی، مسکراہٹ خندہ پیشانی اور تپاک سے ملے جیسے پہلے ملا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ابوحذیفہ نے ان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ سنجیدگی اور بردباری کے آثار دیکھے۔

ابوجندلیفہ بولا:

''ابوعمرو! میں تمہیں قریش کی مجالس میں اس وقت سے ڈھونڈ رہا ہوں جب سے تجارتی قافلہ مکہ واپس آیا ہے لیکن تم کہیں نظر نہ آئے، آخر کیا بات ہے، تم وہاں کیوں نہیں آتے؟''

عثمان نے کہا:

''یہ مجالس مجھے بالکل پسند نہیں ہیں، نہ وہاں کی باتیں کچھ اچھی معلوم ہوتی ہیں۔''

ابوجندلیفہ بولا:

''کیا تمہیں اپنی قوم سے کوئی تکلیف پہنچی ہے؟''

عثمان خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ ابوجندلیفہ بولا:

''ابوعمرو! کوئی بات ضرور ہے، قسم ہے لات اور عزیٰ کی۔''

اس کی یہ قسم سنتے ہی عثمان کی پیشانی پر بل آگیا، ابوحذیفہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اسے اپنے دوست کی تیوری چڑھی نظر آئی اور چہرہ پر خفگی کے آثار دکھائی دیئے جو پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

ابوجندلیفہ بولا:

''دیکھو ابوعمرو! تم جانتے ہو، ہم دونوں میں کتنی دوستی ہے، تم میرے وفادار اور امانت دار دوست ہو، تمہیں اپنی دوستی کا واسطہ، کچھ اپنے دل کا حال تو بتاؤ!''

عثمان نے بڑی نرم اور پرسکون آواز میں کہا:

''ہاں، ہمارے مابین جو دوستی اور محبت ہے اگر تم اسے قائم رکھنا چاہتے ہو تو لات وعزیٰ اور ان دیوتاؤں کا نام زبان پر نہ لاؤ جو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔''

یہ سننا تھا کہ ابوحذیفہ جھنجھلا کر کچھ دیر کے لئے چپ سا ہو گیا، پھر کہنے لگا:

''ابوعمرو! پھر تو معلوم ہوتا ہے تم بے دین ہو گئے ہو؟'' عثمان نے اور بھی نرمی اور ملائمت سے کہا:

''نہیں ابوحذیفہ میں بے دین نہیں ہوا ہوں، میں تو ہدایت یافتہ ہو گیا ہوں، تم بے شک ایک عقلمند اور صاحب الرائے نوجوان ہو، اگرچہ تمہاری عمر ابھی اتنی نہیں ہوئی، لیکن تم نے دنیا دیکھی ہے، زمین کے کونہ کونہ میں گئے ہو، لوگوں کے حالات سے واقف ہو، زمانہ کے انقلاب اور دنیا کے تشیب وفراز اور اس کے مصائب و آفات کا تمہیں تجربہ ہے، آخر بتاؤ یہ کون سی عقلمندی ہے کہ مجھ جیسا آدمی یا تم جیسا عقلمند شخص ان لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پوجا کرے، جنہیں انسانوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور جو چاہے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے؟''

ابوحذیفہ کچھ سوچ میں پڑ گیا، پھر بولا:

''ابوعمرو! بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن تعجب ہے میں نے آج تک ان چیزوں پر غور نہیں کیا، بس اپنی قوم کو ان بتوں کی پوجا کرتے دیکھا پھر خود ہی ان کی دیکھا دیکھی پوجنے لگا۔''

عثمان نے کہا:

''اچھا اب جب ہدایت کا راستہ واضح ہو گیا اور اصل بات ظاہر ہو گئی تو پھر؟''

ابوحذیفہ بولا:

''پھر ہمیں لازم ہے کہ ہدایت کو قبول کریں اور حق بات کی پیروی کریں، اچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے کب لے کر چلو گے؟''

عثمان نے کہا:

''جب ہو تو ابھی چلے چلو۔''

آخر شام کو ابوحذیفہ نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو کر شبیہ کے پاس آئے، شبیہ نے جب ان کی باتیں سنیں تو وہ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لے آئیں، ان کے غلام سالم نے جب ان دونوں میاں بیوی کی باتیں سنیں تو اس کا دل بھی اس طرف مائل ہونے لگا اور پھر وہ بھی

ان دونوں کی طرح ایمان لے آیا، اس طرح اس روز رات ہونے سے پہلے پہلے مکہ میں ایک اور مسلمان گھرانے کا اضافہ ہو گیا۔

ابھی تھوڑے ہی دن گزرے کہ شبیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کو آزاد کرنے والوں کو خدا کی مغفرت اور خوشنودی کا وعدہ دیتے ہیں، یہ بات معلوم ہوتے ہی انہوں نے اپنے اس فارسی غلام کو بلایا اور کہنے لگیں:

''سالم! اب تم جہاں دل چاہے جا سکتے ہو، میں نے تمہیں خدا کی راہ میں آزاد کر دیا ہے، اب تم جس کو چاہو اپنا ولی بنا لو۔''

سالم نے ابوحذیفہ سے کہا:

''کیا تم میرے ولی بن جاؤ گے؟''

ابوحذیفہ بولے:

''نہیں بچے! میں تمہارا ولی کیوں بننے لگا، تم تو آج سے میرے بیٹے ہو!''

☆.....☆.....☆

مکہ کی پوری تاریخ میں آج جیسا دن کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا، اس کے بعد بھی جو دن آئے وہ سختی اور شدت میں اس روز بد سے کسی طرح کم نہ تھے۔

اس سے قبل حالت یہ تھی کہ یہ ایک نہایت پرامن اور پرسکون شہر تھا، اس کے باشندے نہ چالبازی اور عیاری سے واقف تھے، نہ انہیں بغض وعداوت سے کوئی واسطہ تھا، کوئی کسی پر ظلم کرتا نہ کسی کو مارتا پیٹتا، اگر ان میں کچھ جھگڑا ہو بھی جاتا تو حد سے حد اتنا ہوتا کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ دیتے، لیکن پھر فوراً ہی شیر وشکر ہو جاتے، ان کا یہ شہر اور اس کے گرد ونواح کا علاقہ پرامن حرم بن گیا جہاں خوفزدہ لوگ پناہ لیتے اور مظلوم فریادی امان حاصل کرتے۔

لیکن مکہ پر آج کا دن ایسا آیا کہ فلک کجرو بھی اس پر مسکرانے لگا اور صبح ہوتے ہی اپنے قرص آتشیں کی حسین سنہری شعاعوں سے اس کے سنگستانوں، پہاڑوں اور ٹیلوں کو روشن کرنے لگا، لیکن اس کی مسکراہٹ میں خفگی تھی، اس کے تبسم میں غیظ وغضب تھا اور اس کے خنداں لبوں میں اہل مکہ کیلئے تباہی وبربادی کا پیغام پوشیدہ تھا۔

پورے مکہ میں شاید کوئی گھر بھی ایسا نہ رہا تھا جس میں یاسر، ان کی بیوی اور بیٹے، نیز صہیب، خباب اور بلال کا ذکر نہ ہو رہا ہو، اس ظالم گروہ نے ان غریب نہتے لوگوں پر جو ظلم ڈھائے تھے اس کے متعلق قریش کی رائے اور نظریے مختلف تھے، قریش کے شیوخ اور دانشمند بزرگ، ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کی اس حرکت کو شر و فساد کی انتہا اور جور وجفا کی بدترین مثال سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دلوں کو اس طرح تسلی دے لیتے کہ اس سختی اور شدت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی خوفزدہ ہو جائیں گے اور بالآخر ڈھیلے ہو کر ''راہ راست'' اور ''دانشمندانہ طریقہ ومذہب'' اختیار کر لیں گے، مزید یہ کہ آئندہ دوسرے غلام اور کمزور لوگ بے دین ہونے سے رک جائیں گے، اس طرح ان کے ضمیر تو ان حرکات کو برا سمجھ رہے تھے، لیکن دل خاموش تھے اور زبانیں انہیں اچھا کہہ رہی تھیں، دوسری جانب قریش کے نوجوانوں کو اس انوکھے تماشے میں کچھ عجیب سا لطف آ رہا تھا، اس کے ذریعے انہیں دل لگی، خوش طبعی اور دل بہلاوے کا اچھا موقع مل گیا تھا، لوگوں کی طبیعت فطری طور پر شرارت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے، نوجوان عام طور پر سنگدل اور کچھ مغرور ہوتے ہیں، وہ اس شخص کو بڑی دلچسپی اور شوق سے دیکھتے ہیں جس کے بدن کو اذیت دی جا رہی ہو اور وہ اپنی تلملاہٹ اور چیخ وپکار سے ان لوگوں کی خوش وقتی اور کھیل وتفریح کا سامان مہیا کرے، لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہی عذاب و بلا ممکن ہے ان پر بھی آپڑے، اگر انسان تھوڑی دیر کے لئے یہ سوچ لے کہ بالفرض ان گرفتار ان عذاب اور مصیبت زدہ لوگوں کی جگہ وہ خود ہوتا تب کیسی تکلیف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی تو وہ لوگوں کو ستانے سے بہت حد تک باز آجائے۔

حارث بن ہشام اپنے بھائی عکرمہ بن ابی جہل سے کہنے لگا:

''تم نے سمیہ کو نہیں دیکھا، جب اس پر تڑاتڑ کوڑے پڑ رہے تھے تو وہ کسی تلملاتی ہی تھی، منہ سے تو اس نے ذرا بھی چیخ نہیں نکالی، کمال ہے نہ روئی نہ آہ کی اور وہ بھی دیکھا تم نے! جب ہم ہاتھ کے ذرا ذرا سے اشاروں سے اس کو ڈراوے دیتے تھے، ہم ادھر ہاتھ کرتے تو وہ ادھر بھڑک جاتی اور ادھر کرتے تو ادھر گر جاتی، پھر کوڑے مارتے تو ایسی سیدھی اکڑی ہوئی اٹھتی جیسے زمین کے نیچے سے کسی نے لوہے کے آنکڑے کے ذریعے اوپر کو اٹھا دیا ہو، اس وقت تو بڑا ہی مزہ آرہا تھا اور مذاق بھی، ہم خوب اڑا رہے تھے۔''

عکرمہ نے کہا:

''مجھے تو سب سے زیادہ عجیب اور دلچسپ اس کا بوڑھا خاوند معلوم ہوا، دیوتاؤں کے حق میں اچھے الفاظ کہلوانے کے لئے کوڑوں سے مار مار کر اس کی بوٹیاں اڑا دیں، آگ میں بھی جلایا لیکن پھر بھی میرے والد اس کے منہ سے کچھ نہ کہلوا سکے، مگر اس کا بیٹا ثمار بالکل گم صم رہا، اس کا جسم بھی مار پڑتے وقت بالکل بے حس و حرکت پڑا تھا اور تو اور اس کے چہرے پر اس وقت بڑی عجیب مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی جو بیک وقت شیریں بھی تھی اور تلخ بھی، حقیقت یہ ہے کہ اس کی وہ نرالی مسکراہٹ اس کے چہرہ سے زیادہ میرے دل پر نقش ہوگئی ہے اور اس کا اثر شاید تمام عمر دور نہ ہو۔''

صفوان بن امیہ بولا:

''اگر تم بلال حبشی کو اور اسے ستانے والے آزاد اور غلام نوجوانوں کو دیکھتے تو اور بھی مزہ آتا، وہ ہر طرف سے بلال کے اعضا کو پکڑ کے اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور خوب دوڑ رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹکا بوٹی کر کے اسے آپس میں بانٹ لیں گے، لیکن تعجب ہے وہ نہ روتا تھا، نہ آہ بھرتا تھا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اس معبود کی تعریف و توصیف بیان کئے جا رہا تھا۔''

خالد بن ولید (آپ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے کہا:

''مجھے تو صہیب کی حالت بڑی عجیب نظر آئی، لوگ اسے آگ میں جلا رہے تھے، نیزے چبھو رہے تھے، بدن پر کوڑے برسا رہے تھے لیکن پھر بھی وہ بہادر ان سے ایسے باتیں کرتا رہا، جیسے ان کے مارنے پیٹنے کی اسے کوئی پرواہ ہی نہیں ہے، بھی اس پر مار زیادہ پڑتی تو کچھ دیر کے لئے زبان بند ہو جاتی اور پیشانی سے تھوڑا پسینہ ٹپکنے لگتا لیکن پھر جیسے ہی کچھ ہوش آتا، وہ پھر ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتا، جیسے انہوں نے اس کو مارا ہی نہیں ہے، یہ لوگ اس کو کوڑوں سے مارتے رہے، گرم لوہوں اور آگ سے جلاتے رہے، لیکن وہ اپنے صبر وسکون کے ذریعے اور ان کی ذرا ذرا سی چیز کے متعلق گفتگو کر کے انہیں جلاتا رہا، آخر جب وہ تنگ آگئے تو آپے سے باہر ہو کر بہت ہی سخت ایذائیں دینے لگے، اس مار پیٹ اور ظلم و ستم سے صہیب ادھ موا ہو گیا اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا، لیکن پھر بھی وہ اسی طرح دلیرانہ ان سے باتیں کرتا رہا، سچ کہتا ہوں جب میں ان لوگوں کے پاس سے لوٹا تو ان کی بہت سی حرکتیں دل کو بڑی ناگوار محسوس ہو رہی تھیں۔''

حارث بن ہشام بولا:

''خبردار جو یہ بات منہ سے نکالی! تمہارا چچیرا بھائی یہ نہ سن لے ورنہ وہ کہیں بھی سزا دے بیٹھے گا۔''

''رہے قریش کے غلام اور بیکس و بے بس لوگ، تو وہ دل میں تو اس ظلم و تعدی کو سخت ناپسند کرتے لیکن ظاہری طور پر زبان سے اچھا کہتے، ان میں سے بیشتر افراد پر تو خوف و ہیبت طاری تھی اور کچھ لوگوں کے دل میں محبت اور ہمدردی کے جذبات موجزن تھے، وہ جب تنہا ہوتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ ''نیکی اور بھلائی تو ساری کی ساری محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے پاس

ہے اور ہمارا بھلا بھی اسی میں ہے کہ ہم انہی سے جا ملیں، کیونکہ کمزور کزور دل کر طاقت ور بن جاتے ہیں اور کسی کو کیا معلوم ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان بے چارے مظلوموں کا بدلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے ان ظالموں اور جابروں سے دلوا دے۔''

رہے وہ مسلمان جو قریش کے عتاب سے بچے ہوئے تھے اور ان کی ستم رانیوں سے محفوظ تھے، وہ لوگ اس ظلم و ستم کو دیکھتے تو خواہش کرتے کہ کاش ہم ان کی جگہ ہوتے اور یہ تکلیفیں برداشت کر لیتے۔

اس روز شام کے وقت مکہ کی صحیح کیفیت تو یہی کہ اس کے اکثر باشندے حیران و پریشان اور فکر و تردد میں مبتلا تھے، وہ اس ایذا و عقوبت کو دیکھتے لیکن بتا نہ سکتے کہ آیا وہ اس کو پسند کرتے ہیں یا ناپسند، کیوں کہ ان کو معلوم ہی نہ تھا کہ آیا یہ سب کچھ درست ہے یا نادرست۔

اگر اہل مکہ کی آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا جاتا تو اس روز رات کو وہ دیکھتے کہ مکہ کے اردگرد شیاطین عیدیں منا رہے ہیں، خوشی میں پھولے نہیں سماتے، فرحت و انبساط سے بے خود ہوئے جا رہے ہیں۔

اگلے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنگستان مکہ کے ایک حصہ میں تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے کہ خاندان یاسر کے پاس پہنچے، ان سب کو ہاتھ پیر باندھ کر زمین پر چت لٹا دیا گیا تھا اور ان کے سینوں پر بھاری بھاری پتھر رکھے ہوئے تھے، تھوڑی تھوڑی دیر بعد مشرک لوگ ان کے بدن کو آگ سے چھیڑتے اور کبھی کبھی نیزے اور خنجر چبھوتے مگر یہ تینوں افراد بالکل خاموش پڑے تھے، ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتے، مشرک بہت ہی غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے، کیوں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے کہ ان کے منہ سے اپنے مطلب کی بات نکلوا لیں ان کی یہ مسلسل خاموشی ان ظالموں کو بہت ناگوار گزر رہی تھی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ان مظلوم لوگوں کے پاس سے گزرے تو مشرکین نے اس روز پہلی مرتبہ یاسر کی آواز سنی، لیکن انہوں نے دیکھا کہ یاسر ان کی طرف متوجہ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا زمانہ کا یہی حال رہے گا؟''

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

''اے آل یاسر! تمہیں بشارت ہو! جنت تمہاری منتظر ہے!''

اس وقت سمیہ کی آواز بھی مشرکین نے دن میں پہلی دفعہ سنی، انہوں نے دیکھا کہ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہے۔

''میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اس بات کی بھی گواہ ہوں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔''

پھر اسی وقت عمار کی آواز بھی مشرکین نے دن میں پہلی بار سنی، لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ نہ اپنے والدین کی طرف متوجہ ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، بلکہ خود ان ہی کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے:

''خدا کے دشمنو! اب تم جتنا چاہو ہم پر ظلم توڑو ہمیں کوئی پرواہ نہیں، جنت ہماری منتظر ہے اور ذلت تمہاری۔''

یہ کلمات سن کر مشرکین بری طرح بھنا اٹھے اور جذبات سے مغلوب ہو کر ان بیکسوں پر وہ ستم ڈھائے کہ بیان سے باہر ہیں۔

☆.....☆.....☆

دوسری جانب ابوبکرؓ وادیٔ بطحا کے ایک حصے سے گزرے تو وہاں بلالؓ کو دیکھا کہ انہیں مشق ستم بنا رکھا ہے قریش تھک تھک گئے ہیں، وہ انہیں آگ میں جلاتے، پانی میں غوطے دیتے، لوہے کی گرم سلاخوں سے داغتے اور کوڑوں سے مار مار کر لہولہان کرتے، تپتی ہوئی ریت،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے انگاروں پر لٹا دیتے اور اوپر سے بھاری بھاری پتھر رکھ دیتے، مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اپنے معبودوں کے حق میں اچھے الفاظ ان کی زبان سے نکلوالیں، لیکن اس وارفتہ تو حید کی زبان سے ''احد، احد'' کے سوا کچھ نہ سن پاتے۔

امیہ بن خلف اور اس کے ساتھی جب انہیں طرح طرح کی سزائیں دے کر عاجز آ گئے تو ان پر سے بوجھ ہٹا دیا اور سیدھا کھڑا کر کے رسیوں سے جکڑا، دونوں بازوؤں اور ٹانگوں میں لمبی لمبی رسیاں باندھیں، پھر بازاری لڑکوں کو بلایا اور یہ رسیاں ان کے حوالے کر کے بلالؓ کو آخرم تک خوب دوڑانے بھگانے کے لئے ان سے کہا۔ بچے رسیاں لے دوڑے، کبھی انہیں دائیں طرف بھگاتے، کبھی بائیں طرف، کبھی ان کو گھسیٹتے ہوئے آگے بھاگتے، کبھی پیچھے، پھر چیختے جاتے اور ہنستے جاتے، امیہ بن خلف اور اس کے ساتھی بھی دور سے یہ تماشا دیکھتے رہے لیکن بلالؓ کو کسی بات کی پرواہ نہیں تھی، برابر کہتے جاتے ''احد احد''، ''احد، احد'' آخر جب یہ بچے بالکل تھک گئے اور سانس پھولنے لگا تو ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور انہوں نے رسیاں زمین پر ڈال دیں، لیکن بلالؓ اسی طرح کھڑے رہے۔ ''احد، احد'' کی صدا بلند کرتے رہے، امیہ اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر جھنجھلا اٹھے، ان میں سے کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر بلالؓ کے سینے پر مکا مارا اور زمین پر چت گرا دیا، وہ گرے اور بڑے خوفناک دھماکے سے گرے، لیکن اس وقت بھی اس فرزند توحید کی زبان پر یہی ''احد، احد'' کا کلمہ جاری تھا، ان کے اس زمرۂ توحید کو بند کرنے کے لئے امیہ ان پر چھپٹنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

''بڑا افسوس ہے امیہ! آخر تم اس شخص کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟''

امیہ بولا:

''ابن ابی قحافہ! تمہیں اس سے کیا؟ ہمارا غلام ہے، ہم جو چاہیں اس کے ساتھ کریں۔''

ابوبکرؓ نے کہا:

''امیہ! تم سے پہلے وہ خدا کا بندہ اور غلام ہے، سوچو اگر تم اس کو مار ڈالو گے تو یہ صرف گناہ کے مرتکب ہو گے بلکہ اپنا مال بھی ضائع کرو گے، کیا تمہیں اس سے بہتر صورت نہ بتاؤں؟''

امیہ بولا:

''وہ کیا؟''

ابوبکرؓ نے کہا:

''میں اس کو تم سے خرید لیتا ہوں، بتاؤ اس کی کیا قیمت ہے؟''

امیہ، بلال سے تنگ آ گیا تھا اور ان کو مشق ستم بناتے بناتے بالکل عاجز آ چکا تھا، کہنے لگا:

''اچھا میں نے بیچ دیا، لاؤ سات اوقیے۔''

ابوبکرؓ نے بلالؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں لے کر اپنے گھر آئے، وہاں ان کو لباس اور تسلی دے کر رنج و تکلیف دور کی اور پھر امیہ کو اس کی رقم بھجوا دی، پھر وہ کچھ دیر اسی طرح بلال کو دلاسے دیتے رہے، ادھر ادھر کی باتیں کر کے ان کا دل بہلایا اور قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں پھر جب ان کا بھیجا ہوا آدمی پیسے دے کر آ گیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ امیہ نے رقم وصول کر لی ہے تو وہ بلال کی طرف مخاطب ہوئے اور مسکرا کر کہنے لگے:

''اچھا بلال اب تم آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔''

شام کو ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو بلالؓ کی تمام بپتا کہہ سنائی اور بتایا کہ وہ صرف انہیں خرید کر ہی اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! مجھے بھی اس میں شریک کر لو۔''

ابوبکرؓ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو اب انہیں آزاد کر چکا ہوں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اصحاب قریش کے ایک اور قبیلہ سے گزرے، وہاں انہوں نے ایک منظر دیکھا اور بڑا درد ناک منظر دیکھا! انہوں نے دیکھا کہ ایک زبردست آگ دہکائی جا رہی ہے اور ایک شخص کی مشکیں کسی جا رہی ہیں، پھر کچھ لوگ اٹھا کر اسے آگ کے قریب لے جاتے ہیں، جیسے ہی آگ اسے اپنی لپیٹ میں لینے کو ہوتی ہے وہ لوگ فوراً ہی اسے اٹھا لیتے ہیں اور آگ سے دور لا کر ہاتھ پیر باندھے اپنے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں، پھر ان میں سے ایک بدبخت آگے بڑھ کر اس کے سینہ میں زور سے لات مارتا ہے، وہ بیچارہ دھڑام سے زمین پر گر پڑتا ہے اور یہ خصمے مارتے ہیں، اس طرح یہ لوگ بار بار یہی حرکت کرتے ہیں، پھر ایک ان میں سے کہتا ہے:

''ہمارے معبودوں کو اچھے الفاظ سے یاد کرا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کو برا بھلا کہہ، ورنہ یہ آگ تجھے تجلس کر رکھ دے گی یا زمین پر پٹخنیاں کھاتے کھاتے مر جائے گا۔''

لیکن اس وارفتۂ اسلام کی زبان سے وہ یہی الفاظ سنتے:

''گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، خدا نے ان کو ہدایت دے کر اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔''

وہ لوگ اسی طرح اسے آگ میں جلاتے اور اس سے نکالتے رہے، پھر زمین پر پٹخنے اور کھڑا کرتے رہے، آخر وہ بے چارہ بیہوش ہو گیا، اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ آپس میں کہنے لگے:

''بس اب اس پر رحم کرو، کہیں اس کی جان نہ نکل جائے، ورنہ اس کے بنی زہرہ والے حلیف تم سے جواب طلب کر لیں گے۔''

پھر یہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جاں گسل منظر کو دیکھ کر اپنے احباب کے پاس آئے اور انہیں خباب بن ارت کی بپتا سنائی۔

قریش اور بنی مسلمانوں کی باہمی کش مکش دنوں، مہینوں اور سالوں یونہی جاری رہی لیکن قریش ان کے دین کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

قریش ایک روز دوپہر کو بڑے بھاری کام کے لئے جمع ہوئے، ابوجہل نے بڑے دھڑلے کے ساتھ ان سے یہ دعویٰ کیا کہ وہ یاسر اور اس کے گھر والوں سے اپنی مرضی کے مطابق ہر قسم کی بات کہلوانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

''عتبہ بن ربیعہ بولا:

''نہیں ابوالحکم! یاسر تو بڑا دل گردے والا آدمی ہے، میرے خیال میں وہ مر جائے گا، لیکن تمہاری بات ہرگز نہ مانے گا۔''

ابوجہل نے کہا:

''اور اگر مان لی؟..... کہو تو تمہارے سامنے اس کے منہ سے کہلوا لوں!''

عتبہ نے کہا۔

''چلو، پھر میں اونٹ تمہارے۔''

ساتھ ہی شیبہ بن ربیعہ نے کہا:

''اور اتنے ہی میری طرف سے!''

عتبہ نے کہا:

''اچھا اور اگر یاسر تمہارے ہاتھ سے مر گیا.....''

فوراً ہی شیبہ بولا:

''اور تم اس سے یہ الفاظ نہ کہلوا سکے تو پھر؟''

ابوجہل نے کہا:

''پھر جو تم فیصلہ کرو۔''

عتبہ بولا:

''نہیں ہم کوئی فیصلہ و یصلہ نہیں کریں گے، بس یہی کافی ہے کہ تم خود ہی اپنی ناکامی پر کڑھتے رہو۔''

آخر یہ تینوں جفا کار جن کی عقل شرط بازی نے مار دی تھی، وہاں سے اٹھ کر آئے اور یاسر، سمیہ اور عمار کو مشق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ستم بنتے دیکھنے لگے۔

قریش نے مکہ میں ایسی اذیت رسانی اور ظلم وستم کبھی نہ دیکھا تھا جیسا کہ اس روز دیکھنے میں آیا، لیکن اس جبر وتشدد کے باوجود ان ظالموں کی مراد پوری نہ ہوئی۔

ابوجہل اور اس کے ساتھی آئے تو انہوں نے دیکھا کہ قدآدم چمڑے کی مشکیں پانی سے بھری رکھی ہیں، ایک جانب آگ دہک رہی ہے اور داغنے کے اوزار اس میں تپائے جارہے ہیں، دوسری طرف اس مسلم خاندان کے تینوں نفر ہاتھ پاؤں بندھے راستے کے ایک جانب بیکار لاوارث مال کی طرح پڑے ہیں۔

ابوجہل اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچا تو اپنے غلاموں کو ان تینوں قیدیوں کے لانے کا حکم دیا، انہوں نے یاسر، سمیہ اور عمار کو اس کے آگے لا بٹھایا۔ ان بیکسوں کی زبانوں پر اس وقت بھی ذکر الٰہی جاری تھا، ابوجہل نے ان پر اندھا دھند کوڑے برسانے شروع کردیئے، پھر آگ سے جلایا، پھر ان پر پانی کی مشکیں لنڈھادیں اور بار بار یہی مشق ستم جاری رکھی، پھر اس نے پانی میں ڈبونے کا حکم دیا تو انہیں پانی سے بھری ہوئی چرمی مشکیں میں اس قدر غوطے دیئے گئے کہ ان کا سانس گھٹنے لگا، پھر انہیں باہر ہوا میں نکال لیا اور سانس ٹھیک ہونے تک انتظار کرتا رہا کہ دھواں کچھ دم آنے پر کیا کہتے ہیں لیکن انہوں نے پھر وہی "اللہ، اللہ" کہنا شروع کردیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں بیان کرنے لگے، ابوجہل اب غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا تھا، بھنا کر سمیہ سے کہنے لگا:

"ہمارے معبودوں کو اچھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا نہیں کہے گی تو یونہی سسک سسک کر مر جائے گی، یاد رکھ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے خدا سے انکار نہ کیا تو آج شام دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔"

سمیہ نے نہایت پرسکون لیکن کچھ ٹوٹی ٹوٹی آواز میں کہا:

"تاس جائے تیرے معبودوں کا! مجھے موت سے پیاری کیا چیز ہے؟ پھر کم از کم تیری منحوس بھوتڑی شکل تو دیکھنے میں نہیں آئے گی!"

عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ یہ سن کر بہت ہنسے اور ابوجہل غصہ میں آپے سے باہر ہوکر سمیہ کے پیٹ میں بری طرح لاتیں مارنے لگا، لیکن سمیہ لڑکھڑاتی ہوئی پرسکون آواز میں کہتی جارہی تھی:

"ناس جائے تیرے معبودوں کا!"

ابوجہل اب غصہ سے پاگل ہوگیا، اس نے بے تاب ہوکر ہاتھ میں پکڑا ہوا نیزہ سمیہ کے کھینچ مارا، ایک ہلکی سی چیخ بلند ہوئی اور اسلام کی راہ میں پہلی شہادت سمیہؓ کے حصہ میں آئی۔

یاسر نے چلا کر کہا:

"او خدا کے دشمن! تو نے اسے قتل کردیا!! لعنت ہے تجھ پر اور تیرے معبودوں پر!!!"

عمار نے کہا:

"تو نے قتل کردیا اسے خدا کے دشمن! لعنت ہے تجھ پر اور تیرے معبودوں پر! اب جل بھن کر خاک ہوجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔"

یاسر نے کہا:

"یقیناً خدا کا وعدہ سچا ہے!"

لیکن ابوجہل نے کچھ آگے کہنے کی مہلت نہ دی اور پیٹ پر زور سے لات ماری، یاسر کی چیخ نکلی اور اسلام کا دوسرا شہید بھی جاں بحق ہوگیا۔

عتبہ اور شیبہ نے ابوجہل سے کہا:

کیا تم نے ہم سے نہیں کہا تھا کہ اگر میں یاسر اور اس کی بیوی سے اپنے دین کا اقرار کرانے میں کامیاب نہ ہوا تو پھر تم جو چاہو فیصلہ کرنا۔

ابوجہل چپ رہا لیکن قریش کے دوسرے سرداروں نے کہا:

"ہاں بے شک یہی کہا تھا! ہم اس بات کے گواہ ہیں!"

عتبہ نے کہا:

"پھر تمہیں چاہئے کہ اس شخص کو آزاد کرکے چھوڑ دو، تا کہ یہ اپنے ماں باپ کو دفن کردے۔"

اس روز ابوجہل بڑے غیظ وغضب میں شکستہ خاطر ہوکر گھر لوٹا، معلوم نہیں اس کے غم وغصہ کا اصل سبب کیا تھا، آیا وہ ان دونوں شہیدوں کے ہاتھ سے نکل جانے پر سخت پا تھا کہ وہ اس کا دلی منشا پورا کئے بغیر کسی گھبراہٹ، بے چینی اور بے صبری کا اظہار کئے ختم ہوگئے کیونکہ یہ چیز قریش اور اس کے قدیم مذہب پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدید مذہب کا غلبہ ظاہر کرتی تھی۔

ابوجہل تو اس طرح اپنے گھر سدھارا اور اس بے چینی میں رات کاٹی، دوسری جانب زخمی عمار کو انہا کر لوگ ان کے گھر لے گئے اور ان کے ساتھ ان کے ماں باپ کی نعشیں بھی ان کے گھر پہنچا دیں، ان تینوں کو قریش کے ہی چند لوگوں نے اٹھایا تھا، ان میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی، اس وقت دونوں اپنی عداوت بھول گئے تھے یا از خود بھلا دی تھی، ان کے ذہن میں بس ایک خیال سمایا ہوا تھا کہ ان میں ایک مصیبت زدہ ہے جس کی غمخواری کرنی ہے اور دو میتیں ہیں جنہیں جلد از جلد دفن کرنا ہے، یہ سوچ کر وہ سب اٹھے اور ایک دوسرے سے ہر ممکن تعاون کیا۔ وہ عمار کی غم خواری کرنے لگے، لیکن عمار کو اس غمخواری کی ضرورت نہ تھی، پھر انہوں نے عمار کے والدین کی تجہیز وتکفین میں ہاتھ بٹایا، بے شک اس تعاون کی انہیں ضرورت تھی، والدین کو دفن کرنے کے بعد عمار اپنے گھر آئے تو مشرکین ان سے رخصت ہوئے اور مسلمان حلقہ باندھ کر ان کے گرد بیٹھ گئے۔

اس وقت عمار کی یہ حالت تھی کہ بدن اب تک ان مظالم کی شدت اور تکلیف محسوس کر رہا تھا، دل ایمان کی حلاوت سے سرشار تھا اور طبیعت ماں باپ کے رنج وغم سے اداس تھی، عثمان بن عفانؓ نے ان سے کہا:

"تمہیں آخر ان کا غم کیوں ہے؟ انہوں نے تو اپنا وقت پورا کرلیا اور تم سے پہلے ہی خدا کی نعمت اور رضا حاصل کرلی، کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہیں سنا، وہ ایک مرتبہ تمہارے لئے جنت کا وعدہ فرما رہے تھے اور ایک دفعہ تمہیں صبر کی تلقین کر رہے تھے اور ایک دفعہ تمہیں صبر کی تلقین کرکے دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ! آل یاسر کو بخشش دے۔" تو کیا تم صبر نہیں کروگے؟"

عمار بولے:

"او عمرو! آپ نے بجا فرمایا، مجھے یہ زیبا نہیں کہ میں ان پر رنج کروں، بلکہ مجھے تو ان کی خوشی منانی چاہئے کہ وہ مجھ سے پہلے ہی جنت میں پہنچ گئے، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ وعدہ دیا تھا! اور خدا کا وعدہ سچا ہے۔"

عثمانؓ نے کہا:

"اور تمہیں بھی تو دیا تھا!"

عمار نے کہا:

"افسوس او عمرو! اگر میں بھی ان دونوں کے ساتھ مر جاتا تو بے شک مجھے بھی خوش ہونے کا حق تھا لیکن وہ دونوں تو گزر گئے اور اب میں رہ گیا ہوں، زندگی میں فتنے بہت ہیں اور نفس کمزور ہے، مجھے اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ موت نے مجھے ان سے جدا کردیا اور اب میں لوگوں کا تختۂ مشق بنوں گا، وہ مجھے گناہوں اور برائیوں پر آمادہ کریں گے، میرے اعمال حبط ہوں گے اور نیکیاں نہ ہوں گی۔"

عثمانؓ بولے:

"خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی مہربانی سے آس نہ توڑو، تمہیں گناہوں کا اسی طرح موقع ملے گا جیسے نیک اعمال کا، برائیوں سے اسی طرح واسطہ پڑے گا جیسے نیکیوں سے، تمہیں زندگی سے نفرت نہیں کرنی چاہئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں۔"

عمار نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔"

پھر وہ اس پھرتی سے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کوئی دکھ بیماری یا تکلیف سرے سے تھی ہی نہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان میں قوت و طاقت لوٹ آئی ہے جیسی دوسرے قوی انسانوں میں ہوتی ہے، وہ اٹھتے ہوئے عثمان اور اپنے دوسرے احباب سے کہنے لگے:

"واہ بھئی واہ! ہم خواہ مخواہ یہاں رکے بیٹھے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیوں نہ چلیں!"

پھر وہ سب کے سب دارارقم گئے اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نصیحت فرماتے، دلوں کو پاک کرتے اور قرآن پڑھ کر سناتے۔

ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے، جب دن کافی چڑھ گیا تو انہوں نے وہاں عمار کو نہ پایا، اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمار کو خدا کی راہ میں ستایا جا رہا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن چڑھے بطحاء، مکہ کے ایک مقام سے گزرے، وہاں ابوجہل کو دیکھا کہ وہ پھر اپنی پہلی حرکتوں پر اتر آیا ہے، نہایت تیز آگ دہک رہی ہے، چمڑے کی بڑی بڑی ٹنکیوں میں پانی بھرا ہوا ہے، عمار کو ان دونوں کے درمیان ڈال رکھا ہے، قریش کے احمق لوگ تیز سے چھبو رہے ہیں اور آگ میں جلا رہے ہیں، عمار صبر و سکون کے ساتھ خاموش کھڑے دل ہی دل میں خدا کو یاد کر رہے ہیں، زبان سے ایک حرف نہیں نکالتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو کمال شفقت سے فرمایا:

"اے آگ! تو عمار پر بھی اسی طرح ٹھنڈی اور باسلامت ہو جا، جیسے حضرت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی۔"

ابوجہل نے عمار کو اس طویل عرصہ اذیت و ابتلا میں اس قدر آگ سے جلایا تھا کہ ان کی جان لینے کے لئے کافی تھا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا۔"

عمار کے لئے خدا سے اس شخص نے دعا کی تھی جو اسے تمام بندوں سے پیارا اور محبوب تھا، خدا کی حکمت بھی خوب ہے اور ہر کام کا ایک وقت معین ہے۔

عمار نے اس روز ایسی ایسی اذیتیں برداشت کیں جن میں سے بعض تو انسان سہار سکتا ہے لیکن بعض کا سہنا اس کے بس سے باہر ہے، آخر جب سورج ڈھلنے لگا تو ان پر ظلم و ستم موقوف ہوا اور وہ اپنے گھر واپس آئے، ابوجہل نے پھر ان کو کافی دن ڈھیل دیئے رکھی، جس کو عمار نے خیال کیا کہ اب دوبارہ ان کو شتم ستم نہ بنایا جائے گا، لیکن ابوجہل نے یہ ڈھیل محض اس لئے دی تھی کہ اپنے ظلم و ستم میں شدت پیدا کر سے اور اذیتوں میں اضافہ کر سے۔

اس بدترین اذیت اور عذاب سے جو کبھی ختم ہو جاتا اور کبھی پھر شروع ہو جاتا، عمار نے اس وقت مخلصی پائی جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا، چنانچہ عمار نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر اس کے بعد مدینہ ہجرت کی اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امن و سلامتی سے اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

مکہ میں منادی آیا اور اس نے بتایا قافلہ کے سالار ابوسفیان نے ان سے فوری مدد طلب کی ہے اور جنگ کے لئے اسی لمحہ کوچ کرنے کو کہا ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا تجارتی قافلہ لوٹنا چاہتا ہے، وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے نکل آیا ہے۔

قریش یہ سن کر بہت گھبرائے، صبح ہوتے ہی گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی کی تیاری کرنے لگے، قریش کے شرفاء نے اس تیاری میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ابوجہل کو یقین ہو گیا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے، جس کا وہ برسوں سے انتظار کر رہا تھا۔

اس جنگی مہم میں سہیل بن عمر بھی شامل ہوا، وہی سہیل جس نے اپنے بیٹے عبداللہ کی مشکیں باندھ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا تھا اور پھر اس وقت تک ستاتا رہا جب تک پختہ یقین نہ ہو گیا کہ اب میرا بیٹا اپنے آبائی دین میں لوٹ آیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر قریش سے آملا ہے، یہی وجہ تھی کہ جب سہیل دیگر امراء قریش کے ساتھ جنگ کے لئے نکلا تو اس نے اپنے بیٹے کو بھی بڑے فخر و اعتماد کے ساتھ اپنے آگے آگے رکھا۔

بدر میں فریقین کا سامنا ہوا، قریش نے نظر دوڑائی تو انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت ہی کم افراد نظر آئے، یہ دیکھ کر وہ غرور اور گھمنڈ سے پھولے نہ سماتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے وہاں تک نظر دوڑائی تو دیکھا کہ قریش چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب ہی نکل آئے ہیں اور ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند تعالیٰ سے نصرت کا وعدہ پورا کرنے کی التجا کی، نہایت عاجزی و انکساری سے مدد مانگی اور خوب گڑگڑا کر دعا کی کہ مسلمانوں کے دلوں کو عزم و ثبات عطا کر!

اس کے بعد دونوں فریق قریب تر ہوتے گئے، لیکن قریش نے نگاہ اٹھائی تو انہیں ایک عجیب چیز نظر آئی، اسی طرح مسلمانوں کو بھی وہ کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، قریش نے دیکھا کہ ان کا ایک تروتازہ چہرے اور گٹھیلے بدن کا مضبوط اور قوی ترین کڑیل جوان ان کی صفوں سے نکل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے ملنے جا رہا ہے، مسلمانوں نے بھی خاص طور پر مہاجرین نے اپنے ایک جانے پہچانے دوست کو دیکھا جس سے پہلے تو وہ محبت کرتے تھے لیکن پھر جب یقین ہو گیا کہ وہ اپنے آبائی دین میں لوٹ گیا ہے تو اس پر افسوس کرنے لگے، یہ نوجوان عبداللہ بن سہیل بن عمرو ہے جس نے مشرکین کو اتنے عرصہ تک اپنے بارے میں دھوکہ میں رکھا۔

دراصل انہوں نے دل سے کفر کا اقرار نہیں کیا تھا اور نہ کفر کے لئے ان کا دل کھلا تھا، انہوں نے قریش کے ظلم و ستم کے وقت عمارؓ کی طرح اپنے دل کو بھی ایمان کے ساتھ مطمئن پایا تھا۔

اور اب!..... یہ دیکھو، وہ نوجوان اپنی قوم کی صفوں سے نکل کر مسلمانوں کی صفوں میں جا رہا ہے، وہ دوڑتا ہوا آگے چلا جا رہا ہے، آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت کی دعا لیتا ہے، پھر اپنے مہاجر احباب کے پاس جاتا ہے اور ان کے ساتھ مل کر قریش کے خلاف صف آرا ہوتا ہے، حالانکہ ان ہی میں اس کا باپ بھی ہے، اس پیش قدمی کے دوران وہ اپنی بہن سہلہ کے خاوند ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ سے ملتا ہے اور اپنا پورا واقعہ بیان کرتا ہے، ابوحذیفہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں "بہت اچھا ہوا" اس کے علاوہ آگے کچھ نہیں کہتے، دونوں گروہ آہستہ آہستہ قریب آتے جاتے ہیں، اور اب ان کی مڈبھیڑ ہونے میں ایک تلوار یا تیر چلنے کی دیر رہ جاتی ہے، کہ اتنے میں قریش ایک حیرتناک منظر دیکھتے ہیں، مسلمان بھی نگاہ اٹھاتے ہیں تو انہیں ایک عجیب نظارہ دکھائی دیتا ہے:

کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان دونوں صفوں کے درمیان بیچ میدان میں کود کر قریش کے سالار رتبہ بن ربیعہ کو مبارزہ کے لئے للکار رہا ہے، عتبہ اس کی مبارزہ طلبی پر مقابلہ کے لئے باہر نکلتا ہے لیکن اس کو دیکھتے ہی فوراً واپس ہو لیتا ہے، اس غیر معمولی واقعہ سے قریش غیظ و غضب میں آجاتے ہیں، مسلمان بھی حیران رہ جاتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ یہ تو ابوحذیفہ ہے جو اپنے باپ کو مبارزہ کے لئے للکار رہا ہے۔

اس جنگ میں دیگر مہاجرین کے ساتھ عبداللہ بن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسعود بھی شریک تھے، وہ ہلکے پھلکے اور دبلے بدن کے تھے، گوشت کم تھا لیکن بلا کی چستی اور پھرتی تھی، ابھی یہاں دکھائی دیتے تو ابھی وہاں نظر آتے، یہاں میدان جنگ میں بھی قریش کے ساتھ ان کا وہی طریقہ تھا جو مکہ میں تھا جب کہ مسلمان ایک دور ابتلا سے گزر رہے تھے، ابن مسعودؓ بھی یہاں حملہ کرتے، کبھی وہاں ہلہ بولتے، پورے میدان جنگ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چیتے کی طرح اڑتے پھرتے تھے، وہ اسی طرح میدان کارزار گرم کررہے تھے کہ انہوں نے فرزندان عفراء کو دیکھا کہ ان دونوں نے ابوجہل کو مار گرایا ہے اور بری طرح تہہ تیغ کردیا ہے، ابن مسعودؓ جلدی سے اس کے پاس پہنچے، دیکھا تو ابھی اس میں اتنی جان باقی تھی کہ دیکھ سکے، سن سکے اور بہ مشکل کچھ بول سکے، ابن مسعود لپک کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے، بولے:

"ہاں، او خدا کے دشمن! آخر خدا نے تجھے ذلیل کردیا نا!"

ابوجہل مریل آواز سے رک رک کر بولا:

"او ہو! تم ہو گڈریے!! تم تو بڑی مشکل جگہ چڑھ آئے ہو۔"

ابن مسعود نے کہا:

"ہاں! اب ذرا دنیا کے عذاب کا مزہ چکھ لے، آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت اور عبرتناک ہے۔"

پھر اس کا سر قلم کردیا اور دوڑتے بھاگتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوجہل کے قتل کی خبر دی، نبی صلعم نے بہ آواز بلند بلند فرمایا:

اللہ الذی لا الہ غیرہ!

ابن مسعودؓ نے بھی زور سے پکارا:

اللہ الذی لا الہ غیرہ!

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا "اللہ اکبر" آپ کے اردگرد مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کنشوں پر کھڑے ہو کر جو ایک پرانے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تھے ان کو پکار کر فرمانے لگے:

"اے کنوئیں والو! کیا تم نے خدائی وعدہ کو سچا پایا، مجھ سے جو کچھ وعدہ ہوا تھا، حق ثابت ہوا۔"

بعض صحابہؓ نے عرض کی:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو سب مردہ ہیں!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں، یہ بالکل تمہاری طرح سن رہے ہیں، البتہ بول نہیں سکتے۔"

☆.....☆.....☆

داستان سناتے سناتے جب واعظ یہاں پہنچا تو اس نے سر جھکا لیا اور کافی دیر جھکائے رہا تاکہ سامعین نے سمجھا کہ اب آگے وہ کچھ نہیں کہے گا، لہٰذا وہ اٹھ کر جانا ہی چاہتے تھے کہ اس نے سر اٹھایا اور یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: "اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں بیکس اور بے بس کردیئے گئے ہیں، ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت و اقتدار دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔"

اس کے بعد کچھ دیر رک کر بولا:

صدق اللہ وعدہ! خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ان بے کس و بے بس لوگوں کو اپنی زمین کا وارث بنایا، قیصر و کسریٰ سے حکومت چھین کر ان کے ہاتھوں میں دی اور جب تک وہ زندہ رہے لوگوں کا امام اور پیشوا بنایا اور جب اپنے پاس بلا لیا اور اپنی بہشتی نعمتوں سے بہرہ ور کیا تو ان کے ذکر کو دائمی زندگی بخشی، ان کی سیرت کو پسندیدہ سیرت کہا، ان کی زندگی کو قابل تقلید نمونہ اور لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا، اب وہ راہ حق دنیا تک مسلمانوں کے امام اور سردار ہیں۔

.....(ختم شد).....



کسی کی ادا، دعا بن جاتی ہے

تبسم محسن علوی



اس بے اعتبار دھوکہ باز دنیا میں انسان لوگوں کی برائیوں کا اتنا عادی ہوتا جارہا ہے کہ اچھائیاں اور نیکیاں افسانے لگنے لگی ہیں، پاکستان اور خاص کر کراچی کی معصوم و مظلوم عوام گورنمنٹ کی نااہلی سے صبح و شام ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہاتھوں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو لٹوانے پر مجبور و بے بس ہو چکی ہے، سینکڑوں کی تعداد میں یہ مظلوم لوگ لٹتے ہیں اور اپنی بربادی پر خود ہی تماشہ بنے آنسو بہاتے رہتے ہیں، لیکن کوئی پرسان حال نہیں، کوئی ان کے غموں کا مداوا کرنے والا نہیں، قانون کے لمبے ہاتھوں نے بھی ان ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہاتھوں کو اور مضبوط بنا دیا ہے، گھر میں اور گھر سے باہر روزانہ ہی یہ مجرم بڑی بے خوفی اور دھڑلے سے وارداتیں کرکے پورے شہر کو خوف و دہشت کا شکار رکھتے ہیں، شادی کی تقریب میں واپسی میں ہمارے ساتھ ایک ناقابل یقین واقعہ پیش آیا، ہوا یوں کہ میں اور میاں ایک دن دو بجے رات کو شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے کہ سہراب گوٹھ کے قریب ہماری گاڑی پنکچر ہوگئی اور اتفاق یہ کہ گاڑی میں موجود اسپئی بھی پنکچر تھی جس کو میاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب اپنی ضروری مصروفیات کی بناء پر بخوانہ سکے تھے، اس سخت پریشانی کے عالم میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے، آخر میں ترکیب سمجھ میں آئی کہ پنکچر ٹائر کو قریب کے پیٹرول پمپ تک پیدل ہی لے جایا جائے، کیونکہ سنسان سڑک پر کافی دیر انتظار کرنے پر کوئی ٹیکسی رکشہ بھی نظر نہیں آیا، میاں بیچارے مجھے اللہ کے سپرد کر کے خود ٹائر کو گھسیٹتے ہوئے پیٹرول پمپ کی طرف چل دیئے، ہم نے گاڑی کے شیشے چڑھائے، آیۃ الکرسی کا ورد کرنے لگے، اسی اثنا میں ایک موٹر سائیکل پر سوار دو لڑکے ہماری گاڑی کے قریب رک گئے، خوف و دہشت سے میرے منہ سے بس تمام قرآنی دعائیں پھیلے جارہی تھیں، کانوں، ہاتھوں اور گلے کے زیورات ایک ایک کر کے اپنی گود میں جمع کر لئے کہ بس ان لڑکوں نے جیسے ہی ہم پر پستول تانی، ہم سب کچھ ان کے حوالے کر کے جان بچالیں گے، لڑکے ہمیں گھورتے ہوئے گاڑی کے چاروں طرف چکر لگا کر ہماری گاڑی کی ڈگی پر جا کر بیٹھ گئے، یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا ان لوگوں کو ان قرآنی آیات کے درد کی وجہ سے میں نظر نہیں آرہی ہوں، جواب تک مجھ پر حملہ آور نہیں ہوئے، یا پھر شاید وہ اپنے اور ساتھیوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ سب مل کر لوٹیں گے، ہر ہر منٹ ایک نئے خوفناک واردات کے انتظار میں ٹھہر سا گیا ہو، نجانے کتنی دیر میں ایک ٹیکسی آکر قریب رکی، جس میں سے اپنے میاں کو ٹائر اتارتے دیکھ کر کچھ دل کو اطمینان ہوا، مگر فوراً ہی سلیم کی جانب ان دونوں ڈاکوؤں کو جاتے دیکھ کر اوسان دوبارہ خطا ہونے لگے، دو منٹ کی گفتگو کے بعد وہ سلیم کے ساتھ ٹائر لگوانے میں مدد کرنے لگے، میرے دل میں وسوسوں کا طوفان برپا تھا کہ یہ لوگ گاڑی کا پنکچر ٹھیک کراتے ہی زیورات اور پیسہ کے ساتھ ساتھ گاڑی بھی چھین لیں گے اور اسی لئے وہ اتنی دیر تک انتظار کرتے رہے، ڈر و خوف کی کیفیت سے میرے جسم سے ٹھنڈے پسینے کے فوارے چھوٹ رہے تھے، اب کیا ہونے والا ہے، یا اللہ خیر رکھنا، اگر کہیں سلیم گاڑی دینے سے انکار کر دیں اور یہ لوگ غصے سے ان پر گولی نہ چلادیں، کہیں یہ گاڑی کا جیک سر پر نہ دے مارے، صبح وشام اخبارات میں پڑھے قصے حقیقی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے، یا اللہ اب میری یہ آنکھیں کیا خوفناک منظر دیکھنے والی ہیں، لیکن یہ کیا؟ آنکھیں حیرت کے مارے جیسے جھپکنا ہی بھول گئیں، سلیم سامنے کھڑے ہو کر ان لڑکوں سے بڑے پرخلوص طریقے سے ہاتھ ملا رہے تھے، اللہ، اللہ کر کے سلیم میرے پاس گاڑی میں آکر بیٹھے اور بڑے سکون سے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولے، کون کہتا ہے کہ ہماری نئی نسل بے راہ روی کا شکار ہے، دیکھو کتنے نیک شریف بچے تھے، سلیم نے ان لڑکوں کے بارے میں حیرت ناک انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ یہ لڑکے کہہ رہے تھے کہ ہم گاڑی میں اکیلی خاتون کو بیٹھا دیکھ کر موٹر سائیکل روک کر ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے، گاڑی کا نکلا ہوا ٹائر دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ ان خاتون کا ساتھی کہیں قریب ہی پنکچر بنوانے گیا ہے، انکل آنٹی اتنی خوفزدہ لگ رہی تھیں کہ ہم ان کے قریب ہی نہیں گئے کہ کہیں وہ بیچاری بے ہوش نہ ہو جائیں، ہم ان سے دور گاڑی کے پیچھے پیچھے کھڑے ان کی حفاظت کرنے لگے کہ کوئی ان کو اکیلا نہ سمجھے، دیکھو دونوں کتنے نیک بچے ہیں، میں اپنی بے ترتیب سانسوں کے ساتھ حیرت سے ان دونوں نوجوان بچوں کو اپنے آگے موٹر سائیکل پر جاتے دیکھ رہی تھی، بے اختیار میرا سر فخر سے بلند ہو گیا، میری نظر آسمان پر جو پڑی تو چاند کے ساتھ دو ستارے دمک رہے تھے، میرے دل سے بے اختیار دعا نکلی، اے رب العالمین ان دونوں لڑکوں کا مقدر بھی آسمان پر ان ستاروں کی جگمگاہٹ رکھنا، جو اس مایوس اندھیرے میں نور کی کرن ہیں۔ آمین

☆.....☆.....☆



حارث اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ اچانک اسے محسوس ہوا، جیسے زلزلہ آگیا ہو، اس نے چونک کر سر اٹھایا تو اس کا پورا گروپ اس کے کمرے میں موجود تھا، ان کے قہقہوں کی آواز سے زمین ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

بدتمیز! میں سمجھا کہ زلزلہ آگیا یا کوئی دھماکہ ہو گیا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں موجود گدھوں کی آواز ہے، تم سب صبح صبح میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟ حارث نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

صبح نہیں ہے، شاید گیارہ بج رہے ہیں اور شریف لوگوں کی صبح تو بجے ہوتی ہے اور اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آپ کا میٹرک کا رزلٹ آؤٹ ہو چکا ہے، اسامہ جو اس کے کمرے میں موجود تھا، اس نے حارث کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

ارے! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آج رزلٹ ہے۔ اچھا بتاؤ میرے کتنے نمبر ہیں، حارث نے چونک کر کہا۔

ایسے تو نہیں بتائیں گے جب تک پانچ ہزار کا نوٹ نہیں نکالو گے، فیضی نے کہا۔

پانچ ہزار، یار! بہت زیادہ ہے، سیدھی طرح بتاؤ نا، حارث نے جھنجھلا کر کہا۔

نہیں مسٹر، پہلے پیسے، اسامہ نے کہا۔

ٹھیک ہے تم لوگ نہ بتاؤ، میں نیچے جا کر اخبار میں دیکھتا ہوں، حارث نے کہا۔

تمہارے گھر کا اخبار پہلے ہی ہمارے قبضے میں ہے، ہم ایکا انتظام کر کے آئے ہیں، بگلو بھائی نے ٹھیگا دکھایا۔

خبردار! ہمارے پیارے بھائی کو کچھ مت کرو۔

حارث بھائی آپ نے پورے اسلام آباد میں سیکنڈ ڈویژن حاصل کی ہے، فضا نے خوشی سے کہا۔

او، سارا پلان چوپٹ کر دیا، زبیر نے فضا کو گھورتے ہوئے کہا۔

بدتمیز، فضا نے بھی فوراً جواب دیا۔

یار سچ میں، میں نے سیکنڈ ڈویژن حاصل کی ہے، کہیں میں بے ہوش نہ ہو جاؤں، حارث نے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔

اب چلو جلدی سے انکل کو بتاتے ہیں، ملائیکہ نے کہا۔

ہاں، ہاں، چلو، اسامہ نے جلدی سے کہا۔

پھر وہ سب نیچے اترنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جمال صاحب اس وقت کامران کے ساتھ بزنس کے متعلق لاؤنج میں بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے، کاشف نے جب اس پوری فوج کو آتے ہوئے دیکھا تو فوراً سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہوکر ہاتھ پھیلاتے ہوئے موٹی آواز میں کہا۔

باادب، بانصیب، باملاحظہ، ہوشیار، شہزادہ سلیم مع اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔

ہوں..... شہزادہ سلیم کی شکل دیکھو، تم ازکم اٹھنے کے بعد منہ تو دھو لیتے، کامران بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

بات ہی کچھ ایسی ہے کامی بھائی کہ منہ دھونے کی فرصت ہی نہ ملی، حارث نے جواب دیا۔

انکل آپ کے لئے ایک خوشخبری ہے، اسامہ نے بچوں کی طرح کہا۔

کیا خوشخبری؟ جمال صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

آپ کے فرزند ارجمند نے پورے اسلام آباد میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی ہے، اسامہ نے کہا۔

ارے واقعی، جمال صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

جی ابو، آپ کے بیٹے نے میدان مار لیا، حارث نے سینے پر ہاتھ رکھ کر فخریہ لہجے میں کہا۔

ارے، ارے اس کو دیکھو نقل کر کے سیکنڈ پوزیشن حاصل کی ہے، اب چہرہ ایسے کیسا ہوا ہے جیسے کسی نے اس کے چہرے پر پٹاخہ پھوڑا ہے، کاشف نے اسے طنزیہ لہجے میں کہا۔

دیکھنے نا ابو، میں اپنی محنت سے کامیاب ہوا ہوں اور یہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں، حارث نے روتی شکل بنا کر کہا۔

ارے نہیں میرا بیٹا بہت محنتی بچہ ہے، جمال صاحب نے حارث کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہوں..... جلنے والا پڑا جلتا رہے اور جلنے والے کا منہ کالا، حارث نے کاشف کو منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

اب بس انکل ہم کچھ نہیں جانتے، آپ ایک زبردست پارٹی دیں ہمیں، سارہ نے جمال صاحب کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

ارے نہیں نا، بہت شور شرابہ ہوگا، جمال صاحب نے ان کو چھیڑنے کے لئے کہا۔

نہیں نا انکل، سب چیخ پڑے۔

بچے جب اتنا اصرار ہی کر رہے ہیں تو رکھوا دیں ایک پارٹی، شگفتہ بیگم بھی اس خبر سے بہت خوش تھیں، تبھی بچوں کی حمایتی بن گئیں۔

ہاں، آپ تو نہیں کہیں گی، کیونکہ آپ کو اپنی وہ ساڑھی پہننی ہے جو آپ کل خرید کر لائی ہیں، آخر اسے دوستوں کو بھی تو دکھانا ہے، جمال صاحب نے ہنستے ہوئے آہستہ سے چھیڑا۔

آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے، شگفتہ بیگم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

اچھا بابا، ہم اپنے بیگم کا حکم کیسے ٹال سکتے ہیں؟ تیاری کرو، اسی اتوار کو گھر پر ہی پارٹی رکھیں گے۔

یہ ہوئی نا بات، سب خوشی سے چیخ پڑے۔

☆.....☆.....☆

جمال صاحب اور شگفتہ بیگم انتہائی سلجھے ہوئے انسان تھے، ان کے پانچ بچے تھے، سب سے بڑا کامران، اس سے چھوٹی زویا، پھر ہاما، اس کے بعد کاشف اور سب سے آخر میں حارث، حارث چھوٹا ہونے کی وجہ سے خاندان بھر کا لاڈلا تھا، وہ بچپن سے ہی بہت ذہین تھا، ہر کلاس میں اس کی پوزیشن آتی، اس کا پورا ایک گروپ تھا، جس کا سربراہ وہ ہی تھا، اس کے گروپ میں چھ لوگ شامل تھے، جن میں اسامہ اور چھوٹے چچا کی صاحبزادی سارہ اس کے گروپ میں شامل تھی جبکہ گلو بھائی، تایا ابو کے بیٹے، فیضان اور فضا بڑی پھپھو کے بچے، ملائیکہ چھوٹی پھپھو کی بیٹی اور زبیر جمال صاحب کے دوست کا بیٹا تھا، گھر قریب ہونے کی وجہ سے وہ ہر

وقت حارث کے گھر میں ہی پائے جاتے تھے، ہلا گلا کرنا تو ان کا مشغلہ تھا، ان سب نے ابتداء ہی سے ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی اور آگے بھی ان سب کا ایک ساتھ تعلیم جاری رکھنے کا پلان تھا۔

آج جمال ہاؤس میں خاصی گہما گہمی تھی، فضا خوشبو سے معطر تھی، رنگ برنگے لپکتے آنچل قوس وقزح کے رنگوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔

یہ حارث بدتمیز کر کیا رہا ہے اوپر؟ زویا آپی نے اس کے گروپ سے سوال کیا۔

پتا نہیں، اپنے کمرے کا دروازہ اس نے لاک کیا ہوا ہے، پچاس مرتبہ دستک دے چکا ہوں، لیکن اندر سے یہی جواب آتا ہے کہ ابھی پانچ منٹ میں آرہا ہوں، لیکن یہ پانچ منٹ پانچ گھنٹوں کے برابر ہوتے ہیں، فیضان نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

ارے حارث بھائی آگئے، سارہ نے چلاتے ہوئے کہا، سب کی نظریں سیڑھیوں کی طرف اٹھ گئی۔

تھری پیس سوٹ میں ملبوس، ڈھیر ساری خوشبو لگائے، بالوں کو جیل سے خوب صورت طریقے سے سجائے ہوئے حارث انتہائی خوب صورت لگ رہا تھا۔

واہ یار، کتنوں کو بے ہوش کرنے کا ارادہ ہے؟ عطر کی شاید پوری ہاٹلی انڈیل کے آیا ہے، اسامہ نے اسے دیکھتے ہی ہانک لگائی۔

ہمارا حارث تو ویسے ہی بہت زیادہ خوب صورت ہے، جب کسی راستے سے چلتا ہے تو لوگ بے ہوش ہوکر گر پڑتے ہیں، ملائیکہ نے حارث کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ہوں..... ہوں..... حارث نے کالر جھاڑے، زیادہ آسمان پر مت چڑھو، لوگ تمہاری شکل دیکھ کر نہیں، تمہارے گندھے موزوں کی بدبو سے بے ہوش ہوتے ہوں گے، آئندہ موزے دھوکر پہننا، گلو بھائی نے کہا۔

گلو بھائی، حارث نے جھینپتے ہوئے کہا۔

ہا..... ہا..... ہا..... فضا اچانک زور زور سے ہنسنے لگی۔

کیا ہوگیا؟ کوئی گدگدی کر رہا ہے کیا؟ اسامہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

نہیں..... نہیں..... وہ..... وہ سامنے دیکھو، فضا نے ہنسی کے دوران کہا۔

سب کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں، ہنسی کا ایک طوفان آگیا۔

کیا ہوگیا؟ تم سب اتنا کیوں ہنس رہے ہو؟ زبیر نے حیرت سے پوچھا۔

یار جاؤ آئینے میں دیکھو، حارث نے ہنستے ہوئے کہا۔

کیا ہوا؟ زبیر نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹینز کا چھوٹا، باف وائٹ بنیان اور گول ٹوپی پہنے ہوئے وہ کوئی مجرم لگ رہا تھا۔

یار یہ حارث کی پوزیشن کی خوشی میں پارٹی ہے نا کہ تیرا کی کا مقابلہ، اسامہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اوہ نو، میں تیار ہوا، لیکن جلدی میں کپڑے بدلنا بھول گیا اور ایکسٹرا سائز کے کپڑوں کے ساتھ ہی آگیا، زبیر نے معصومیت سے کہا۔

یار علاج کروالو اپنے بھولنے کے مرض کا، آج تو خیر ہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی شادی کا دن ہی بھول جاؤ، حارث نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

حارث اور مہمان خصوصی صاحبان! آپ سب کو ابو بلا رہے ہیں، کاشف نے انہیں مخاطب کیا۔

ہاں..... ہاں، چلو جلدی سے، حارث نے کہا۔

میں کیا کروں؟ زبیر نے معصوم شکل بنا کر کہا۔

جاؤ جلدی سے کپڑے بدل کر آجاؤ، ملائیکہ نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

پھر وہ سب پارٹی انجوائے کرنے میں مصروف ہوگئے۔

یہ میرا بیٹا حارث ہے، اسی کی پوزیشن کی خوشی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج یہ تقریب منعقد ہوئی ہے، جمال صاحب نے اپنے دوست کی بیٹی سے حارث کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

انکل میرا بھی تو تعارف کروائیں، اسامہ نے جمال صاحب کے کان میں سرگوشی کی۔

جمال صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا، یہ میرا بھتیجا اسامہ۔

اچھا، اس نے اسامہ کو دیکھا، تم لوگ باتیں کرو، مجھے ذرا کام ہے، جمال صاحب نے جاتے ہوئے کہا۔

ہاں تو آپ کا نام کیا ہے؟ حارث نے اس لڑکی سے پوچھا۔

عائشہ! اس لڑکی نے بھی جواب دیا۔

عائشہ کتنا خوب صورت نام ہے؟

عائشہ، اسامہ دونوں کس قدر مل رہے ہیں، اسامہ نے خوشی سے کہا۔

ویسے آپ کا مستقبل کے بارے میں کیا پلان ہے؟ اسامہ نے پوچھا۔

کیا مطلب اسامہ!؟ حارث نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

میرا مطلب ہے پڑھائی کے متعلق، اسامہ نے جھینپتے ہوئے کہا۔

سائیکلوجی میں ماسٹر کرنے کا ارادہ ہے، عائشہ نے جواب دیا۔

ارے واہ، میرا بھی یہی ارادہ ہے، ہم دونوں کے خیالات کتنے ملتے جلتے ہیں، اسامہ نے کہا۔

لیکن اسامہ تمہارا ارادہ تو انگلش میں ماسٹر کرنے کا تھا نا، حارث نے کہا۔

ہاں! ابھی آج ہی میرا ارادہ بنا، اسامہ کہا۔

اچھا! اب چلو کھانے کا وقت ہوگیا ہے، حارث نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ پھر سب کھانے میں مصروف ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

سر! آئی کم اِن، زبیر نے کلاس میں داخل ہوتے ہوئے کہا، پروفیسر سرفراز جو کہ پڑھانے میں مصروف تھے، انہوں نے مڑ کر زبیر کی طرف دیکھا اور پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔

یہ کون سا آنے کا وقت ہے؟ آپ پورا آدھا گھنٹہ لیٹ آئے ہیں، پروفیسر سرفراز نے غصے سے کہا۔

وہ سر میں بھول گیا تھا۔ زبیر نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب بھول گئے تھے؟ پروفیسر سرفراز نے غصے سے پوچھا۔

وہ سر مجھے بھولنے کی بیماری ہے، زبیر نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

بھولنے کی بیماری ہے تو اپنا علاج کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کا راستہ ہی بھول جاؤ، پروفیسر سرفراز نے غصے سے کہا، جس پر تمام کلاس ہنسنے لگی۔

جاؤ اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ اور آئندہ وقت پر آنا، پروفیسر صاحب نے سخت لہجے میں کہا تو زبیر آرام سے چلتا ہوا اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

آج کالج میں ان سب کا پہلا دن تھا، ان سب نے ایک ہی کالج میں داخلہ لیا تھا، سب سے پہلا پیریڈ پروفیسر سرفراز کا تھا، وہ انتہائی سخت تھے، تمام طلبہ وطالبات ان سے حد درجے ڈرتے تھے، حارث کا گروپ سامنے تو ان سے بہت ڈرتے تھے لیکن پیچھے ان کی خوب برائیاں کرتا، حتیٰ کہ زبیر نے تو ان کا نام پروفیسر سرف اسکیل رکھ دیا تھا، وہ ان سے اپنے بھلکڑ پن کی وجہ سے ڈانٹ بھی بہت کھاتا تھا۔

ایک دن وہ سب یونیورسٹی کے لان میں بیٹھے ہوئے تھے تو حارث نے کہا کہ یاروں اتنے زوروں کی بھوک لگی ہے، آج کس کی باری ہے کھانا منگوانے کی۔

آج تو بیگن کی باری ہے، اسامہ نے گلو بھائی کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔

تم کیا ہو؟ اپنی گو بھی جیسی شکل تو دیکھو، گلو بھائی نے غصے سے کہا۔

گلو بھائی! چھوڑیں اس کو، جلدی سے کچھ منگوائیں نا، آج تو سرف ایکسل نے پڑھا پڑھا کر کچومر بنا دیا، حارث نے برا سا منہ بنایا۔

گلو بھائی اٹھ کر کھانا لینے چلے گئے۔

ہا.....ہا.....میں نے تو اپنی نیند سرف ایکسل کے پریڈ میں ہی مکمل کرلی۔ سارہ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

میں تو سوچ ہی نہیں سکتی، سارے پریڈ میں مجھے ایسے دیکھتے ہیں، جیسے لیکچر صرف مجھے دے رہے ہوں، فضا نے کہا۔

اتنے میں گلو بھائی کھانا لے کر آگئے، چلو شرافت سے کھانا کھاؤ، اسامہ نے فیضی اور زبیر سے کہا۔ پھر وہ سب کھانے میں مشغول ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

ایک دن سب کالج میں محفل جمائے ہوئے بیٹھے تھے کہ حارث دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا آپ سب کے لئے خوشخبری ہے، اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

کیا؟ سب نے ایک ساتھ کہا۔

کل زویا آپی کے سسرال والے آئے تھے، انہوں نے شادی کی تاریخ طے کرنے کا کہا ہے تو ابو چاہ رہے ہیں کہ کامران بھائی کو بھی قید کرلینا چاہئے، لہٰذا آج انہوں نے آپ سب کو بلایا ہے اور ہم سب شادی کی تاریخ دیئے جائیں گے، حارث نے خوش ہو کر کہا۔

اوا! کتنا مزہ آئے گا، سارہ خوشی سے چیخ پڑی، پھر یہی شادی ان کا موضوعِ سخن بن گیا۔

زویا کی شادی، جمال صاحب کے دوست کے بیٹے سے طے ہوئی تھی اور کامران کی شادی شگفتہ بیگم کی بیٹی صالحہ سے طے ہوئی تھی، شادیوں کی تاریخ طے کرلی گئی، اب گھر میں ہر وقت ہلا گلا ہونا لگا، سب شادی سے ایک ہفتے پہلے ہی رکنے آگئے۔

دوسرے دن زویا آپی کی رخصتی تھی، آج سب اپنی شرارتیں بھول گئے تھے، سب بہت اداس تھے، زویا آپی گھر میں بڑی تھیں، ہر ایک کا خیال رکھنا، ہر ایک کی فرمائش پوری کرنا ان کی عادت تھی اور ان کے جانے سے گھر کو بالکل خالی ہو جانا تھا، ساری لڑکیوں کی آنکھیں اشک بار تھیں، لڑکوں کی آنکھیں بھی چھلکنے کے لئے تیار تھیں، جمال صاحب بہت اداس تھے اور شگفتہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا، آج تو بادل خوب برس رہے ہیں، حارث نے اداسی کو دور کرنا چاہا، پھر سب نے آنسوؤں اور دعاؤں میں زویا آپی کو جو کہ دلہن بن کر بہت پیاری لگ رہی تھیں، رخصت کردیا۔

پھر اگلے دن کامران بھائی کی بارات تھی، سب تیاریوں میں مصروف تھے، کامران بھائی نے سفید شیروانی پہن رکھی تھی اور تمام لڑکوں نے سفید شلوار قمیص اور کالے رنگ کا مفلر گلے میں ڈالا ہوا تھا، بارات کو رخصت کر کے لے آئے۔

یوں ہی وقت گزرتا رہا، یہاں تک کہ انٹر کے امتحان شروع ہوگئے، سب پوری طرح سے تیاریوں میں لگ گئے، پہلا پیپر اکنامکس کا تھا، گلو بھائی مسلسل ہارن بجا رہے تھے، وہ زبیر کو لینے آئے تھے، زبیر جلدی جلدی آکر گاڑی میں بیٹھ گیا، ان کی نظر جب زبیر پر پڑی تو ان کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا، اس نے شرٹ کے نیچے شلوار پہن رکھی تھی۔

او..... میں ابھی پینٹ پہن کر آتا ہوں، زبیر نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

یار سدھر جا، کہیں ایسا نہ ہو کسی دن کپڑے پہننا ہی بھول جاؤ، گلو بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس کے بعد وہ امتحانی سینٹر میں آگئے اور امتحانی ہال میں اپنی اپنی نشست سنبھال لی، جب پیپر سامنے آیا تو اس کی آنکھیں نکل گئیں، کیونکہ اسے ایک سوال تو آرہا تھا، لیکن باقی دو سوال وہ بھول چکا تھا، اس نے بہت دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک یاد کرنے کی کوشش کی لیکن یاد نہ آسکا تو اس نے ارد گرد نظر دوڑائی، اس کے ساتھ والی لائن میں ذرا فاصلے پر حارث بیٹھا تھا، جو لکھنے میں مشغول تھا، زبیر نے اسے پینسل ماری تو حارث نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

حارث بھائی! مجھے دو سوال نہیں آرہے، مجھے دونوں سوال بتائیں نا..... زبیر نے معصوم سی شکل بنا رکھی تھی۔

زبیر اتنی سخت نگرانی میں، میں تمہیں کیسے بتا سکتا ہوں؟ حارث نے کہا۔

یوں کریں میں واش روم جارہا ہوں، آپ بھی ساتھ والے واش روم میں آجائیے، وہیں سے مجھے بتادیں، اتنا کہہ کر زبیر حارث کا جواب سنے بغیر انچارج کے پاس آگیا۔

سر! مجھے واش روم جانا ہے، زبیر نے کہا۔

آپ کو پتا نہیں کہ پیپر کے دوران واش روم جانا منع ہے، انچارج نے سختی سے کہا۔

سر! ایمرجنسی ہے، زبیر نے روتی شکل بنا کر کہا۔

ٹھیک ہے، جاؤ، انچارج نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

زبیر واش روم آگیا، تھوڑی دیر بعد اسے ساتھ والے واش روم کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی، شکر ہے حارث بھائی! آپ آگئے جلدی سے دونوں سوالات کے جواب بتائیں، ایک تو اس نیوٹن ایڈیلین پر سیب کیا گرا؟ اس نے اس کا پوسٹ مارٹم کر ڈالا، سیب نیچے کیوں گرتا ہے، اوپر کیوں نہیں گرتا؟ خود تو پاگل تھا، ہمیں بھی پاگل بنا رہا ہے، زبیر نان اسٹاپ شروع ہوگیا۔

اچھا! تم ذرا باہر نکلو، ابھی بتاتا ہوں، دوسری طرف سے آواز آئی۔

زبیر فوراً باہر نکل آیا اور اپنے سامنے پروفیسر سرفراز کو دیکھ کر اس کا خون خشک ہوگیا۔

سرف ایکسل..... مم..... میرا مطلب ہے سر آپ! زبیر نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔

ہاں تو تم ٹینگ کرنے آئے تھے، چلو آفس میں، وہ اس کا کان پکڑ کر لے جانے لگے۔

سر میں مذاق کر رہا تھا، زبیر مسلسل بول رہا تھا، لیکن وہ اس کی کوئی بات نہیں سن رہے تھے۔

یہاں حارث کون ہے؟ انچارج نے لڑکوں کو مخاطب کیا۔

سر میں، حارث نے کھڑے ہو کر کہا، آپ کو آفس میں طلب کیا گیا ہے۔

حارث جب آفس میں آیا تو اس نے دیکھا کہ زبیر مرغا بنا ہوا ہے اور پروفیسر سرفراز غصے میں کھڑے ہیں، انہوں نے سارا قصہ حارث کے گوش گزار کیا۔

سر وہ دراصل اسے جس طرح بھولنے کی عادت ہے، اسی طرح واش روم میں باتیں کرنے کی بھی عادت ہے، جو کچھ اس کے ذہن میں ہوتا ہے، وہ یہ باتھ روم میں بول دیتا ہے، حارث نے فوراً بہانہ بنالیا۔

سچ کہہ رہے ہو، سر سرفراز نے سختی سے پوچھا۔

جی سر! آپ اس سے پوچھ لیں، حارث نے کہا۔

کھڑے ہو جاؤ، سر سرفراز نے زبیر کو کہا۔

آئندہ ایسی یہ عادت ختم کرلو، جاؤ اور پیپر کرو، انہوں نے سختی سے کہا۔

بدتمیز آج مرتے مرتے بچ گئے، حارث نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

پھر یوں ہی پیپر بھی گزر گئے، رزلٹ والے دن سب حارث کے گھر میں تھے، پیپر سب نے اچھے دیئے تھے، لہٰذا رزلٹ بھی سب کا اچھا آیا، سب لاؤنج میں بلا گلا کرنے میں مصروف تھے کہ جمال صاحب آگئے۔

ہاں بھئی بچوں! بہت خوش ہو، جمال صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

کیوں نہیں چچا جان، رزلٹ جو اتنا اچھا آیا ہے، سارہ نے کہا۔

اچھا! یہ بتاؤ آگے کے کیا ارادے ہیں؟ جمال

صاحب نے استفسار کیا۔

ابو! ہم سب راولپنڈی یونیورسٹی میں جائیں گے اور انگلش میں ماسٹر کریں گے، حارث نے انہیں آگاہ کیا۔

ارے! یونیورسٹی تو یہاں بھی ہیں، جمال صاحب نے کہا۔

نہیں نا..... بچپا وہیں جائیں گے اور ہاسٹل میں رہیں گے، فضا منمنائی۔

چلو، جیسے آپ لوگوں کی مرضی، جمال صاحب نے کندھے اچکائے۔

کاشی بیٹا ذرا سب کے امی ابوؤں کے پاس فون کر کے انہیں بلواؤ، ایک میٹنگ تو ہو جائے، جمال صاحب نے کہا۔

خیریت ابو، کاشف نے حیرت سے کہا۔

ہاں بیٹا خیریت ہے، جمال صاحب نے کہا۔

اور ہاں، زویا کو بھی فون کر کے کہہ دو کہ احمد کے ساتھ آجائے اور سب سے کہو کہ دوپہر کے کھانے کا انتظام یہیں پر ہے، جمال صاحب نے کہا۔

چلو لڑکیوں تم سب بھی اٹھو اور بھابھی کے ساتھ کچن میں مدد کرو، شگفتہ بیگم نے کہا تو ساری لڑکیاں کچن کی طرف چلی گئیں۔

دوپہر کے وقت سب آگئے، کھانا سب نے خوشگوار ماحول میں مل کر کھایا، پھر کھانے سے فارغ ہو کر سب بڑے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

یار فیضی ذرا چاکر دیکھو، یہ بڑوں میں کب سے کیا کھچڑی پک رہی ہے، حارث نے ہنسم نہ ہو سکا۔

نہ بابا میں پٹڑا جاؤں تو میرا کچومر بن جائے گا، فیضی نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

زویا آپی، بھابھی اور کامران بھائی بھی وہی گھسے ہوئے ہیں، فضا نے کہا۔

ظاہر ہے وہ شادی شدہ ہے، اب وہ بھی بڑوں میں شامل ہیں، ملائیکہ نے کہا۔

اتنے میں زویا اور صالحہ آگئیں، زویا آپی بتائیں نا میٹنگ میں کیا ہو رہا ہے، اسامہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

بہت اچھی خبریں ہیں تم لوگوں کے لئے، چلو تم سب کو طلب کیا جارہا ہے، صالحہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

کہیں کوئی شکایت تو نہیں لگی بگلو بھائی کا رنگ اڑ گیا۔

ارے نہیں نہیں، چلو آؤ، زویا نے کہا۔

وہ سب دھڑکتے دلوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئے۔

ہاں بچوں آپ لوگ راولپنڈی جانا چاہتے ہو اور کاشف صاحب آگے کی تعلیم کے لئے لندن جانا چاہتے ہیں تو ہم سب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے پاؤں میں زنجیر باندھ دی جائے، تایا ابو نے بات شروع کی۔

کیا آپ کو بھی پتہ چل گیا کہ یہاں پاگل پائے جاتے ہیں، حارث نے کہا تو تایا ابو ہنسنے لگے۔

ارے نہیں، ہم نے سوچا ہے کہ آپ سب کی منگنی کر دی جائے، لہٰذا گلزار (گلو بھائی) کا رشتہ ملائیکہ سے، کاشف کا رشتہ سارہ سے، اسامہ کا رشتہ ماہا سے، فیضان کا رشتہ نوال سے اور زبیر کا رشتہ فضا سے طے کر دیا گیا ہے، تایا ابو نے گویا اعلان کیا، ساری لڑکیاں شرما کر بھاگ گئیں۔

یار سنجیدہ خوشی کو، ایسا نہ ہو کہ منہ ہی نہ پھٹ جائے، حارث نے گلو بھائی سے کہا۔

بچا حارث، نہیں روؤ تمہارا رشتہ طے نہیں کیا؟ اسامہ نے حارث کے آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

حارث نے خود ہی کہا تھا کہ وہ کزنوں کو، بہن سمجھتا ہے اور وہ ان سے رشتہ نہیں کرے گا، بلکہ اپنی پسند سے شادی کرے گا، جمال صاحب نے کہا۔

اچھا بچوں آپ لوگ تیاری کرو، دو دن بعد سب کی منگنیوں کی تقریب رکھی ہے اور اگلے دن آپ سب کی راولپنڈی روانگی ہے اور کاشف کی لندن، تایا ابو نے کہا۔

اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی، حارث چونکہ خود آزاد تھا تو دوسروں کو چھڑانے میں مصروف ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو دن کی تیاری کے بعد منگنی کا دن آ گیا، ساری لڑکیوں نے گولڈن رنگ کے سوٹ پہن رکھے تھے اور لڑکوں نے سفید شلوار قمیص پہن رکھی تھی، جن میں حارث بھی شامل تھا۔

یار حارث تو غم نہ کر، عنقریب ہم تیری منگنی کا شمن سے کروادیں گے جو باہر جھاڑو لگاتی ہے، اسامہ نے اسے چھیڑا۔

شرم نہیں آتی دوست کی منگنی اس سے کروائے گا، میں تو کسی اپسرا سے منگنی کروں گا اور دیکھ لینا، تم سب سے پہلے میری شادی ہوگی، حارث نے کہا۔

پھر منگنی کی رسم ادا کی گئی، سنبھال کر زبیر کہیں ایسا نہ ہو بھول کر فضا کے بجائے کسی اور کو انگوٹھی پہنا لو، حارث نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

نہیں یار کیسے بھلا سکتا ہوں، زبیر نے کہا تو فضا نے اسے گھور کر دیکھا، یوں بھی تقریب کا اختتام ہو گیا۔

اگلے دن ان کی اور کاشف کی روانگی ایک ہی وقت میں تھی، لہٰذا یہ لوگ راولپنڈی کی طرف روانہ ہو گئے اور کاشف لندن چلا گیا، ہاسٹل میں ایک کمرے میں تینوں لڑکیاں ایک ساتھ تھیں اور پانچوں لڑکے ایک ساتھ، ایک کمرے میں تھے، یوں ہی ہنستے کھیلتے وقت گزرتا رہا۔

ایک دن پورا گروپ کینٹین میں کھانے پینے میں مصروف تھا کہ ان کے کلاس کا ایک لڑکا قاسم بھاگتا ہوا آیا۔

یار حارث تمہیں پرنسپل صاحب بلا رہے ہیں، قاسم نے آتے ہی اطلاع دی۔

کہیں کوئی شکایت تو نہیں لگی، حارث نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

پتا نہیں، مجھے تو کچھ نہیں کہا، قاسم نے کندھے اچکا کر کہا۔

حارث دھڑکتے دل کے ساتھ دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مے آئی کم اِن سر! حارث نے دروازہ کھول کر کہا۔

یس! آؤ بیٹھو بیٹا! ایک چھوٹا سا کام ہے تم سے، ہمارے یونیورسٹی کا میگزین جو ہے اس میں سوات، وزیرستان وغیرہ کے آپریشن کے بارے میں کچھ حقائق چھاپنے تھے، وہاں کے حالات کے بارے میں تو تم اچھی طرح واقف ہو، اب ایک ایسی ٹیم چاہیے جو وہاں کے نقصانات ہیں، ان کے بارے میں وہاں جا کر رپورٹ کرے، اس بارے میں میرا نظر انتخاب تم پر ٹھہرا ہے، ماشاء اللہ تم کافی باصلاحیت نوجوان ہو اور گروپ بھی تمہارا کافی باصلاحیت ہے، تو تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ پرنسپل صاحب نے جواب طلب نگاہوں سے اسے دیکھا۔

سر! میں پہلے اپنے گروپ کے افراد سے اور امی ابو سے مشورہ کر لوں تو پھر میں آپ کو جواب دے دوں گا، حارث نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے تم مشورہ کر لو، پھر کل تک مجھے جواب دے دینا۔

جی سر! اتنا کہہ کر حارث باہر نکل آیا، گروپ کے افراد کو کیا عذر ہو سکتا تھا، مفت میں سوات کی سیر کا موقع مل رہا تھا تو اس سے اچھا اور کیا ہو سکتا ہے اور جمال صاحب اور شگفتہ کی طرف سے گرین سگنل ملتے ہی حارث نے پرنسپل کو اپنی رضامندی سے آگاہ کر دیا۔

انہیں ایک مہینے کا ٹاسک دیا گیا تھا، جس میں انہیں سوات میں جنگ کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگانا تھا، پرنسپل صاحب نے انہیں سارا کام سمجھا دیا، پھر وہ سوات کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں ایئرپورٹ پر اترتے ہی ایک آدمی ان کی طرف بڑھا اور کہا، آپ لوگ سردار شوکت علی خان کے مہمان ہیں، اس نے استفسار کیا۔

جی! حارث نے جواب دیا۔

میں ان کا خادم ہوں، آئیں گاڑی میں بیٹھیں، پھر گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے، گاڑی ایک پکی سڑک پر چل رہی تھی، جس کے اطراف میں درختوں کی قطار تھی، چلتے چلتے گاڑی ایک کچے راستے کی طرف مڑ گئی، جس میں شیب و فراز بہت زیادہ تھا، ہر طرف دلربا قدرتی مناظر اپنی بہار دکھا رہے تھے، کہیں خوب صورت باغ، تو

کہیں بلند و بالا سرسبز پہاڑ، جن کے درمیان سے بہتے ہوئے آبشار ماحول میں ایک سُر سا رچا بسا کر رہے تھے، وہ اس ساری خوبصورتی کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے، انہیں لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ ان کی سرزمین ہے، انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ جنت میں آ گئے ہوں، بے شک وہ اسلام آباد کے خوبصورت علاقوں میں رہنے والے تھے، لیکن اس حسن کے سامنے تو اسلام آباد کا حسن ہیچ تھا، پھر ان کی گاڑی ایک سرسبز پہاڑی کے اوپر بنی ہوئی ایک خوبصورت عمارت کے سامنے رکی، وہ گاڑی سے اتر آئے، سامنے ہی پرنسپل صاحب کے دوست سردار شوکت علی خان کھڑے تھے، انہوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور انہیں عمارت کے اندر لے گئے۔

یہ ہے میرا گیسٹ ہاؤس، جس میں آپ لوگوں کی رہائش ہوگی، میں نے ہوٹل میں اس وجہ سے انتظام نہیں کیا، کیونکہ ہوٹل میں شور شرابہ بہت ہوتا ہے، یہ آبادی سے ہٹ کر پرسکون جگہ ہے، آپ لوگ آسانی سے اپنا کام کر سکیں گے، کچن میں کھانے کا تمام سامان موجود ہے، یہ چوکیدار ہر وقت باہر ہی رہے گا، جب کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بلوا لینا یا چوکیدار کو بتا دینا اور ایک گائیڈ سے میں نے بات کر لی ہے، وہ آپ کو مطلوبہ مقامات دکھا دے گا، میں یہاں سے جا کر اس کا کارڈ آپ لوگوں کے پاس بھجوا دیتا ہوں، جب کبھی اس کی ضرورت پڑے تو کارڈ پر موجود نمبر پر فون کر کے اسے بلوا لینا، سردار صاحب نے وضاحت سے انہیں ہدایات دیں۔

شکریہ سردار صاحب! حارث نے مشکور ہو کر کہا۔

یار بہت ہی خوبصورت جگہ ہے، سردار صاحب کے جاتے ہی گلو بھائی نے کہا۔

ویسے ایک بات بتاؤں؟ مجھے یہ حویلی کسی بھوت بنگلے سے کم نہیں لگتی، آبادی سے بھی دور ہے اور کافی عرصے سے خالی بھی، ایسی جگہوں پر آسیب کا سایہ ہوتا ہے، فیضی نے پراسرار لہجے میں کہا۔

فیضی کے بچے، ڈراؤ تو نہیں، فضا کی آنکھیں نکل آئیں۔

ڈرو ورو نہیں، تم لوگ خود ہی بھوت ہو، بھوت دیکھے گا کہ میرے بہن بھائی یہیں ہیں تو وہ نہیں آئے گا، بلکہ تم لوگوں سے پناہ مانگے گا، اسامہ نے کہا۔

گیسٹ ہاؤس کافی بڑا تھا، ایک بڑا سا ہال، جس کے ایک طرف ڈرائنگ روم تھا، ڈرائنگ روم کے دائیں طرف کچن تھا، کچن کے پاس سے نیچے کی طرف سیڑھیاں جاتی تھی جہاں تہہ خانہ اور لائبریری تھی، ان سیڑھیوں کے بائیں طرف ایک لمبا سا راستہ تھا، جس کے اطراف میں کئی کمرے تھے، باہر ایک بہت بڑا اور خوبصورت لان تھا، جس میں ہر قسم کے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔

سب الگ الگ کمروں میں رہو گے حارث نے پوچھا۔

نن..... نن..... نہیں، سب ایک ساتھ رہیں گے، زبیر نے خوف والے لہجے میں کہا، ہاں ہم لڑکیاں بھی ایک کمرے میں رہیں گے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، سارہ نے کہا۔

سب ہی ڈرپوک ہو، ٹھیک ہے ہم لڑکے ایک ساتھ ایک کمرے میں رہیں گے اور تم لڑکیاں ایک کمرے میں رہو، حارث نے کہا۔

سب ہال کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔

ملکی چائے بنا کر لاؤ نا، سر میں درد ہو رہا ہے، اسامہ نے معصومیت سے کہا تو ملائیکہ نے کشن اس پر پھینکا اور کچن کی طرف چلی گئی، تھوڑی دیر بعد وہ کچن سے چیختی ہوئی آئی۔

چھپکلی، اوہ چیخ رہی تھی۔

کہاں ہے، کہاں ہے، زبیر کشن زمین پر مارنے لگا۔

یہاں نہیں، کچن میں، ملائیکہ نے غصے سے کہا۔

چلو جاؤ زبیر، مار کر آؤ، حارث نے صوفے پر نیم دراز ہو کر حکم جاری کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مم..... مم..... میں مارتو لوں، لیکن بچارا معصوم ہے، میں اسے کیسے قتل کروں؟ زبیر نے ڈر کو چھپاتے ہوئے کہا۔

ڈرپوک، کبھی کام کے بھی نہیں ہو، میں خود جارہا ہوں، چھپکلی سے کشتی لڑنے، اسامہ یہ کہہ کر اٹھا، قریب سے لکڑی اٹھا کر کچن میں چلا گیا اور کچن کا دروازہ اندر سے بند کردیا، آدھے گھنٹے بعد پسینہ پونچھتے ہوئے نکلا، بڑی ڈھیٹ تھی، میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی تھی، لیکن میں جیت گیا، اسامہ نے کہا۔

ویسے کہاں ہے، فضانے پوچھا۔

کھڑکی سے باہر باغیچے میں پھینک دی، جاؤ تل کر کھالو، کیلشیم کی کمی کے لئے مفید ہے، اسامہ نے کہا تو سب کے منہ بن گئے۔

ہاں..... ہاں..... چوکیدار کے اچانک اندر آنے سے سب ڈر کر چیخ پڑے۔

جان نکال دی، کم از کم دستک دے کے تو اندر آتے، گلو بھائی نے کہا۔

وہ یہ کارڈ ہے سردار صاب نے دیا ہے، اس نے کارڈ آگے بڑھایا اور چلا گیا۔

لو بھئی فضا، تمہارے لئے سردار صاحب کا لیٹر آیا ہے، زبیر نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

بدتمیز! وہ میرے باپ جتنا ہے، فضانے غصے سے کہا۔

ویسے کیا جوڑی ہے نا! اسامہ نے فوراً سنا دیا۔

تیری اور اس کی کیا ہے، جوڑی، وہ مصر کا ممتا تو مصر کی ممی، زبیر نے شاعرانہ لہجے میں کہا تو فضانے زور سے کشن اسے مارا۔

بے چارے میں کیا کمی ہے؟ آنکھیں جیسے بٹن، ناک جیسے انرجی سیور، مونچھیں تو ایسی پھیلی ہوئیں کہ جب بولتے ہیں تو غور کرنا پڑتا ہے کہ وہ کہاں سے بول رہے ہیں؟ زبیر نے سردار صاحب کا پوسٹ مارٹم کرڈالا۔

بہت بدتمیز ہو تم زبیر! حارث نے ہنستے ہوئے کہا۔

پھر تھکاوٹ کی وجہ سے وہ جلدی ہی سو گئے، رات کے کسی پہر اسامہ کی آنکھ کھلی تو پیاس کی وجہ سے اس کا حلق سوکھ گیا تھا، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو سب بے خبر سو رہے تھے، فریج چونکہ باہر ہال میں رکھا ہوا تھا، ایسی جگہوں پر آسیب کا سایہ ہوتا ہے، فیضی کی بات اس کے ذہن میں گھومنے لگی، آخر مشکل سے وہ ہمت کر کے باہر آگیا، ہال میں آکر اس نے فریج کھولا اور پانی کی بوتل نکال کر پانی پینے لگا، پانی پیتے ہوئے اس کی نظر اچانک سامنے والی دیوار پر پڑی، ایک لمبا سا سایہ تھا اور اس کے بال کھڑے تھے، ہاں، ں، وہ چیخ کر گلاس پھینک کر اندر کی طرف بھاگا۔

ہاں..... زبیر جو پانی پینے کے لئے باہر آیا تھا، اس نے اسامہ کو چیختے ہوئے دیکھا تو وہ بھی چیختا ہوا اس کے ساتھ بھاگنے لگا، دونوں چیختے ہوئے کمرے میں آئے، اس اچانک افتاد سے فیضی، حارث اور گلو بھائی بھی جاگ گئے، فیضی اور حارث نے جب ان کے منہ سے بھوت کا لفظ سنا تو دونوں بھی چیخنے لگے، پھر سب چیختے ہوئے گلو بھائی سے چمٹ گئے۔

ارے! کیا میں تم سب کا باپ لگتا ہوں، جو مجھ سے لپٹ رہے ہو، گلو بھائی نے انہیں دھکا دیتے ہوئے کہا۔

وہ..... وہ..... میں پانی پی رہا تھا تو ایک سایہ نظر آیا، اسامہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

زبیر! کیا تم نے دیکھا ہے اس سائے کو؟ حارث نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

نہیں..... میں غنودہ سے اٹھا تو مجھے پیاس لگ رہی تھی، لیکن میں ڈر کی وجہ سے باہر نہیں گیا، پھر میں نے اسامہ بھائی کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تو میں بھی باہر نکل آیا، لیکن جیسے ہی میں ہال میں داخل ہونے لگا، اسی وقت اسامہ بھائی چیخنے لگے، تو میں بھی چیخ کر بھاگنے لگا، زبیر نے معصومیت سے ساری کہانی سنائی۔

.....(جاری ہے)

حضرت سلمان فارسیؓ



محمد سعید علوی

یہ کہانی ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو عرصہ دراز تک حقیقت کی تلاش و جستجو میں اس کے پیچھے بھاگتا اور طویل مدت تک خدا کی یافت کے لئے سرگرداں و پریشان رہا۔ یہ حضرت سلیمان فارسیؓ کا قصہ ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔ یہ بات ہم انہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اپنے اس قصے کے واقعات و حوادث کو اپنی زبان سے بیان کریں، کیونکہ اس معاملے میں ان کا شعور نہایت گہرا اور ان کا بیان زیادہ مبنی برصداقت ہے، حضرت سلمانؓ اپنی کہانی کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں: اصفہان کی ایک بستی "جیان" کا رہنے والا ایک ایرانی نوجوان تھا، میرے والد اس گاؤں کے زمیندار، اس کے باشندوں میں سب سے زیادہ مالدار اور سماجی لحاظ سے سب سے بلند مقام و مرتبہ کے مالک تھے، وہ میرے روز پیدائش ہی سے میرے ساتھ غیر معمولی محبت رکھتے تھے اور ان کی یہ محبت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اور اس میں شب و روز ترقی و اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے نقصان پہنچنے کے موہوم خطرات کے پیش نظر انہوں نے لڑکیوں کی طرح میرے گھر سے نکلنے پر سخت پابندی عائد کردی، میں نے اپنے آبائی مذہب مجوسیت کا علم حاصل کرنے اور اس کے احکام و فرائض پر عمل کرنے میں غیر معمولی محنت اور دلچسپی سے کام لیا اور ترقی کر کے آتش کدہ کا سرخیل ہوگیا اور شب و روز اس کو روشن رکھنے کی ذمہ داری میرے سپرد کردی گئی، میرے والد کے پاس کافی زمین تھی، جس سے بڑی مقدار میں غلہ حاصل ہوتا تھا، زمین کا انتظام اور فصلوں کی دیکھ بھال بذات خود کرتے تھے، ایک بار کسی مصروفیت کی وجہ سے وہ گاؤں نہیں جاسکے، اس لئے مجھ سے کہا کہ بیٹے تم دیکھو، ہو کہ اپنی مصروفیت کے سبب سے میں کھیت پر نہیں جاسکتا، آج میری جگہ تم وہاں چلے جاؤ اور اس کی نگرانی کرو، والد صاحب کی ہدایت کے مطابق کھیت پر جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ راستے میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا کی طرف سے ہوا، اس وقت گرجا میں نماز ہو رہی تھی، ان کی آواز کانوں میں پڑی تو میری توجہ ان کی طرف مبذول ہوگئی، چونکہ میرے والد نے گھر سے نکلنے اور ان لوگوں کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنے پر پابندی لگا دی تھی، اس لئے میں نصاریٰ اور دیگر اہل مذہب کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا، چنانچہ جب میں ان کی آواز سنی تو یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، گرجا میں داخل ہوگیا، جب میں نے غور سے دیکھا تو ان کی عبادت اور نماز کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اور میرے اندر ان کے مذہب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رغبت پیدا ہوگئی، میں نے دل میں کہا، بخدا ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے، پھر میں غروب آفتاب تک ان کے ساتھ رہا، میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کی اصل شام میں ہے، جب رات کو گھر واپس آیا تو میرے والد مجھ سے ملے اور انہوں نے میری کارگزاریوں کی روداد پوچھی، میں نے کہا، ابا جان! میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف ہوا جو کنیسہ میں نماز پڑھ رہے تھے، مجھے ان کا طریقہ عبادت بہت پسند آیا اور میں غروب آفتاب تک ان کی صحبت میں رہا، میرے اس عمل سے والد صاحب بہت گھبرائے اور انہوں نے کہا کہ بیٹے! اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے، تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین اس سے بہتر ہے، میں نے کہا، ہرگز نہیں، خدا کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے، میری بات سن کر والد صاحب کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں میں اپنے دین سے پھر نہ جاؤں، چنانچہ انہوں نے مجھے گھر میں قید کر کے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں، موقع پا کر میں نے نصاریٰ کے یہاں پیغام بھیجا کہ اگر شام جانے والا کوئی قافلہ تمہارے پاس پہنچے تو مجھے آگاہ کر دینا، خوش قسمتی سے چند ہی روز کے بعد شام جانے والا ایک قافلہ ان کے پاس پہنچ گیا اور انہوں نے مجھے اس کی اطلاع کر دی، میں نے کوشش کر کے اپنے آپ کو بیڑیوں سے آزاد کیا اور چپکے سے ان کے ساتھ شام پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر میں نے دریافت کیا کہ دین مسیحیت کا سب سے افضل آدمی کون ہے، مجھے بتایا گیا کہ وہ پادری جو گرجا کا متولی و منتظم ہے، اس وقت کا سب سے افضل اور بہتر نصرانی ہے، چنانچہ میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”میں نصرانیت کی طرف مائل ہوں، چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس رہوں، آپ کی خدمت کروں، آپ سے اس کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں، اس نے میری درخواست قبول کر لی اور مجھے اپنے ساتھ قیام کی اجازت دے دی، چنانچہ میں اس کے ساتھ گرجا میں رہنے اور اس کی خدمت کرنے لگا، لیکن چند ہی روز رہنے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ اپنے اخلاق و عادات اور اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے، وہ اپنے معتقدین کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور ثواب کی خوشخبری سناتا، جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اسے مال دیتے تو وہ سب کچھ اپنے لئے جمع کر لیتا، فقراء و مساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا، یہاں تک کہ دھیرے دھیرے اس کے پاس کافی دولت جمع ہوگئی اور اس کے یہاں سونے سے بھرے ہوئے سات گھڑے اکٹھا ہوگئے، اس کا یہ روپیہ دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہوگئی، کچھ دنوں کے بعد جب اس کا انتقال ہوگیا اور نصاریٰ اس کی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہوئے تو میں نے ان کو بتایا کہ یہ بہت برا شخص تھا، تم لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا، مگر تمہاری دی ہوئی پوری کی پوری رقم اپنی ذات کے لئے جمع کر لیتا تھا، اس میں سے تمہیں جو اور ضرورت مندوں کو ایک حصہ نہیں دیتا تھا، انہوں نے کہا کہ تم کو کیسے معلوم؟ میں نے کہا، میں تم کو اس کا خزانہ دکھاتا ہوں اور میں نے وہ جگہ دکھائی، انہوں نے وہاں سے سات گھڑے نکالے جو سونے چاندی سے پُر تھے، یہ دیکھ کر انہوں نے کہا: ”بخدا ہم اس کو ہرگز دفن نہیں کریں گے۔“ پھر انہوں نے اس کی لاش کو صلیب پر لٹکا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی، اس کے چند روز بعد انہوں نے اس جگہ ایک دوسرے شخص کو مقرر کر دیا اور میں اس کی صحبت میں رہنے لگا، میں نے دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا، جو اس سے زیادہ دنیا سے بے نیاز، آخرت کا مشتاق اور عبادت کا پابند ہو، میں اس سے غیر معمولی محبت کرنے لگا اور ایک مدت تک اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے عرض کیا۔ ”محترم! میرے لئے آپ کی کیا وصیت ہے؟ آپ مجھے اپنے بعد کس کی صحبت اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟“

”بیٹے! اپنے علم کی حد تک میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں، جو اس دین پر قائم ہے، جس پر میں قائم تھا، وہ فلاں شخص

ہے جو موصل میں رہتا ہے، اس نے صحیح دین میں کوئی تو تحریف نہیں کی ہے، حق اب صرف اسی کے پاس ہے۔“ اس نے جواب دیا، جب میرے مرشد کا انتقال ہوگیا تو میں موصل پہنچا اور اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو اپنی پوری سرگزشت سے آگاہ کر دیا، میں نے اسے بتایا کہ فلاں بزرگ نے اپنی موت کے وقت مجھے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کی تھی، انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ اب صرف آپ ہی اس دین پر قائم ہیں جس پر وہ خود تھے میری بات سن کر انہوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور میں وہاں رہنے لگا، میں نے ان کو بہترین حالت پر پایا، لیکن بدقسمتی سے میں زیادہ دنوں تک ان کی صحبت سے استفادہ نہ کر سکا، ان کی موت کا بروقت بہت جلد آ گیا، جب ان کے انتقال کی گھڑی قریب آ گئی تو میں نے عرض کیا۔ ”محترم! آپ کا وقت موعود آ گیا ہے اور آپ میرے مسئلے سے بخوبی واقف ہیں، اب آپ کی طرف سے میرے لئے کیا وصیت ہے، مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرماتے ہیں؟“ میری بات سن کر انہوں نے فرمایا۔ ”بیٹے مجھے نہیں معلوم کہ ”نصیبین“ کے فلاں شخص کا سا کوئی دوسرا آدمی اس دین پر باقی ہے، بس تم لوگ ہیں، بس تم وہیں جاؤ اور اس کی صحبت اختیار کرو۔“ اس بزرگ کی تجہیز و تکفین کے بعد میں نصیبین والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اپنے حالات اور اپنے مرشد کی ہدایت سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر رضامندی ظاہر کی اور میں ان کے پاس مقیم ہوگیا، میں نے دیکھا کہ وہ اسی حق پر قائم ہیں جس پر پہلے دونوں بزرگ تھے، لیکن مجھے ان کی صحبت میں رہتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کا وقت بھی پورا ہوگیا، جب ان کی موت کا وقت آ گیا تو میں نے ان سے کہا کہ ”آپ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے، آپ جانتے ہیں کہ میرا مقصد کیا ہے، جس کے لئے میں دربدر کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں، اب آپ بعد میں آپ مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرما رہے ہیں؟“

انہوں نے جواب دیا کہ ”بیٹے! میری معلومات کی حد تک اب روئے زمین پر صرف ایک شخص رہ گیا ہے، جو اس دین حق پر قائم ہے، وہ فلاں شخص ہے جو ”عموریہ“ میں رہتا ہے، میرے بعد تم اسی کے پاس چلے جانا۔“ میں ان کی ہدایت کے مطابق ”عموریہ“ پہنچا، تمام حالات و واقعات سے انہیں باخبر کیا اور بزرگ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمت میں قیام کی اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دے دی اور میں ان کے ساتھ رہنے لگا، بخدا وہ مذکورہ بزرگوں کے طریقے پر قائم تھے، میں ان کی صحبت سے مستفیض ہونے لگا، ان کے یہاں رہتے ہوئے میں نے کچھ گائیں اور بکریاں پالیں، جب ان کی موت کا وقت آ پہنچا تو میں نے ان سے کہا۔ ”آپ میرے معاملے سے اچھی طرح واقف ہیں، میرے بارے میں کس کو وصیت کر رہے ہیں اور مجھے کیا حکم دے رہے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ”بیٹے! خدا میرے علم کی حد تک روئے زمین پر اب ایسا کوئی شخص نہیں بچا ہے جو اس دین پر قائم ہو، ہاں ایک نبی ہیں جو سرزمین عرب میں ایک نبی دین ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوگا، پھر وہ اپنے وطن سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا جو حرتین کے درمیان واقع ہے اس کی چند واضح نشانیاں ہیں، وہ ہدیہ قبول کرے گا، صدقہ نہیں کھائے گا اور اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر ہو سکے تو تم اسی علاقے میں چلے جاؤ۔“ ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک میں عموریہ میں مقیم رہا، ایک دن ادھر سے کچھ عرب تاجروں کا گزر ہوا جو قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ عرب لیتے چلو تو میں تمہیں اپنی ساری گائیں اور بکریاں دے دوں گا، وہ تیار ہوگئے اور میں نے اپنے جانوروں کے حوالے کر دیئے، جب قافلہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک مقام ”وادی القریٰ“ پر پہنچا تو انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب میں ایک سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی حیثیت سے اس کی خدمت کرنے لگا، کچھ عرصہ بعد بنو قریظہ کا ایک یہودی اس کے یہاں آیا اور مجھے خرید کر اپنے ساتھ "یثرب" لے گیا، میں نے وہاں کھجوروں کے پیڑ دیکھے، جن کا ذکر عمور یہ والے بزرگ نے کیا تھا، اس کی بیان کردہ علامتوں کی مدد سے میں نے مدینہ کو پہچان لیا، اب میں اپنے نئے یہودی آقا کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگا، اس وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے اور اپنی قوم میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے، اس دوران اپنی غلامی کی مصروفیات اور ندیم الفرصتی کے سبب ان کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہیں کر سکا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور چڑھا ہوا کام کر رہا تھا، میرے آقا اسی درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اتنے میں اس کے قبیلے کا کوئی شخص آیا اور کہنے لگا، اللہ تعالیٰ قبیلہ کو ہلاک کرے، وہ سب قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو آج ہی مکہ سے ان کے یہاں پہنچا ہے اور خود کو نبی بتا رہا ہے۔" یہ سنتے ہی میرے اوپر بخار کی کیفیت طاری ہوگئی اور میرا پورا جسم کانپنے لگا، مجھے لگا ایسا لگا کہ میں آقا کے اوپر گر پڑوں گا، میں جلدی جلدی درخت سے اترا اور اس آدمی سے پوچھنے لگا۔ "ابھی تم کیا کہہ رہے تھے، ذرا وہ بات مجھے دوبارہ بتاؤ" اس پر میرا آقا غضبناک ہو گیا اور اس نے مجھے ایک گھونسہ مار کر کہا۔ "تمہیں اس سے کیا مطلب، چلو جا کر اپنا کام کرو۔" شام کو کچھ کھجوریں ساتھ لے کر، جو میں نے جمع کر رکھی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے کچھ غریب الوطن اور ضرورت مند ساتھی ہیں، یہ صدقے کی تھوڑی سی کھجوریں ہیں، میرے خیال میں آپ لوگ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے کہا، کھاؤ، مگر خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا، یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔ "یہ پہلی علامت ہے" اس کے بعد میں واپس چلا آیا اور پھر کھجوریں پس انداز کرتا رہا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینے آئے تو میں نے دوبارہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ "اس روز میں نے دیکھا کہ آپ نے صدقے کی کھجور نہیں کھائیں، اس لئے آج یہ تھوڑی سی کھجوریں ہدیۃً خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں میں سے خود بھی کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی شریک کیا، یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔ "یہ دوسری نشانی ہے" تیسری بار جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بقیع میں تشریف فرما تھے، وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ کے جسم پر دو چادریں تھیں، میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آ گیا کہ شاید میں وہ خاتم نبوت دیکھ سکوں، جس کو مدینہ میں میرے مرشد نے بتایا تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی پشت مبارک کی طرف نظر اٹھائے ہوئے دیکھا تو میرا مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر سرکا دی، میں نے خاتم نبوت کو دیکھا، اسے پہچانا اور جھک کر اسے بے ساختہ چومنے لگا، اس وقت میری آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری تھے، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟" اور میں نے اپنی پوری سرگزشت بیان کر دی جس کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور اس بات سے خوش ہوئے کہ آپ کے اصحاب نے میری زبان سے میری تلاش حق کی داستان سن لی، ان لوگوں نے بھی اس پر انتہائی حیرت استعجاب کا اظہار کیا اور بے حد مسرور ہوئے، سلام ہو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جس روز وہ تلاش حق کی راہ میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام ہو ان پر جس روز وہ حق سے آگاہ ہوئے اور سلام ہو ان پر جس روز وہ مرے اور جس روز زندہ کر کے دوبارہ اٹھائیں جائیں گے۔

☆.....☆.....☆

انجان مجرم

فائزہ صدیقی

"مما آج تو آپ میرے اسکول آئیں گی نا، مجھے یقینی ہے کہ آج آپ ضرور آئیں گی، کیونکہ آج تو میرا رزلٹ ہے اور دیکھنا میں اس مرتبہ بھی شور فرسٹ پوزیشن لوں گی، پر آپ وعدہ کریں کہ آپ ضرور آئیں گی۔" تیرہ سالہ ابیہ نے معصومیت سے اپنی مما سے التجا کی تھی۔

"بہت بولتی ہو تم ابیہ، کم بولا کرو لڑکی۔" مسز احمر نے بس اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا، ابیہ اپنی مما کی طرف سے کوئی خاص جواب نہ پا کر کچھ اداس سی ہوگئی، اس نے خود ہی اپنا سے اطمینان دلایا اور اسکول جانے کے لئے کھڑی ہوگئی، اس نے اپنی مما کی طرف ایک مرتبہ پھر دیکھا اور التجایانہ انداز میں مخاطب ہوئی۔

"مما پلیز اس مرتبہ آپ میرا رزلٹ لینے ضرور آنا، میری ساری کلاس فیلوز کی مما آتی ہیں، ان کا رزلٹ لینے انہیں گفٹ بھی دیتی ہیں اور اگر آج آپ نہ آئیں تو میں آپ سے کبھی نہیں بولوں گی۔"

"اچھا بابا، آجاؤں گی، خوش۔" مسز احمر نے مسکرا کر ابیہ کو دیکھا تو ابیہ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

☆.....☆.....☆

سب بچوں کے والدین رزلٹ لینے اسکول آ چکے تھے، ابیہ بے چینی سے اپنی مما کا انتظار کر رہی تھی، اس کی پیاری پیاری آنکھیں اپنی مما کو تلاش کر رہی تھی، مگر مسز احمر کو نہ آنا تھا اور نہ وہ آئیں، وہ اپنی بہت ضروری میٹنگ کو چھوڑ کر نہیں آئیں اور یہاں ابیہ انتظار کر کے تھک گئی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہتی چلی گئی، وہ بہت پر امید تھی، مگر اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

☆.....☆.....☆

کسی نرم سے ہاتھ نے ابیہ کا کندھا ہلایا۔ "جائیں ابیہ کیا آپ اپنا پرائز نہیں لیں گی۔" مس سدرہ نے مسکرا کر ابیہ کو دیکھا جس پر ابیہ حرکت میں آئی اور بے دلی سے میڈم کے ہاتھ سے ٹرافی لے کر خاموشی سے اپنی جگہ پر واپس آ گئی، اسے اپنے گرد ہونے والے شور شرابے کی پروا نہ تھی، نہ ہی اسے تالیوں کی آواز نے خوش کیا، نہ میڈم کی تعاریف نے اس کی خوشی کیا۔

☆.....☆.....☆

آج بھی حسب معمول احمد بابا ہی ابیہ کو لینے آئے تھے، ابیہ کے ہاتھ میں ٹرافی تھی، جبکہ چہرے پر اداسی ہی اداسی تھی، احمد بابا نے اس سے اداسی کی وجہ پوچھی تو وہ مزید صبر نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، پورے راستے ابیہ روتی رہی اور احمد بابا کو اپنی داستان غم سناتی رہی، اس طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے اپنے دل کا کچھ بوجھ آنسوؤں کے ذریعے بہادیا۔

☆.....☆.....☆

ابیہ نے گھر جا کر خالی خالی گھر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا، اس کا دل چاہا کہ اپنی مما کو فون کر کے ان سے لڑے، جھگڑے، ان سے پوچھے کہ وہ کیوں نہ آئیں؟ ان کے پاس اس کے لئے کیوں وقت نہیں ہے؟ وہ کیوں اسے پیار نہیں کرتیں؟ انہوں نے ابیہ سے جھوٹ کیوں بولا؟ اور نہ جانے کتنے سوالات تھے جو وہ اپنی ماں سے کرنا چاہتی تھی، مگر وہ ایک لفظ نہیں بولی اور اپنے کمرے میں چلی گئی، ابیہ خالی خالی نظروں سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور اچانک غصے میں آکر ٹرافی اپنی پوری قوت سے کھڑکی سے باہر پھینک دی۔

☆.....☆.....☆

"یہ لڑکی آجائے، ذرا میں اسے سیدھا کرتی ہوں، آخر سمجھ کیا رکھا ہے اس نے، آج مجھے اس کی وجہ سے کتنی ذلت اٹھانی پڑی، مجھے مسز اجرم کو، یہ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے اب باتیں سنائیں گے۔" مسز اجرم غصے سے لال ہو رہی تھیں، ان کے دماغ میں بار بار گھر کی ملازمہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

"بیگم صاحبہ! وہ میں نے سوچا کہ آپ کو بتادوں آپ برا نہ مانئے گا، وہ آج میں نے ابیہ بی بی کو سگریٹ پیتے دیکھا تھا، بیگم صاحبہ وہ آپ کی توجہ چاہتی ہیں، آپ انہیں توجہ دیں تو وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" اور یہ الفاظ کسی بچھو کی طرح مسز اجرم کو ڈس رہے تھے، وہ غصے اور غرور کے ملے جلے انداز میں لان میں ٹہل رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"ابیہ!" مسز اجرم کی غضبناک آواز نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا اور اس کی حیرت بجا بھی تھی، کیونکہ اول تو اس کی مما اس سے بات ہی بہت کم کرتی تھیں اور اگر کرتیں بھی تو غصے میں کبھی بھی نہ کرتیں۔

"جی مما" ابیہ نے حیرت اور اکتاہٹ کی ملی جلی کیفیت میں ان کی طرف دیکھا، بہت بے زار انداز تھا، اس کا جس نے مسز اجرم کے غصے کو دوبالا کر دیا تھا اور شدید غصے کی وجہ سے مسز اجرم کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"یہ کس بات کی سزا دے رہی ہو تم مجھے، مجھ سے اتنی بے پروائی کیوں دکھا رہی ہو تم۔"

"میں نے آپ کو کیا کہا ہے مما!" ابیہ جان چھڑانے والے انداز میں مخاطب ہوئی، مسز اجرم نے اسے روکنا چاہا، مگر اس نے یہ کہہ کر کہ مما ابھی میں تھکی ہوئی ہوں، بعد میں بات کیجئے گا، اپنے کمرے کا رخ کر لیا اور مسز اجرم کو انگاروں پر سلگتا چھوڑ گئی، مسز اجرم جنہیں کوئی انور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اپنی بیٹی کی یہ بے پروائی دیکھ کر شدید کوفت کا شکار ہو گئیں، ان سے ابیہ کا یہ رویہ برداشت نہ ہو رہا تھا، مگر پھر کچھ شروع کر دہ خاموش رہیں اور ان کے ضمیر نے ان کو ملامت کرنا شروع کر دیا۔

"ہاں مسز اجرم تم اسی رویے کے قابل ہو جو اس کو تمہارے سہارے کی ضرورت تھی تو تم دولت جمع کرنے میں لگی رہی، باپ اس کی توجہ کیوں حاصل کرنا چاہتی ہو، جب وہ تمہاری منتظر تھی تو تم نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، وہ تم سے پیار چاہتی تھی تو تم نے اس کو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ تم بھی اس سے پیار کرتی ہو، ایسا کیوں کیا تم نے.....؟ اب وہ کیوں جواب دے گی تمہارا، تم کس منہ سے اس سے پوچھو گی اس کے اس رویے کی وجہ؟ اگر تم نے اسے اپنے پیار کا سہارا دیا ہوتا تو وہ آج سگریٹ جیسی چیز کا سہارا کبھی نہ لیتی، اتنی قابل اور ہونہار بچی کی تمام خوبیاں تم نے خاک میں ملا دیں، تم اس کی مجرم ہو۔" مسز اجرم کا ضمیر انہیں کہیں چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

"پر اب مجھے ہی اس کو صحیح راستے پر لانا ہے، وہ مجھے اس کی اصلاح کرتی ہے، اسے سہارا دینا ہے۔" مسز اجرم بہت پر عزم لہجے میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی اور آخر وہ ابیہ کو سہارا دینے اس کی اصلاح اور اپنی بھی اصلاح کرنے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔

پشپا (جمیلہ) کا قبول اسلام

میرے والد کا نام شیو رام بھگت تھا، والدہ کا نام سوہی بائی تھا، میرا تعلق پنجاب کے راج پورہ ضلع بھیالہ کے بھگت خاندان سے تھا، ہم لوگ تین بہنیں تھیں، میرے اللہ کو مجھ سے پیار تھا اور میرے رب نے کرم کیا کہ ایمان کی دولت سے نوازا اور کفر کو مجھ سے دور کیا اور بظاہر مسلم عورت کی ستر پوشی میرے اسلام لانے کا سبب بنی، ہمارا گھرانہ غریب تھا، میری والدہ کی بہن کی شادی ایک بڑے گھرانے میں ہوئی، جب میری شادی ہوئی، اس وقت میری عمر 20 سال تھی، میری خالہ نے سوچا کہ میری بھانجی بھی بڑے گھر میں آجائے، اس لئے انہوں نے اپنے دیور کے بیٹے سے جو کہ سی آئی آفیسر تھے، میری شادی کرادی، میری والدہ امیر غریب کے خوف کی وجہ سے شادی پر آمادہ نہ تھیں، ایک طرح سے زبردستی یہ شادی کرائی گئی، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ جن سے میرا بندھن بندھا ہے، وہ بے حد لاپروا اور شرابی ہیں، سسرال میں میرا حال تو نوکر سے بھی بدتر تھا اور میں کٹھ پتلی کی طرح سسرال میکے میں گھمائی جاتی۔ ۱۹۷۰ء میں میری شادی ہوئی اور ۱۹۷۳ء میں میرا بیٹا پیدا ہوا، اس وقت میں بے حد سنگین رسیدہ حالت میں اسپتال میں تھی، میری ماں نے بھی میری پروا چھوڑ دی، بے چاری کیا کرتی، حالات ہی ایسے تھے، میں نے لوگوں کے جھاڑو برتن کئے اور ایسے حالات میں اللہ نے دو بیٹے اور ایک بیٹی کی مجھے ماں بنا دیا، اللہ نے مجھے دماغ بہت تیز دیا ہے، میں نے ۱۹۸۰ء میں سلائی کڑھائی کے کارخانے میں ۲۵۰ روپے ماہانہ تنخواہ پر کام شروع کیا، وہیں سے میرا اسلام سے تعلق جڑا، وہ کارخانہ کسی ہندو کا تھا، لیکن اس میں نوکر مسلمان تھے، میں ساڑی پہن کر کارخانے جاتی اور میرا بلاؤز بغیر آستین کے ہوتا تھا، مسلم ورکر بولے تھے: بہن جی، آپ ہمارا ایمان خراب کرتی ہیں! میں بولی: ایمان کیا؟ وہ بولے: ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہمارے یہاں مسلم عورت ستر پوش یعنی پوری ڈھکی چھپی رہتی ہے اور اس لئے مردوں کا ایمان بھی سلامت رہتا ہے اور عورتوں کا بھی، میں نے کہا کہ ایمان کیا ہے؟ بولے کہ ایک کلمہ ہے، وہ پڑھا جاتا ہے، میں بولی کہ وہ تو مسلمان عورتیں ہیں، اپنے دھرم کی وجہ سے کرتی ہیں، مسلم ورکر بہت دردمندی سے بولے کہ بہن جی، آپ چاہے جو بھی ہو، ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ بھی ہماری ماں بہنوں کی طرح کپڑے پہنو، میرے دل میں ان کے ایمان کی، ستر پوشی کی بات گھر کر گئی اور میں سوچنے لگی کہ کیسا اچھا ایمان ہے ان کا اور ان کے یہاں کس قدر عورت کی عزت کی جاتی ہے اور ان ورکرز کے ایمان کے اندر آنے کے لئے میرا دل بے قرار ہو گیا، اگلے دن میں نے کہا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھائی میں تمہارے ایمان میں آنا چاہتی ہوں، مجھے کیا کرنا ہوگا؟ بولے: ایک کلمہ ہے، وہ پڑھنا ہوگا۔ میں نے کہا: جلدی مجھے پڑھاؤ۔ بولے کہ ہم نہیں پڑھا سکتے، ہمارے بابا پڑھائیں گے اور وہ فلاں دن آتے ہیں، اب مجھے اس فلاں دن کا بے قراری سے انتظار رہنے لگا، خدا خدا کر کے وہ دن آ گیا، ایک بابا کارخانے میں تشریف لائے اور انہوں نے رومال پکڑا کر کہلوایا: لاالہ اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔ یہ اس زمانے کا میرا ایمان تھا، جیسے کہا، جو بتایا، میں نے کہا اور پڑھا اور بہت زمانے تک ہر وقت یہ ورد کرتی رہی۔

ادھر میں نے ساڑی کی جگہ سوٹ پہننا شروع کیا اور خود کپڑے ڈیزائن کرنا شروع کئے اور میرے ڈیزائن ڈریس کی بہت قیمت لگی، میں نے الگ سے مشین خریدی اور خود ڈیزائن کر کے ڈریس تیار کی اور بازار میں فروخت کی، میرا کاروبار چل نکلا۔ ۱۹۸۲ء میں اوکھلا فیز۔ ۲ میں، میں نے اپنے کارخانے کی بنیاد ڈالی اور الگ سے مسلم ورکرز رکھے، مجھے کمانے کی دھن لگ گئی اور اللہ نے قابل بنا دیا کہ نہر و نگر، نئی دہلی میں ۳ منزلہ ایک پورا کمپلیس خرید لیا، ہاں ایک اور بات یاد آئی، جب میں کارخانے میں کام کرتی تھی، بابا کو خانقاہ کی ضرورت تھی، میری ماں نے میرے نام ایک دکان کروی تھی، وہی ان کی کل جائیداد تھی، بابا کو خانقاہ کے لئے زمین کی ضرورت تھی، میں نے اپنی ماں سے کہا: وہ دکان کے کاغذات دے دو مجھے ایک مکان خریدنا ہے، میں نے ماں سے جھوٹ بولا، ورنہ ماں بھی کاغذ نہ دیتی، میں نے کاغذات لے کر وہ دکان اس زمانے میں ۱۲ ہزار کی فروخت کر دی، ۱۱ ہزار ان بابا کو خانقاہ کے لئے دے دیئے، ایک ہزار خود رکھے، اس وقت سروس کرتی تھی، ۲۵۰ روپے تنخواہ، تین بچے اور خود اور مکان کا کرایہ ایک ہزار کرایہ جمع کیا اور دہلی کوٹ پیٹیالہ ہاؤس میں جا کر باقی پیسے سے اسلام قبول کرنے کی کارروائی پوری کی، بس اس وقت اللہ کے نام پر دینے کی دھن سوار تھی، میں چاہتی تھی کہ ماؤں اور اللہ کے لئے لٹاؤں، مجھے کمانے کی دھن لگ گئی، نہر و نگر میں اللہ نے جائیداد دلوا دی، وہاں جو ورکرز کام کرتے تھے، وہ نماز نہ پڑھتے تھے، البتہ نماز کے بہانے جاتے اور باہر جا کر فلمیں دیکھنے چلے جاتے اور میں نمازیوں کو بھی کام دیتی تھی، بگرور کر چلا کی کرتے، میں نے سوچا، مجھے ایسی جگہ کارخانے کی تلاش کرنی چاہیے، جہاں مسجد کارخانے سے ملی ہوئی ہو، تب میں نے حاجی کالونی، غفور نگر (جامعہ نگر، دہلی۔ ۲۵) میں زمین خریدی اور کارخانہ ادھر شفٹ کیا، لیکن ادھر چونکہ میں اکیلی کام کرتی تھی اور مسلم ایریا میں مسجد کی وجہ سے شفٹ ہوئی تھی، تاکہ ورکر نماز ضرور پڑھیں اور دیر تک غائب بھی نہ ہوں کہ کارخانے میں کام کا نقصان نہ ہو، لیکن ادھر کے مسلمانوں نے مجھے بہت تنگ کیا کہ یہ کیسے مسلمان بنی ہے، لڑکوں سے کام کراتی ہے، طرح طرح کی باتیں، میرا ذہن پریشان ہو گیا، حتیٰ کہ میرا کارخانہ ٹھپ ہونے لگا اور میں بچوں کے پاس نہر و نگر چلی گئی، کام بالکل بند ہو گیا، میں غریبی میں چلی گئی، فاقے ہونے لگے، میں نے کترن بیچنا شروع کی اور پھر کچھ سہارا شروع ہوا، پھر کچھ اور اچھی مسلمان بہنیں ملیں، انہوں نے سہارا دیا، اسی طرح مولوی صاحب نے میری بڑی رہنمائی کی، انہوں نے مجھے اپنی ماں بنا لیا اور حقیقی ماں کی طرح میرا خیال رکھنے لگا، میں نے حاجی کالونی (جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵) میں پھر کارخانہ شروع کیا اور یہاں بھی میں نے عمارت بنالی اور خود بھی ادھر ہی شفٹ ہو گئی اور تب میں نے جانا کہ جس اسلام پر میں چلتی ہوں، قبر پرستی، وہ صحیح نہیں، کلمہ صحیح کیا ہے، اب معلوم ہوا، نماز یہاں آ کر سیکھی، قرآن کریم پڑھا، تبلیغی جماعت کی بہنوں سے میل جول پیدا کیا، میں نے جب نماز سیکھی اور اس کو ادا کیا تو سمجھ میں آیا کہ حدیث نبوی نماز مومن کی معراج ہے کا کیا مطلب ہے، نماز واقعی معراج ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا، میں روزے برابر رکھتی رہی، نمازیں بھی ادا کرتی، لیکن نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتی تھی، مجھے شوگر ہو گئی اور گھٹنوں نے کام کرنا بند کر دیا۔ جہاں میں رہتی ہوں، وہاں میرے ایسے پوشن ہیں کہ بآسانی کرائے دار بھی رکھتی ہوں، لیلۃ القدر آ گئی، سب لوگ کھڑے ہو کر نوافل میں مصروف تھے، میں بھی اس رات جاگ رہی تھی، پیروں کے درد کی وجہ سے اٹھ نہ سکتی تھی، کسی مسلم بہن نے بھی مجھے اس رات کے بارے میں کچھ خاص نہ بتایا اور میرا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ کوئی آئے، مجھے تسلی دے، اس رات کی عظمت کے بارے میں بتائے، میں ایسے میں کیسے عبادت کروں، کوئی میری مدد کرے، بھرپور بے بسی کی کیفیت طاری ہوئی، میں بیٹھے بیٹھے سجدے میں جا گری اور اسی طرح مالک کے سامنے آہ و فغاں کی، تڑپ تڑپ کر روئی، روتے روتے زور زور سے میری ہچکیاں لگ گئیں، مجھے کچھ ہوش نہ رہا، بس اللہ اور میں فریادی! میری یہ بے بسی کہ عبادت اور نماز بھی کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکوں، اس کا احساس ہوا کہ یکا یک مجھے لگا، میں کھڑی ہو سکتی ہوں اور میں سیدھی کھڑی ہو گئی اور اس رات میں نے کھڑے ہو کر خوب نماز ادا کی اور میں جو چلنے پھرنے سے معذور تھی، چلنے پھرنے لگی اور کئی سال تک میں ایسی رہی کہ مجھے کوئی بیماری نہیں تھی۔

میں نے فضائل اعمال پڑھنا شروع کی، جب میں نے یہ پڑھا کہ جس کا بیٹا حافظ قرآن ہو گا، آخرت میں اس بیٹے کی ماں کو تاج پہنایا جائے گا، میں تڑپ گئی کہ یا اللہ! اب میں کیا کروں! میرے دو بیٹے ہیں، ان کی شادی ہو چکی، بچے بھی ہو گئے، بس خود ہی مسلمان بنی رہی، لڑکے خاندانی حالت پر ہیں، ان کی شادی میں نے ہندو لڑکی سے کی اور مجھے پھر اس نعمت سے محرومی نے دکھی کر دیا، میں زار و قطار روئی کہ سب حافظوں کی ماؤں کو تاج پہنایا جائے گا، میرے لیے کوئی تاج نہ ہو گا، میرا کوئی بیٹا حافظ نہیں، ایک پڑوسن دین دار تھیں، میرے ہر وقت کے رونے کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ تم میرے بیٹے کو پڑھا لو، حافظ بنا لو، دوسروں نے کہا کہ کوئی غریب بچہ پڑھا لو، میں نے غریب بچے کی تلاش شروع کر دی، ایک بچہ جس کا نام احتشام تھا، اس کو پڑھانے کے لئے سہارن پور مدرسہ سوکڑی میں چھوڑا اور وہ الحمدللہ حفظ کر رہا ہے، پھر مجھے لوگوں نے کہا: ایسے تاج نہیں پہنایا جائے گا، آپ بن ماں باپ کا بچہ تلاش کرو، اس کو حفظ کراؤ، اب میں اور رونے لگی اور لگتا تھا کہ روتے روتے جان چلی جائے گی کہ ہائے محرومی! مجھے تاج نہ پہنایا جائے گا، اب میں نے کسی ہندو غریب کی جھگی جھونپڑی میں تلاش شروع کر دی، ایک بچہ اللہ نے مجھے ملایا، جو بن ماں باپ کا ہے، عبداللہ اس کا نام رکھا۔ اسے رائے پور سہارن پور کی طرف لے کر گئی اور اسے پڑھا رہی ہوں، ماشاء اللہ اس کا ۱۲ واں پارہ ہے، رائے پور میں پڑھ رہا ہے، دونوں بچوں کے لیے کپڑا خرچ وغیرہ لے کر جاتی ہوں، میرا پوتا میرے پاس رہتا ہے۔ ۱۲ سال کا ہے۔ اسے جو شمس والی مسجد میں بھیجا ہوا ہے، امین نام ہے، دعا کیجیے کہ وہ بھی حافظ ہو جائے، آمین! فضائل اعمال میں پڑھا کہ سود خور کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا کہ اس کے پیٹ میں سانپ بچھو ہوں گے، ہمارے یہاں ہفتے میں اجتماع ہوتا ہے اور میں پنجاب وغیرہ بھی جاتی ہوں، وہاں ہندو بہنیں میرا وعظ سنتی ہیں، چالیس دن میں، میں نے جب یہ سود والی حدیث سنائی تو ہندو ہوتے ہوئے بھی سب نے یقین کر کے وہاں سود لینا دینا چھوڑ دیا، اور وہ بے چین رہتی ہیں کہ اپنے دھرم کی اور بات بتاؤ، لوگ پیاسے ہیں، مجھے تو کچھ زیادہ معلومات نہیں، بس قرآن (ہندی ترجمہ) اور فضائل اعمال پڑھی ہے، مسلمان اگر آگے آئیں تو لوگ پیاسے کھڑے ہیں، ذرا سے اشارے کی دیر ہے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دامن اسلام میں آ جائیں گے۔

میرے شوہر نے ۲۵ سال سے میرا اور میرے بچوں کا کوئی خرچ نہیں اٹھایا۔ اب وہ پچھلے دنوں ریٹائر ہوئے اور انہوں نے فنڈ کے پیسے سے ایک فلیٹ خریدا اور حالات کچھ ایسے بنے کہ وہ فلیٹ انہیں گروی رکھنا پڑا، ناچار میرے نہرو نگر والے فلیٹ میں جہاں میرے دونوں لڑکے اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں، ان کو آنا پڑا، میں برابر سب رشتے داروں سے ملتی ہوں، جب کچھ دن باپ کو بیٹے اور بہو کے پاس رہتے ہو گئے تو بڑی بہو نے انہیں باہر کر دیا، اب یہ دوسرے بیٹے کے گھر میں گئے۔ دیکھتی کیا ہوں کہ ایک دن میری بڑی بہو ان کو کھانا ایسے دیتی ہے، جیسے کسی جانور کو ڈالتے ہیں، میں نے کہا: تم اس طرح سلوک کرتی ہو، اس طرح تو لوگ کسی جانور کو بھی نہیں دیتے ہیں۔

خیر میں حسب معمول خرچہ دینے کے لئے رائے پور حفظ کرنے والے بچے کے پاس گئی تو وہاں جامعہ اسلامیہ دہلی کا ایک بچہ گیا، وہ وہاں حفظ کر رہا ہے، رائے پور میں رہتا ہے، اللہ نے اسے دین پر لگایا ہے، وہ بولا: ماں جی! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے، میری سب کہانی کا حال اس نومسلم بچے نے اسے بتا دیا ہوگا، بولا: آپ کے شوہر ہندو ہیں، آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنے شوہر کو دین کی دعوت دیں، مجھے ان کے سلوک کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی تعلق محسوس نہ ہوتا تھا، میں نے کہا کہ بیٹے، وہ تو بہت بڑے شرابی ہیں، شراب کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے، وہ بچہ بولا کہ اماں، اگر آپ کو شراب کا گلاس بھر کر بھی دین کی دعوت دینی پڑے، تب بھی آپ دین کی دعوت دیں، یہ دعوت دینا بہت ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، آپ ایسے بھی جذبے والی ہیں، آپ یہ کام ہر حال میں کریں، اب میں گھر آ گئی، میں نے فون اٹھایا، ادھر سے فون انہوں نے اٹھایا، مگر میں کچھ ہمت نہ کر سکی، عجیب شرم محسوس ہوئی، مگر دل ہی دل میں اللہ سے گڑگڑاتی: اے اللہ، تو انہیں ایمان کی دعوت دینے کی مجھے ہمت عطا کر، میری بہن ہندو ہے، مگر بے کلمہ درد جانتی ہے، وہ بھی بہنوئی کی ایسی درگت سے دکھی تھی، وہ روز کہتی کہ تو مسلمان بن جا، تیری زندگی بن جائے گی، دیکھ میری بہن کی مسلمان بننے سے کیسی زندگی بنی ہوئی ہے، روز روز کہتی رہی، ایک دن دیکھتی کیا ہوں کہ زبردستی میرے شوہر کو میرے گھر لے آئی، میں ناراض ہوئی کہ تو اس ہندو شرابی کو کیوں لے کر آئی ہے؟ وہ بولی: یہ مسلمان بننے کو تیار ہے، غفار منزل کی مسجد میں صبح ۱۰ بجے کسی مولوی صاحب کا بیان تھا، ان کو وہاں لے گئی اور وہاں پر مولوی صاحب نے ان کو کلمہ پڑھایا، پھر نکاح پڑھایا، وہ نکاح پڑھا کر جانے لگے، میں روٹھی روٹھی تھی، میرے بیٹے ذوالفقار نے ان سے کہا: میری جمیلہ ماں کو سمجھائیے کہ پردہ کئے بیٹھی ہیں۔ پردہ چھوڑیں اور نارملی بھی ختم کریں، مولوی صاحب نے مجھے سمجھایا، میری سمجھ میں بات آ گئی، مگر ۲۵ سال سے الگ رہ رہی تھی، عجیب سا حجاب آتا ہے، ویسے جتنا کچھ ہو رہا ہے، خدمت کر رہی ہوں۔

میرے دونوں لڑکے اگرچہ ہندو ہیں، لیکن بسم اللہ، الحمدللہ سب پڑھتے ہیں۔ بڑی بہو تو کٹر ہے، لیکن چھوٹی بہو بہت نرم دل ہے۔ چھوٹا بیٹا میرے ساتھ کام کرتا ہے، بلکہ اب فیکٹری، دکان سب کچھ وہی سنبھالتا ہے۔ بس بہو سے ڈرتا ہے۔ مجھے ان کو اسلام کی دعوت دینا ہے۔ ویسے میرا یہ منہ بولا بیٹا ذوالفقار اور بہو مثالی بہو بیٹے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حج بھی کر چکی ہوں۔

مسلمانوں کے لئے میرا پیغام ہے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں، ہندوؤں سے میل جول رکھیں۔ یہ دوریوں کی سرحدیں گرائیں، ہندو قوم اسلام دھرم (مذہب) کے بارے میں جاننے کو بے چین اور متجسس رہتی ہے، قریب آئیں، ان شاء اللہ لوگ جوق در جوق اسلام میں گھنے چلے آئیں گے۔



خدا کی کتاب کا شاعروں کے بارے میں یہ تبصرہ کہ:

''شاعر، خیالات کی وادیوں میں بھٹکنے والے لوگ ہیں۔'' ایک ایسا مکمل اور جامع نفسیاتی تجزیہ ہے جس میں کسی دوسرے کلام کی مطلق گنجائش نہیں، یعنی یہ مصدقہ امر ہے کہ شاعر اپنے خیالات کو ''موزوں'' کرنے میں خواہ کتنا ہی طاق ومشاق کیوں نہ ہو، اس کی بات کا وزن دھرم کانٹے میں ناکم نوک نہیں بیٹھتا، اس لئے کہ وہ جو کچھ سوچتا اور کہتا ہے، سب اس کے میلان طبع اور اُپج کا نتیجہ ہوتا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اپنی بات سے دم بدم پھرنے اور خود اپنے ہی خیالات اور نام نہاد نظریات کی تردید وتضحیک میں دیر نہیں لگاتا، اس کے باوجود خوش فہمی کا عالم یہ ہے کہ جناب اپنے ''افکار عالیہ'' پر پھولے نہیں سماتے۔ بزعم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''مستند ہے اپنا فرمایا ہوا'' ان حضرات کی خوش فہمی کے دیوان میں یہ بھی درج ہے کہ وہ اپنے کلام بلاغت نظام سے انسانی معاشرے کو بھی مشاعروں کی طرح جب چاہیں اُلٹ پلٹ سکتے ہیں، چنانچہ اس طرح کے سیاسی لفظوں اور بے وزن دعووں پر تبصرے کے لئے کوشش بسیار کے بعد بھی اردو زبان میں تو کوئی موزوں لفظ نہ مل سکا، سوائے ڈینگ کے، البتہ پنجابی بولی میں ایک لفظ ہمارے ہاتھ آ گیا، اور وہ لفظ ہے ''بڑک'' جی ہاں، یہ بڑک، اس طرح کی بڑبولیوں کے لئے نہایت ہی موزوں اور بے لاگ لفظ ہے بشرطیکہ اس کا مناسب اور صحیح جگہ استعمال ہو سکے، جس طرح کہ پنجابی فلموں میں اس لفظ کا برمحل استعمال دیکھا جا سکتا ہے، مثلاً کہانی کا ہیرو امریکہ کی طرح کا بڑا اور ناپسندیدہ کردار، جس کو عرف عام میں ''ولن'' کہا جاتا ہے، کچھ اس انداز کی بڑکیں مارتا ہے۔ ''اوئے میں جہاں پاؤں رکھتا ہوں بھونچال آ جاتا ہے۔''

''اوئے جس کو مرنے کا شوق ہے وہی میرے سامنے سر اٹھاتا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن نتیجے میں دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ گیا ہے کہ دیہاتگانگ کی طرح کا سنگل پسلی کوئی شہری بابو جس کو ہم "ہیرو" کے ہر دلعزیز نام سے جانتے ہیں اور پہچانتے، اس طرح ہیں کہ وہ رنگ برنگ کپڑے پہنتا ہے، زلف ماتھے پر گراتا، کریہان چاک اور آستین کھلی رکھتا ہے، جو برائیں لگانے والے اس پہلوان قسم کے ولن کو آخر میں مریل گدھے کی طرح پیٹ رہا ہوتا ہے، ولن صاحب کی ساری برائیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، اور عبرت ناظرین سے کہہ رہی ہوتی ہے کہ" دیکھو یہ ہوتا ہے انجام اپنی بساط اور اوقات سے بڑھ کر بات کرنے کا! لہٰذا جتنا دہن ہو اتنا ہی منہ کھولنا چاہئے کہ دریدہ دہنی بری بات ہوتی ہے۔" یعنی ایسا دعویٰ کس کام کا جو اپنے ثبوت کو نہ پہنچ سکے۔ دراصل کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل کے گیس کے غبارے کی طرح ہے، اور ذرا سا تن لگنے پر بھی غبارے میں سے ہوا نکلتے کس نے نہیں دیکھی! چنانچہ دعویٰ قتل کا ہو کہ عشق کا، ہر دعویٰ دلیل کا محتاج ہے، لیکن اسے کیا کہئے کہ ایک شاعری فقط ایسی شے ہے جس میں دعویٰ دلیل سے بے نیاز نظر آتا ہے، شاعر کو ردیف اور قافیہ کے زور پر جیسا چاہے دعویٰ کرنے کا حق ہے، کوئی اس سے یہ پوچھنے والا نہیں کہ جناب آپ اس قدر جس چیز کا بڑھ چڑھ کر دعویٰ فرما رہے ہیں، اس ادعا کی سچائی میں آپ کوئی دلیل بھی رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں، کوئی بھی ان سے دلیل وثبوت طلب نہیں کرتا، بلکہ ایک اور گروہ ہے جو ناقدین ادب کہلاتے ہیں، یہ حضرات اس کے کلام میں ایسی ایسی دُور کی کوڑیاں تلاش کراتے ہیں کہ شاعر خود حیران رہ جاتا ہے اور سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ اچھا، میں نے یہ بات بھی کہی تھی؟ اسی لئے مدعی، غالباً خود کو اس بات کا مکلف ہی نہیں سمجھتا کہ اسے اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل وشواہد بھی پیش کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے! تو یہ ناپید لچپ اور حیرت کی بات! لیکن جناب ہم خود بھی تو اس وقت اسی عمل سے گزر رہے ہیں، ہم نے بھی کب اپنے اس دعوے کی دلیل میں کوئی ثبوت پیش کیا ہے؟ تو ایسا نہیں، بلکہ جو بات ہم کہنے جا رہے ہیں، اس حقیقت کے گواہ دو چار نہیں، دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں، تاہم سینکڑوں صفحات کے سبب چند سطور بطور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے، مثلاً سب سے اول تو قلیم سخن کے وہ کامل کی بے احتیاطی کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے دعویٰ شاعری میں اپنی ولایت کو بھی داؤ پر لگا بیٹھے، فرماتے ہیں۔

لب پہ دلبر کے جلوہ گر ہے جو خال
حوض کوثر چیوں کھڑا ہے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آپ نے دیکھا! صاف نظر آ رہا ہے کہ ولی محترم کو بادۂ شاعری کا نشہ لے اڑا ہے اور اسی ترنگ میں موصوف محض قافیہ پیمائی کو نبھانے اتنی دور نکل گئے کہ حوض کوثر ایسی مقدس چیز اور تقدس مآب ہستی حضرت بلال کو بھی اپنی مشق سخن میں شامل کر لیا اور وہ بھی اس طرح کہ نسبت بخیر، گستاخی کا احتمال موجود ہے، بلکہ ان کی اس لغزش نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ شاعر نے شروع سے ہی خود کو بے لگام سمجھ لیا تھا کہ جو کچھ اسے کہنا ہے، اس میں خواہ کوئی حقیقت ہو کہ نہ ہو، صرف ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وزن پورا ہو، قافیہ اور ردیف کا مزاج بھی درست رہے، شعر مکمل ہو جائے واہ واہ مل جائے، اور بس، اسے اس بات کی احتیاط سے کوئی سروکار نہیں کہ اس ندرت خیالی میں ایمان کی دولت ہاتھ سے جاسکتی ہے، اسی لئے اپنے خیالات کو شتر بے مہار کی طرح کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جدھر چاہے منہ مارتا پھرے۔ یقین جانئے مذکورہ بالا شعر نقل کرتے ہوئے دل بھی اور قلم بھی کانپ گیا ہے۔ دیکھئے، ہمارا ایمان ہے کہ جس چیز کا تعلق اور نسبت ہمارے آقا و مولا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، وہ عزّ و شرف میں اس قدر اعلیٰ وارفع ہے کہ نہ کوئی اس کی مثل ہے اور نہ مثال پیش کی جاسکتی ہے، اللہ اکبر!

وہ بھی حوض کوثر کہ جس کے ساقی محبوب خدا ہیں، اس کی مثال کسی محبوب مجازی کے رنگ اور روپ کے برابر سمجھنا پرلے درجے کی گستاخی بلکہ سراسر جہل ہے، دوسری طرف سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی عظمت پر کائنات کا تمام حسن صدقہ کیا جاسکتا ہے، انہیں کسی مجازی محبوب کے خال سے مناسبت دینا صریحاً گستاخی اور بے ادبی کے سوا اور کیا ہے۔ ذرا آبا پرستی کو ایک لمحہ موقوف کر کے دیکھئے تو معلوم ہوگا، ولی صاحب پر شاعری کا نشہ اس قدر غالب نظر آتا ہے کہ وہ سخن گوئی کے شوق میں اپنے نام کی لاج بھی نہ رکھ سکے۔

اب ایک اور بابا، میر صاحب کی سنئے! بابائے شعرا کا یہ دعویٰ خاصی شہرت کا حامل ہے کہ:

مستند ہے میرا فرمایا ہوا
سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا

ملاحظہ کیجئے، لگتا ہے کسی صحیفۂ آسمانی کا تذکرہ ہو رہا ہے، بالکل وہی لب ولہجہ ہے، گویا شعر کے پردے میں خدا بول رہا ہو، یعنی جیسا کہ ام الکتاب، کتاب الاخریٰ میں خالق لوح وقلم نے فرمایا (ترجمہ) "یہ قرآن) وہ کتاب ہے جس میں کوئی ریب نہیں۔" ممکن ہے، ہمارے استغاثے کے جواب میں کوئی صاحب وکیل صفائی کے طور پر یہ کہیں کہ" جناب میر صاحب کون سا انا ربکم الاعلیٰ کہہ کر خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں، ان کا مقصد دعویٰ تو صرف شاعری کی حد تک ہے، اور "سارے عالم" سے بھی ان کی مراد "جہان سخن" ہے۔" بجا ارشاد! لیکن ذرا میر صاحب کے فرمودات عالیہ کا نمک بھی چکھ کر دیکھ لیتے ہیں کہ ان کا یہ دعویٰ شاعرانہ ہے کہ وہی بے احتیاطی کا نتیجہ؟ یعنی شاعرانہ ترنگ میں، "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" دراصل حقیقت نفس الامری پر ڈرون حملہ ہے، کیا یہ بے باکی گستاخی کے زمرے میں نہیں آتی؟ فرماتے ہیں:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

اس تولہ بھر بھیجا رکھنے والے آدمی کی شاعرانہ دانش کو ملاحظہ کیجئے، کیسا بھیانک الزام اور کیسا خطرناک اتہام ہے قدرت پر! گویا طالب علم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس سے امتحان لیا جا رہا ہے کہ پرچہ حل کرو اور جب وہ اس مجبوری کے تحت سوال حل نہیں کر پاتا تو اسے فیل قرار دے کر ناکامی کا مجرم ٹھہرا دیا گیا ہے، اس طرح میر صاحب کے فلسفے کے مطابق، اللہ کو وہ ہزاروں برگزیدہ پیغمبر جو خلق خدا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور وہ تمام آسمانی کتب اور صحائف جو بنی نوع انسان کو راہ راست دکھاتی اور فلاح دارین کا سبق سناتی رہیں، بے معنی، بے اثر اور (نعوذ باللہ) ناکام ہو گئیں اور قیامت کا العقاء، حشر ونشر، حساب کتاب اور میزان منکلوک، اور جنت و دوزخ کے حصول کا معیار بے اعتبار ہو کر رہ گیا، البتہ میر صاحب کا یہ فرمان مستند کہ انسان، مجبور محض ہے، خیر و شر کا فاعل حقیقی (عیاذ باللہ) خدا تعالیٰ ہے، یعنی آدمی سے اچھے یا برے جو فعل سرزد ہوتے ہیں، اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں، گناہوں کے نام پر بھی گویا ایک تہمت ہے جو انسان پر لگائی جاتی ہے، ورنہ" جو چاہے سو آپ کرے ہیں" ملاحظہ کیجئے، کس بے باکی سے ہر برائی کو خدائے بزرگ وبرتر کے "کھاتے" میں ڈال دیا گیا کہ

"چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا"

میر صاحب کی معصومیت دیدنی ہے، ان کے نزدیک ساری برائیاں خدا تعالیٰ نے خود کرنے کے بعد (نعوذ باللہ) انسان کو مفت میں بدنام کر رکھا ہے، بھلا بتائیے یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ آدمی سے خود ہی گناہ کرائے جا رہے ہیں اور خود ہی اسے گناہگار ٹھہرا کر سزا کا مستحق قرار دیا جا رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو یہ ہیں ہمارے شاعر محترم بابائے شعرا میر تقی میر کے وہ ارشادات جنہیں بزعم خود وہ مستند قرار دیتے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ سارے عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ ایک اور بات کا سراغ جو ہمیں تاریخ اردو ادب کھنگالنے کے بعد بھی نہیں مل سکا، یہ ہے کہ وہ کون صاحب تھے جو میر صاحب سے ان کے دین و مذہب سے متعلق سوال کر بیٹھے تھے جس کے جواب میں موصوف نے اپنا منظوم بیان اس طرح دیا کہ:

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

اب ہمیں نہیں معلوم کہ ترک اسلام کے بعد، دیر میں آ ویزاں ہزاروں بتوں میں سے کس مورتی کو مخاطب کر کے انہوں نے اپنا اعتراض نوٹ کرایا تھا کہ:

''چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا''

شعرائے قدیم میں سے قائم صاحب کی بزک بھی ملاحظہ کرتے ہیں۔

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

اندازہ کیجیے، حضرت شاعر، شعر گوئی کی ہوس اور خیال آفرینی کی ترنگ میں حد ادب کو فرس شطرنج کی طرح پھلانگ گئے ہیں، اپنے عشق بے وجود کی بے حقیقت کرنا کیوں اور مفروضہ لذت درد کی شدت کے بیان میں مسیح و خضر ایسی برگزیدہ ہستیوں کی مثال دے کر، شعر کی داد کے طلب گار نظر آتے ہیں، کیا تبصرہ کیجیے کہ کہاں شاعر کی شاہد کی بازی، جس کو وہ عشق ایسے عظیم جذبے سے تعبیر کر رہے ہیں، اور کہاں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ودیعت کردہ حیات جاوید، ہٹی بھی آئی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے، لیکن کیا کہئے کہ یہ سب حضرات، سخن سرائے کے پیران عظام کہلاتے ہیں، انہی بزرگان ادب میں سے ایک سالک دہلوی صاحب کی بزک بھی سننے سے تعلق رکھتی ہے، جس میں وہ خدا کے غضب کو، جس سے بڑے بڑے متقی پرہیز گار بلکہ دیوں اور نبیوں نے بھی پناہ مانگی ہے، کھیل تماشا بنا کر پیش کر رہے ہیں، فرماتے ہیں:

مجھ جیسے سخت جاں پر کیا بس چلے قضا کا
یاں ٹوٹتا رہا ہے، اکثر غضب خدا کا

کیا دعویٰ ہے! معلوم ہوتا ہے سالک صاحب کی ذات ناقابل تسخیر ہے، جس طرح مشہور زمانہ کارٹون جیری ٹوم غالب نہیں آتا، فرماتے ہیں:

''میں تو وہ سخت جان ہوں جس پر اکثر خدا کا غضب ٹوٹا رہتا ہے تو پھر یہ موت بھلا میرا کیا بگاڑ سکتی ہے۔'' حالانکہ موت کا چہرہ دیکھ کر موصوف پر جو گزری ہوگی، اسے تو وہی جانتے ہوں گے اور اب انہیں مرحوم ہوئے بھی صدیاں بیت چکی ہیں۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اس شعر کے خالق آتش کی بزک کا انداز بھی دیکھئے، کس طرح اکڑتے اور سیکولرازم کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان شاعری میں اترے ہیں۔

کفر و اسلام سے آزاد ہوں، بے قید ہوں میں
مجھ سے کافر ہی نہ جھگڑے، نہ تو دیندار الجھے

لیجئے جناب، قصہ ہی ختم ہوا، میر صاحب تو ترک اسلام کر کے دیر میں جا بیٹھے اور رام رام کرنے لگے تھے، مگر آتش صاحب ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔

کفر و اسلام دونوں ہی سے جان چھڑالی، لیکن اس قید سے آزادی کا سبب کیا بنا؟ اس دعوے کی دلیل میں وہ حسن پرستی کو جواز بنا کر پیش کرتے ہیں۔

قید مذہب کی نہیں حسن پرستی کے لئے
کافر عشق ہوں میں، میرا کوئی کیش نہیں

یعنی دعویٰ در دعویٰ کہ حسن پرستوں کو حسن سے مطلب ہے، خواہ وہ کسی بھی دین اور دھرم میں دستیاب

ہو، تو اگر ہم یہ قرض کر لیں کہ آتش کا حسن پرستی سے، مطلب خدا پرستی ہے اور حسن سے ان کی مراد اچھائی، نیکی اور اعلیٰ انسانی اقدار ہے کہ یہ خوبیاں کسی بھی دین اور مسلک میں پائی جاتی ہوں تو انہیں اپنانے میں کیا حرج اور احتراز ہو سکتا ہے؟ درست ہے، لیکن اس ''کافر عشق'' کو کہاں لے جائے گا، کیونکہ یہ روی و اقبال کا سا عشق تو ہے نہیں، یہ تو لکھنؤ کے باکوں کا مشترکہ ورثہ ہے، جن کے ''عشق'' کا ہدف وہ حسن ہے جو نیون سائن کی طرح صاف نظر آتا ہے اور جس کو ہم ٹی وی اسکرین پر، کمرشل بریک میں دیکھ سکتے ہیں، بلکہ آتش نے خود ہی ہمیں کسی خرخشے میں پڑنے کی بجائے، اپنے کیش اور عقیدے کی وضاحت کر دی ہے، کہتے ہیں:

خاک میں بھی جو ملوں تو کسی صحرا میں ملوں
تم سے مٹی بھی نہ اے گبرو مسلماں مانگوں

مطلب یہ کہ کفر و اسلام سے وہ اس قدر بیزار اور الرجک ہیں کہ کافر اور مسلمان کسی کے ہاتھوں انہیں دفن ہونا بھی گوارا اور منظور نہیں، وہ نہیں چاہتے کہ مرنے کے بعد کافر یا مسلمان میں سے کوئی بھی انہیں مٹی دے کر ان کے مسلک کی توہین کرے، ایسے ''اعلیٰ خیالات'' کے حامل اساتذہ کرام میں سے ایک اور صاحب کی جارحانہ بزک بھی دیکھا چاہئے۔ فرماتے ہیں:

زاہد حرام مے کو نہ کہنا وگرنہ میں
جنت میں چھین لوں گا پیالہ شراب کا

کیا طرفہ تماشا ہے کہ شاعر صاحب خود تو آزادانہ طور پر شعر گوئی کا مکمل استحقاق رکھتے ہیں مگر زاہد کو آزادی رائے کا حق دینے پر تیار نہیں، یعنی وہ نہیں چاہتے کہ زاہد حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہہ سکے، ان کا عزم یہ ہے کہ اگر خدا کی حرام کردہ چیز شراب کو زاہد نے حرام کہا تو وہ یہاں تو شاید اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، وہاں جنت میں البتہ اس کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ ضرور چھین لیں گے، کہیں گے۔ ''خبردار! جب دنیا میں شراب کو حرام کہتے رہے تو پھر یہاں جنت میں بیٹھے کیوں اس کی چسکیاں لے رہے ہو!'' اس جگہ پہلی دلچسپ بات تو یہ ہے کہ شاعر صاحب نے جنت کو بھی مشاعرے کا پنڈال سمجھ لیا ہے کہ ٹہلتے ہوئے چلے جائیں گے، اور زاہد کے ساتھ دست درازی کے وقت جنت کی انتظامیہ خاموش تماشائی بنی رہے گی، اور اگر ان کی طرف سے کوئی مداخلت کی گئی تو یہ صاحب، سلطان راہی کی طرح دھاڑتے ہوئے پکاریں گے۔

''اوئے تھانیدارا! یہ وہ بندہ ہے جو کل ایک حلال شے کو حرام کہہ کر ہم پاکبازوں کو گناہگار قرار دیا کرتا تھا!''

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

کیا شاعری کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قائم کردہ حدود کا مذاق اڑایا جائے، اور جو منہ میں آئے اول فول بکنے لگیں، اور یہ سمجھ لیا جائے کہ شاعروں پر سات خون معاف ہیں، ان کے آگے، دین و مذہب، حلال و حرام، زہد تقویٰ، حساب کتاب اور جنت دوزخ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، اس کے برعکس محترم و مستند اگر کوئی چیز ہے تو ان کی فاعلاتن فلاعلات ہے۔ یہ گستاخانہ بڑکیں اور شاعرانہ افراط و تفریط ایک دو، یا رند دست قسم کے دو چار شاعروں تک محدود و مخصوص نہیں، بلکہ کئی صاحبان جبہ و دستار بھی اس عیب سے دامن نہ بچا سکے، صاحب سجادہ، صوفی خوابہ درویشی اس شاعرانہ وبا کا شکار ہو گئے، بڑک ہانکنے سے نہ چوکے اور ایک جلیل القدر پیغمبر سے اپنا تقابل کر بیٹھے۔

درد ہر چند کہ ظاہر میں ہوں میں مور ضعیف
زور نسبت ہے مجھے، زور سلیمان کے ساتھ

بظاہر بہت دور کی کوڑی لائے ہیں کہ سورۂ نمل میں حضرت سلیمانؑ کے شاہانہ ذکر کے ساتھ موصوف یعنی ایک کمزور ترین جانور چیونٹی کا تذکرہ ہوا ہے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن ادب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی کسی بھی وصف میں خود کو کسی پیغمبر کے شریک کرنے لگے اور کہے کہ:

"زور نسبت ہے مجھے زور سلیمان کے ساتھ"

اس بے باکی میں مرزا غالب بھی کسی سے پیچھے نہیں، بلکہ خاصے مشہور ہیں، فرماتے ہیں:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

لگتا ہے بہت ہی پہنچے ہوئے ہیں، دوسرے لفظوں میں بڑی اپروچ کے بندے ہیں، اپنی ان کیٹیگری جنس کے ذریعے عالم بالا کی چھان پھٹک کرا چکے ہیں، ان کی سی آئی اے نے اپنی رپورٹ میں انہیں بتایا ہے کہ جنت وقت کچھ نہیں، بس یونہی دل کو خوش رکھنے کا ایک بہانہ ہے۔" لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، کوئی حد ہے دریدہ دہنی کی! دراصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو جس طرح فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھا، عربی میں اتنے ہی کورے تھے، اور دین و مذہب کے معاملات کا بھی انہیں اتنا ہی علم تھا جتنا کہ ان کی پرہیز گار بیگم کو ان کی شاعری کا ادراک ہو سکتا تھا، مطلب یہ کہ دین و مذہب مرزا کا شعبہ ہی نہیں، شاعری کے سوا انہوں نے کب کسی کاروبار معاش میں حصہ لیا اور محراب و مسجد سے واسطہ رکھا! ان کے کل وقتی مشاغل کیا تھے، مرزا کے جاننے والے سب جانتے ہیں، لیکن مرزا صاحب کی طرف سے ایمان و عقیدے سے متعلق اہم ارکان، جنت و دوزخ کا کس دھڑے کے ساتھ ٹھٹھا اڑایا جا رہا ہے، وہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ جنت محض ایک خیال خام ہے یا جی بہلانے کا ایک بہانہ ہے، اگر غالب کے حضور سجدہ ریز طرفدار، اپنے روحانی مربی کو اس اعتراض سے بھی بالا سمجھتے ہیں تو یہ ان کا جمہوری حق ہے کہ بی جمہوریت بندوں کو گنا کرتی ہے تولا نہیں کرتی، تاہم اسی جمہوری حق کو استعمال کرتے ہوئے ہم بھی یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ ان پیشہ ور شاعروں کو یہ حق کس نے دے دیا ہے کہ وہ ان معاملات میں بھی قافیہ پیمائی کرنے بیٹھ جائیں جو ان کی ذہنی بساط اور علمی و فکری استطاعت سے بلند و ماورا ہیں۔ کیا شعر کہنے سے کوئی دانشور ہو جاتا ہے؟ عرب کے بدو اور دلی کے کوخدار بھی خوب شعر کہتے اور مصرع لگاتے تھے، لیکن شعور انسانیت اور قدرت شناسی کا تعلق سلیم طبع سے ہوتا ہے، جس آدمی کے اندر روشنی ہے اور فکر و نظر میں پاکیزگی ہے تو وہی اعتدال کا راستہ اختیار کرتا ہے اور بہت سوچ اور سنبھل کر بات منہ سے نکالتا ہے، اب دیکھئے اعلیٰ قسم کی شراب کے ساتھ اصلی گھی میں تلے ہوئے بادام نوش جان کرنے، قیمتی اور عام لوگوں سے منفرد لباس پہننے اور میٹھے اور بہت سے آموں کے چسکے لوٹنے کے بعد بھی شاعر اگر اس طرح سے کفران نعمت کا مرتکب ہو تو اسے کیا کہئے گا؟

زندگی اپنی اسی طور سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

نہ معلوم شاعر نے خود کو کیا سمجھ لیا ہے، شاید اس کا خیال ہے کہ وہ شاعری کی چھڑی ہلاتا ہوا سر راہ گزرنے کا بنیادی حق رکھتا ہے، درست ہے، لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ چھڑی کی نوک اور کسی کی ناک کے درمیان کچھ فاصلہ رہنا چاہئے، لیکن مرزا صاحب بھی انہی شاعروں میں سے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان پر سات خون معاف ہیں، وہ اپنی منظوم لفاظی سے ادب و احترام کی حد بندیوں کو قتل کرتے چلے جانے کا بھی حق رکھتے ہیں، اب دیکھئے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر جو بڑی شان اور اعلیٰ مرتبے کی شخصیات ہوتی ہیں کہ فرشتوں کو بھی ان کے آگے دم مارنے کی اجازت نہیں، سیدالملائیکہ بھی اللہ کے نبی کے حضور، ادب و احترام کو ملحوظ رکھتا ہے، لیکن مرزا صاحب کا لہجہ ان بزرگ ہستیوں کے گروہ سے تعلق رکھنے والے ایک نبی محترم

کے بارے میں کیا ہے، ملاحظہ کیجئے!

ابن مریم ہوا کرے کوئی
مرے دکھ کی دوا کرے کوئی

"ہوا کرے" کس قدر عامیانہ اور سوقیانہ جملہ ہے، اردو جاننے والے اسے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور پنجابیے یہ کیا جا رہا ہے کہ ابن مریم (سیح علیہ السلام) اگر اندھوں کو آنکھیں اور کوڑھیوں کو شفا اور مُردوں کو حیات تو بخشتے تھے تو مجھے ان کے قصے کہانیوں سے کیا، وہ اگر ایسے ہی ہیں تو میرے دکھ کا علاج کر کے دکھائیں تب میں جانوں، اب پہلی بات تو یہ کہ شاعری جو اکثر جھوٹ اور مفروضات پر مبنی ہوتی ہے، بیشتر خیالات و مضامین بے حقیقت ہوتے ہیں جن کی کوئی معقول اور قابل قبول تشریح و تصریح نہیں کی جا سکتی، اب اگر کوئی مرزا صاحب سے پوچھ لے کہ جناب آپ کا دکھ ہے کیا؟ اگر عشق؟ تو اس مرض کے شکار حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، جو اپنی ناسمجھی اور نادانی کے ہاتھوں اس روگ میں مبتلا رہتے ہیں اور اگر اس دکھ سے مراد آپ کے مالی مسائل ہیں تو ان کو برصغیر کے تمام رجواڑے مل کر بھی حل نہیں کر سکتے اس لئے کہ آپ نے خود ہی فرمایا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اور اگر آپ اپنے دکھ کے ڈانڈے اپنی جاگیر گم گشتہ سے ملاتے ہیں جس کے لئے آپ کو ملکہ تک جیسے دور دراز شہر کی یاترا کے لئے صحرا نوردی کرنی پڑی تو پیغمبران خدا، ان باہو ہوس کے بکھیڑوں کو نمٹانے تشریف نہیں لائے تھے، ان کا کام تو انسان کے اندر اندھیروں کو دور کرنا، اس کی روحانی بیماریوں کا علاج کرنا تھا، جو انسان کو انسانیت سے دور اور وحشت و درندگی کے قریب لے جاتے ہیں، چنانچہ ابن مریم کو بھی اپنے دور کے بیمار معاشرے کا مسیحا بنا کر بھیجا گیا تھا نا کہ وہ کسی مرزا نوشہ کے فضول دکھ اور بے حقیقت دردکی دوا کرنے تشریف لائے تھے۔

آیئے، اب ایک اور مرزا کی سنتے ہیں، یہ مرزا داغ دہلوی ہیں، موصوف کی ذہنی و جسمانی ساخت و پرداخت جس ماحول میں ہوئی، وہاں کسی مثبت وسود مند پند و نصیحت کا گزر ممکن ہی نہ تھا، اگر اس طبقہ میں ان باتوں کا وجود پایا جاتا تو سات سمندر پار سے ایک نہایت بزدل قوم کے مٹھی بھر افراد یہاں آ کر لاکھوں سپوتوں کو غلام نہ بنا لیتے، چنانچہ اس عاقبت نا اندیش جاگیردار گھرانے کے پروردہ اردو کے سرتاج شاعر مرزا داغ دہلوی کی شرافت بیزاری ملاحظہ کیجئے کہ پند و نصیحت ان کی ساعت پر کس طرح گراں گزر رہی ہے۔

پند و واعظ سنتے سنتے کان اپنے بھر گئے
کیا عبادت کو نہیں ہیں، سب فرشتے مر گئے

استغفر اللہ، فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں تقدس و پاکیزگی کا ایک خاص تصور جو اس نوری مخلوق سے وابستہ سمجھا جاتا ہے، اس سے عوام و خواص سب ہی بخوبی واقف ہیں، اس صاحب تقدیس و تکریم گروہ کا ادب و احترام، یہودیوں کے سوا سب ہی اہل کتاب اپنے دل میں رکھتے ہیں، صرف عقل باختہ یہود، حضرت جبرئیل امین کو اپنا حریف سمجھتے ہیں جس کی مذمت خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں کی ہے، لیکن شاعر کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ خدا کی کتاب کا مطالعہ کرتا پھرے، اسے تو مشاعرے اور اپنے ہم ذوق شعراً کے دیوان پڑھنے سے ہی فرصت نہیں، اب ذرا "بارے عاموں" کا تذکرہ ہو جائے۔" یعنی دور حاضر کے عام شاعروں پر بھی ایک نظر ڈالی جائے، تو جناب ایک طویل فہرست ہے ہمارے سامنے، لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا، قبر جتنے پلاٹ پر ایک بڑا پلازہ یا فائیو اسٹار ہوٹل کی تعمیر ممکن نہیں، اختصار کے نقطہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعتراض پر ہم اتنا ہی لکھ سکتے ہیں کہ چلتے چلتے اپنے دور کے شاعروں کی بوک کا انداز بطور نمونہ پیش کردیں، پہلے جون ایلیا فرماتے ہیں۔

حاصلِ کن ہے یہ جہانِ خراب
یہی ممکن تھا اتنی عجلت میں

اس ذہنی بدہضمی کی شرح یوں مرتب پائی ہے کہ'' یہ دنیا (شاعر کے نزدیک ''جہانِ خراب'') بے کار سی چیز ہے اور جو اس بات کی دلیل ہے کہ خالق دنیا نے اس کی آفرینش جونکر ایک لفظ ''کن'' سے کی ہے تو اس قدر عجلت میں یہی ایک بے کار سا جہان بن سکتا تھا سو بن گیا۔ عقل باختگی کی انتہا ہے، خالق کائنات کی ''کارگیری'' میں نقص ڈھونڈنے والے شاعر صاحب سے کوئی پوچھے، اپنے اس عالمانہ اور دانشورانہ تبصرے سے عامۃ الناس کو آخر کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ یہ کہ خدائے بزرگ و برتر سے کوئی ''اچھا'' کام نہ ہوسکا، ایک دنیا بنائی وہ بھی جلدی جلدی میں ایک جہان خراب کی صورت وجود میں آسکی، البتہ اگر جون ایلیا کو موقع ملتا اور دنیا سازی کا ٹھیکا انہیں دیا جاتا تو پھر دیکھتے کہ وہ کس طرح جامع منصوبہ سازی کرکے اور بہترین پلاننگ کے ذریعہ ایسا جہان تیار کرتے جس میں یہ سب خرابیاں نہ ہوتیں جو اس وقت اس میں پائی جاتی ہیں، خصوصاً مذہبی پابندیاں، انسانی اقدار کو اپنانے اور اخلاقی اصول پر عمل کے احکامات وغیرہ، بلکہ حضرت جون اپنی تخلیق کردہ اس جنت ارضی کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھوا دیتے۔

''بار بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''

اب دورِ حاضر کے مشہور و معروف، لینن پرائز یافتہ شاعر فیض صاحب کی پاکیزہ خیالی سماعت کیجئے۔ فرماتے ہیں:

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

ملاحظہ کیا آپ نے! شاعر صاحب پروردگار عظیم کا حوصلہ آزما رہے ہیں! اور وہ بھی اس طرح کہ انہیں بداعمالیوں کے لئے مزید چھوٹ کیوں نہ دی گئی، گناہ کرنے اور گل چھرے اڑانے کے لئے نہایت مختصر وقت دیا گیا، ساٹھ ستر سال کا مختصر سا وقفہ بھی کوئی عرصہ ہے، اس کے لئے تو صدیاں درکار ہیں کہ جی کھول کر وہ سب کچھ کرنے کو ملتا جو وہ چاہتے ہیں، کیونکہ جو پروردگار چاہتا ہے، اس کی تو نہ انہیں معلومات ہے اور نہ پرواہ ہے، ان کے ترقی پسند پروگرام میں اس طرح کی رجعت پسندہ باتوں کی کوئی گنجائش نہیں، ان کے نزدیک پروردگار اسی وقت حوصلہ مند کہلاتا جب ان سے کہا جاتا کہ'' جائیے حضرت فیض، ہم نے تمہیں عمر خضر عطا کی، خوب پیو پلاؤ، شاعری کرو، مشاعرے پڑھو'' اور جیسا کہ خود موصوف کو ادراک ہے کہ ان کے پاس اپنے ایجنڈے پر عمل کرنے کے لئے وقت بہت کم ہے، اسی لئے فرماتے ہیں۔

پہلے کچھ ابر، پھر شراب آئے
آئے جو اس کے بعد عذاب آئے

گویا ان کا حاصلِ زندگی یہ ہے کہ پیو اور اور پیو!

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

قارئین کرام! وہ جو کہا گیا ہے کہ بڑوں کی خوبیاں ہی بعد والوں کے لئے سود مند نہیں، ان کی خامیاں بھی ہدایت کا سبب ہوتی ہیں، اس لئے کہ ان کمزوریوں سے بچا جائے اور انہیں دہرانے کی غلطی نہ کی جائے، تو اپنے شاعروں سے میری دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ بے لگام شاعری سے حذر کریں اور خصوصاً گستاخانہ بڑکیں مارنے سے باز رہیں، کیونکہ کل زیرِ زمین یہ نہیں پوچھا جائے گا م کہ کتنے دیوان مرتب کئے اور کتنے مشاعرے لوٹے؟ بلکہ..... ''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا''

☆.....☆

یہ حسین یادیں



سکینہ عائشہ محمد رمضان

آج اسے بہت رونا آرہا تھا، صبح نماز فجر کے بعد قرآن پاک پڑھتے ہوئے بھی آنکھیں بھیگ رہی تھی، ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ فجر کے بعد اداس ہو، اصل میں آج اس کی مدرسے میں بخاری تھی اور وہ آج مدرسے سے فارغ ہورہی تھی، اسے رہ رہ کر مدرسے کے دن یاد آرہے تھے، اللہ میں کیا کروں تو مجھے حوصلہ دے، یہ کہہ کر وہ زوروں سے رودی۔

☆.....☆

آج عدینہ کے گھر اس کی ساری دوستیں آئی ہوئی تھی، ان سب کی آج ختم بخاری تھی، استادوں کے جوڑے پن اپ کرتے ہوئے ایک دم منیبہ کی نظر عدینہ پر پڑی جو اپنے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کررہی تھی، اومیڈم یہ رونا کس لئے آرہا ہے اور تم تو رو رہی ہو۔ منیبہ کے کہنے پر سب کا رخ عدینہ کی طرف ہوگیا جواب تیز تیز رونا شروع ہوگئی تھی، ارے ارے عدینہ کیا ہوا ایسے کیوں رو رہی ہو، کیا بات ہے، اقراء نے عدینہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا، کچھ نہیں مدرسے کی یاد مجھے بہت ستائے گی، وہ ہماری باجیاں، وہ ہماری جگہیں، وہ ہماری شرارتیں، وہ ہم جو تعلیم کیا کرتے تھے، وہ دن جب ہم امتحانوں میں تکرار کے لئے ایک دوسرے کے گھر جاتے تھے اور ایک ساتھ پڑھائی کرتے تھے، اقراء یہ سب میں کیسے بھول پاؤں گی، مجھے جو صلہ دے، میرے مولا، یہ کہہ کر عدینہ روہی دی، تو سب دوستیں بھی رونے لگی، عدینہ کی امی جان کے لئے چائے لے کر آئیں تھیں، وہ انہیں روتا دیکھ کر گھبرا ل گئی، ارے بیٹا کیا ہوا، ایسے بری طرح کیوں رو رہی ہو، لیکن وہ لوگ بدستور روتی رہیں، بیٹا بتاؤ تو سہی، آخر بات کیا ہے، آنٹی آج بخاری شریف ہے نا تو عدینہ نے ہمیں رلا دیا کہ ہمیں مدرسہ بہت یاد آئے گا، ارے پاگل لڑکیوں، کسی کو کہیں بھی زیادہ دن نہیں رہنا، دیکھو ہم لوگ کہیں جاتے ہیں تو واپسی تو آتے ہی ہیں، چاہے کتنے دن ہی رہ لو لیکن واپسی تو ہوتی ہی ہے اب تم لوگوں کی مثال تین سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگئے چوتھا بھی ہونے والا ہے، سال! تو تم اب الوداع کہہ دو گے تو ظاہر ہے تمہیں ایک نہ ایک دن مدرسہ چھوڑنا ہی تھا، تم لوگ اچھی طرح جانتی ہو یہ بات کہ یہ دنیا بھی عارضی ہے، اسے بھی چھوڑنا ہے تو بس آگے تم خود سمجھ دار ہو، چلو اب اپنا کام ختم کرو، یہ چائے بھی پی لینا، میں تم لوگوں کے لئے کھانا بنانے جارہی ہوں، یہ کہہ کر امی کمرے سے چلی گئی اور وہ سب اپنا کام کرنے لگیں۔

☆.....☆.....☆

علی نے مدرسے سے آتے ہی عدینہ عدینہ چلانا شروع کردیا، کیا ہوا بھائی میں اپنے کمرے میں تھی، آپ اتنا کیوں چہک رہے ہیں، کچھ نہیں، ادھر آؤ، میرے ساتھ کیا ہوا، آخر ایسی کیا بات ہے، عدینہ نے اپنے کمرے میں بیٹھتے ہوئے پوچھا، یہ لو، یہ کیا ہے بھائی، دیکھو تو! واؤ بھائی یہ لاکٹ گولڈ کا بہت خوبصورت لگ رہا ہے، آپ اتنا مہنگا اور قیمتی سیٹ کیوں لائے؟ کیوں نہ لاتا، میری بہن کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے! کیا ہوا ہے، دونوں بہن بھائی آج اتنا کیوں چہک رہے ہیں، کچھ نہیں امی، یہ دیکھیں بھائی میرے لئے گولڈ کا سیٹ لائے ہیں، اوہ یہ تو بہت خوبصورت ہے، کیوں خیریت، یہ کیوں لائے ہو، امی آج تو میری بہن کی خوشی کا دن ہے، اللہ رب العزت نے عدینہ کو اپنے دین کے لئے چنا، تم بہت خوش نصیب ہو میری بہنا علی نے عدینہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا، چلیں امی کھانا کھاتے ہیں، علی نے امی سے کہہ کر عدینہ کو اشارہ کیا، دونوں بہن بھائی کھانے کے لئے اٹھنے لگے تو امی نے کہا، ماں کو اکیلا چھوڑ دیا، بہن بھائی نے، امی میری پیاری امی چلیں بس، علی نے اپنی ماں کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

اسٹیج بڑی خوبصورتی سے سجایا ہوا تھا، آج مدرسے میں ختم بخاری شریف کی عدینہ اور دوتین سب خوش نظر آرہی تھیں، کیوں کہ عدینہ کا نکاح جو تھا اور کامران صاحب کا بیان جو تھا، اقرام، ادھر آنا، جی آنٹی، اقراء نے آتے ہوئے کہا، بیٹا یہ لو موبائل، عدینہ کو کہو علی سے بات کرلے۔

السلام علیکم! بھائی کیا ہوا خیریت۔

وعلیکم السلام! کہاں ہو تم، مدرسے میں کیوں ایسے ہی پوچھ رہا تھا، دل کو راحت تم سے بات کرنے کو تو کرلو، بھائی میں نے منع تو نہیں کیا آپ کو کبھی نہیں سکتی، کیوں کہ آج تم مجھ سے دور چلی جاؤں گی عدینہ کیا ہوا کچھ نہیں عدینہ نے روتے ہوئے علی کو جواب دیا، اچھا میں فون رکھتا ہوں، بیٹس تم رومت، ٹھیک ہے بھائی اللہ حافظ، السلام علیکم یہ کیا امی کہاں ہے کیوں یہ موبائل دینا تھا، لاؤ مجھے دو، میں دے آتی ہوں، بیان شروع ہو چکا تھا سب بیان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

علی کا دوست کافی دیندار تھا، جبکہ علی اور امی کو بھی عدینہ کے لئے دیندار لڑکا مل گیا تھا، علی کی نظر میں عمر بہت ایسا لڑکا تھا، علی اور عدینہ دو بہن بھائی تھے، دونوں میں بہت محبت تھی، ان کے ابو کا کسی حادثے میں انتقال ہوگیا تھا، علی اپنی ماں، بہن کا بہت خیال رکھتا تھا، اس لئے عدینہ بھی اپنے بھائی کو دل و جان سے چاہتی تھی، علی بہت خوش تھا، اس نے جیسا لڑکا عدینہ کے لئے سوچا تھا، اسے ویسا ہی ملا، کیا ہوا عدینہ علی نے کمرے کے دروازے سے آواز دی، کچھ نہیں بھائی، ابو کی یاد آگئی، بھائی اگر ابو ہوتے تو وہ کتنا خوش ہوتے، ان کا خواب پورا ہوگیا، وہ یہی چاہتے تھے کہ میری ختم بخاری میں ہی میرا نکاح ہو، علی کی آنکھ بھر آئی، دونوں بہن بھائی رو دیئے، بس بھائی اب چپ ہوجاؤ، عدینہ اپنے بھائی کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لئے وہ خود بھی چپ ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

آخری حدیث کا درس سنا، بہت اچھا بیان ہوا، مدرسے کی باجی امبر نے طالبات کے ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے پہنائے، سمرین باجی نے چادر

اڑھائیں، دعا شروع ہوچکی تھی، سب نے دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعاؤں کے چند الفاظ تھے، جس پر عدینہ کی امی زور زور سے رو دیں، یا اللہ ان بچیوں نے جو کچھ پڑھا، انہیں اس پر عمل کرنے کی توفیق دے، یا اللہ ان کی ہر جائز خواہش پوری کرنا، یا اللہ ان بچیوں میں ایک بچی کا نکاح ہے، اسے تو ہمیشہ خوش رکھنا اور ان دونوں میں محبت رکھنا۔ (آمین) دعا کے بعد سب ایک دوسرے سے ملنے لگے، عدینہ اپنی باجیوں کے گلے لگ کر رو دی، بس کرو عدینہ، سمرین باجی نے اسے ہنساتے ہوئے کہا، عدینہ بیٹا بس بھی کرو، دیکھو بیٹا اللہ رب العزت نے ہمیں کتنا اچھا دن دیا ہے کہ تمہارا ست کی طرح نکاح ہوا اور تمہیں عمر جیسا شریک حیات ملا، عدینہ کی امی نے عدینہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا، آنٹی آپ اسے چھوڑیے، اسے میں دیکھتی ہوں، اقرا نے عدینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، کیا ہوا تمہیں، کیوں بار بار رو رہی ہو، عمر بھائی کو دیکھو، کتنا خوش لگ رہے ہیں، ابھی علی بھائی کا فون آیا تھا، وہ بتا رہے تھے آنٹی کو، تھی، اس بات پر عدینہ اقرا کو غور سے دیکھنے لگی تو اقراء پیچھے ہوگئی، اچھا چلو عدینہ آج تم الوداعی نظم پڑھ لو، ہاں تم تو پڑھو گی نہیں، ہے نہ، یہ کہتے ہوئے عدینہ نے مائیک سنبھال لیا۔

☆.....☆.....☆

یہ وقت فراغت مبارک ہو تم کو
یہ پرنور ساعت مبارک ہو تم کو
مقدس امانت کا بارگراں ہے
نبی کی نیابت مبارک ہو تم کو
یہ تعلیم قرآن درس نظامی
تمہاری یہ رغبت مبارک ہو تم کو
مطابق و نصاب وفاق المدارس
مکمل دراست مبارک ہو تم کو
حدیث نبی میں صبح وشام رہنا
لبوں کی حلاوت مبارک ہو تم کو
حدیثوں کو سن کر مع محفوظ کرنا
دعائے نفاوت مبارک ہو تم کو
بھٹکتی ہے دنیا کرو رہنمائی
امم کی قیادت مبارک ہو تم کو
مدارس کو لازم پکڑنا عزیز و
جو اس میں ہے وقت مبارک ہو تم کو
سلف کی روایت یہ مضبوط رہنا
سلف کی روایت مبارک ہو تم کو

الوداعی نظم سن کر تمام طالبات اور معلمات رو دیں، عدینہ تم نے سب کو رلا دیا، عدینہ کی امی نے عدینہ کو مسکراتے ہوئے کہا، عدینہ کی بھی آنکھ بھر آئی، اس کے بعد ہی عدینہ کی رخصتی ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

عدینہ اپنے سسرال میں بہت خوش تھی، اس کو بہت اچھا سسرال ملا تھا، عدینہ کے سب گھر والے بہت خوش تھے، انہیں عدینہ جیسی بہو ملی، عدینہ کی ساس تو عدینہ سے بہت محبت کرتی تھی۔

عدینہ، جی آرہی ہوں، عمر کی آواز پر وہ کچن سے نکل کر کمرے میں آئی۔

جی، ادھر آؤ، ابھی شادی کو صرف 15 دن ہوئے ہیں اور تم ہو جو تم نے کچن سنبھال لیا، جی آپ فرمایئے، آپ نے آواز کیوں دی، مجھے ایک کپ کافی چاہئے، میں بنا رہی تھی ہوں تھوڑی دیر میں، یہ کہہ کر عدینہ کچن میں چلی گئی، کافی بناتے ہوئے اس نے سوچا، امی کے ہاں چلی جاؤ تھوڑی دیر کے لئے، آج اسے اپنی امی کی اور علی بھائی کی بہت یاد آرہی تھی، کافی لے کر وہ عمر کے پاس گئی، اسے کافی دے کر جانے لگی تو عمر نے کہا، تیار ہوجاؤ، کیوں! عدینہ نے ایک دم چونک کر کہا، علی کا فون آیا تھا، آپ کو بلایا ہے امی نے، ٹھیک ہے میں امی سے اجازت لے آتی ہوں، وہ کھڑی ہی ہوئی تھی کہ عمر نے اس کا ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پکڑ کر بٹھادیا، میں امی سے اجازت لے چکا ہوں، یہ کہہ کر عمر نے کہا، اب جلدی سے تیار ہوجاؤ، عدینہ نے جلدی جلدی کپڑے پہنے وہ ہلکا سا میک اپ کررہی تھی، جب اسے خیال آیا کہ علی بھائی نے مجھے کتنا اچھا جیون ساتھی دیا، عمر میرا کتنا خیال رکھتے ہیں، یہ سوچتے ہوئے اسے پتا ہی نہیں چلا کہ عمر اسے آواز دے رہا تھا، کیا ہوا ہوگئی تیار جی، بس عبایا پہن لوں، تم عبایا پہنو، میں امی کے پاس ہوں، OK، یہ کہہ کر عدینہ نے جلدی سے عبایا پہنا اور نکلنے لگی کہ اسے خیال آیا۔

☆.....☆.....☆

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ عدینہ، یہ کہتے ہوئے امی کے گلے لگ گئی، میں ٹھیک ہوں، بیٹا تم لوگ کیسے ہو، ہم بھی ٹھیک ہیں، عمر آؤ، بیٹھو، امی علی کہاں ہیں، بیٹا وہ تم لوگوں کا ہی انتظار کررہا تھا، ابھی گیا ہے نماز پڑھنے، آتا ہی ہوگا، تم لوگ باتیں کرو، میں آتی ہوں، نماز پڑھ کر عدینہ نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، السلام علیکم کیسے ہو عمر، علی نے آتے ہی عمر سے گلے ملتے ہوئے کہا، اتنے دن ہوگئے ہیں اور تم اب اپنا چہرہ مبارک دکھا رہے ہو، بس بیٹا عمر کو تو موقع دیو لنے کا، ہاں یار، بس معروفیت ہی ایسی تھی، ایسی بھی کیا معروفیت کہ ہمیں ہی بھولا دو، خیر چھوڑو، عدینہ کہاں ہے، میں یہ رہی، فرمائیے، عدینہ نے چائے نماز تہہ کرتے ہوئے کہا، علی بھائی آپ تو آسکتے تھے، ہم نہیں آئے تو تم تو مجھ سے بات مت کرو، علی نے عدینہ کو چھیڑتے ہوئے کہا، عدینہ کا چہرہ اتر گیا، تو علی جلدی سے عدینہ کے پاس گیا اور اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا، میں تو مذاق کررہا ہوں میری پیاری بہن، عدینہ روتے ہوئے علی کے گلے لگ گئی، رولا دیا میری بیوی کو تم نے، آپ کی بیوی بعد میں ہے، پہلے میری بہن ہیں، او، عدینہ! جی امی، اپنا یہ کھانا لگادو، میں بس یہ پلیٹیں دھولوں، امی آپ چھوڑیں، میں دھولوں گی، آپ جائیں کمرے میں، عدینہ نے امی کو کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا، چلیں میں آپ کو کمرے میں چھوڑ آؤں، ارے نہیں بیٹا، بس تم جلدی سے کھانا لگادو، عمر کو بھوک لگ رہی ہوگی، ٹھیک ہے امی، عدینہ نے جلدی جلدی پلیٹیں دھو کر کھانا لگایا اور سب کو آواز دی کھانے کے لئے۔

☆.....☆.....☆

آج عدینہ بہت خوش تھی، کیونکہ اقراء اور سب دوستیں آئی ہوئی تھیں اس سے ملنے، وہ ان سے باتیں کرنے میں مصروف تھی کہ اس کی ساس نے دروازہ بجاتے ہوئے کھانے کی چیزیں اور چائے وغیرہ عدینہ کی دوستوں کے سامنے رکھتے ہوئے کہا، عدینہ، عمر نہیں آیا ابھی تک نہیں، امی آج وہ تھوڑی دیر سے آئیں گے، بتا رہے تھے کہ آج زیادہ کام ہے، عمر کا، بینکر کا کام کرتا تھا، اسے آج کسی کا آرڈر دینا تھا، اس لئے وہ آج عدینہ کو بتا کر گیا تھا، امی، جی بیٹا، امی یہ سب آپ نے کیوں کیا، مجھے بلا لیتی، عدینہ نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا، بیٹا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں نے سوچا، تمہاری دوستیں اتنے دنوں کے بعد تم سے ملنے آئی ہیں، اچھا نہیں لگتا، تم انہیں چھوڑ کر کچن میں جاتی، یہ کہتے ہوئے امی چلی گئی، تو اقراء نے کہا، عدینہ تمہاری ساس تو بہت اچھی ہیں، جی میرے گھر والے الحمدللہ سب اچھے ہیں، بس مجھے یہ دوستیں اچھی نہیں ملی، کیا، سب نے ایک ساتھ مل کر کہا تو عدینہ نے کہا، میں مذاق کررہی ہوں، عدینہ اب ہم لوگ چلتے ہیں، بہت دیر ہوگئی ہے، یہ کہتے ہوئے سب جانے کے لئے کھڑے ہوگئے، عدینہ نے سب کو رخصت کیا تو کمرے میں دیکھتے ہی حیران ہوئی، یہ کیا، آپ کب آئے، جب آپ نے دیکھا، عمر نے مسکراتے ہوئے کہا، میں تھوڑی دیر پہلے آیا تھا، امی کے پاس بیٹھ گیا تھا، تبھی، عمر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، میں ہاتھ منہ دھولوں، پھر بات کرتا ہوں، کیوں کھانا نہیں کھانا، میں دوست کے ساتھ کھا کر آیا ہوں، اکیلے اکیلے، عدینہ نے ناراضگی سے کہا، نہیں میں اکیلے تو نہیں کھا کر آیا، کہا تو ہے دوست کے ساتھ کھا کر آیا ہوں، جائیے فریش ہوجائیں، میں برتن وغیرہ دھلوں، یہ کہتے ہوئے وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

عدینہ عمر سے باتیں کررہی تھی اور اسے مدرسے کے بارے میں بتا رہی تھی، اتنے میں اس کے بیٹے نے رونا شروع کردیا، عدینہ کی شادی کو دو سال ہی ہوئے تھے، اللہ رب العزت نے اسے ایک چاند سا بیٹا دیا تھا، عمر کی خواہش تھی کہ اس کے ہاں بیٹی جیسی نعمت گھر میں آئے، لیکن اللہ کو جو منظور، حسن کو عدینہ نے گود میں لیا اور عمر نے عدینہ سے ایک نئی فرمائش شروع کردی، عدینہ دیکھو نہ میری، بہت اچھی بیوی ہو، تم ہر لحاظ سے اچھی ہو، تم مجھے یہ ایک اجازت دے دو، عدینہ میری اس نیک خواہش کو تم پورا کردو، عدینہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عمر گھبرا گیا، عدینہ پلیز، ٹھیک ہے عمر! جیسے آپ کی مرضی، لیکن عدینہ تم تو روررہی ہو، عمر یہ میرے خوشی کے آنسو ہیں، تم فکر مت کرو اور تیاری کرو، میری بھی یہی خواہش تھی کہ میں، بس عدینہ پھر روتو مت اور ہاں علی اور امی بھی آج شام کو آرہے ہیں اور میں صبح چلا جاؤں گا، دروازے پر دستک کے ساتھ ہی عمر کے ابو اندر داخل ہوئے، السلام علیکم ابو! جیتے رہو بیٹا، عمر کب جارہے ہو تم، عدینہ نے عمر کی طرف دیکھا اور ہلکے سے کہنے لگی، کیا تم نے ابو اور امی کو بھی بتادیا، جی بیگم صاحبہ، یہ کہتے ہوئے تینوں ہنسنے لگے۔

☆.....☆.....☆

آج گھر میں بہت رونق تھی، عدینہ کی امی اور باقی سب گھر والے موجود تھے کیونکہ عمر آج جہاد کے لئے جارہا تھا، عمر علی کی آواز پر عمر نے سر اوپر کیا، علی کس ٹائم جاؤ گے، بس نکلنے والا ہوں، کیا ہوا عدینہ، عمر نے عدینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو رو رہی تھی، عدینہ..... عدینہ رو کے تو سہی، عدینہ اپنے کمرے کی طرف بھاگتی ہوئی چلی گئی، عمر پریشان ہو کر اس کے پیچھے بھاگا، عدینہ بدستور روتی رہی، عمر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگا، عدینہ دیکھو، اگر تم ہی میرا ساتھ چھوڑ دو گی تو پھر میں شہید کیسے ہوں گا، یہ دیکھو عدینہ میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ مجھے قبول کرے، عدینہ میرے بعد امی، ابو، حسن اور اپنا خیال رکھنا، میرے بعد تم ہی ہو، میں ان تمام کام تمہیں اس لئے سونپ رہا ہوں کہ تمہارے علاوہ یہ کام کوئی نہیں کرسکتا، عدینہ تم میری بہت اچھی بیوی ہو، میرے لئے دعا کرنا، میرے جانے کے بعد سب کو سنبھالنا، عمر عدینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سب باتیں کہہ رہا تھا اور عدینہ خاموشی سے سن رہی تھی، اور وہ یہ کیا عدینہ میرے جانے کا وقت ہوگیا، میں چلتا ہوں، عمر نے عدینہ کو اٹھاتے ہوئے کہا، علی مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا، امی ابو کی دعائیں لیتے ہوئے وہ گھر سے نکل گیا سب کو روتا چھوڑ کر۔

☆.....☆.....☆

کافی دن ہوگئے ہے عمر کو یاد کرتے ہوئے، آج پھر وہ رو رہی تھی اور دعائیں بھی کررہی تھی، موبائل پر ہلکی سب ہپ ہوئی، عدینہ نے نمبر دیکھے بغیر فون ریسو کیا، دوسری طرف انجانی سی آواز تھی، السلام علیکم عمر کا گھر، یہی ہے جی، ہاں آپ کون جی، میں سعید عمر کا دوست، آپ کو بہت بہت مبارک ہو، عمر کو اللہ نے قبول کرلیا ہے، سچ ہے اللہ جسے چاہتا ہے قبول فرماتا ہے، ان میں سے ایک عمر بھی ہے، فون رکھتے ہی وہ رو دی، پر اس دفعہ یہ خوشی کے آنسو تھے، علی اور امی بھی آگئے، یہ سن کر عدینہ اپنے کمرے میں حسن کے ساتھ لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی عمر اور اپنے نکاح کے دن، بخاری کے دن، عمر کی محبت، عمر کے آخری لفظ سوچ کر ہی عدینہ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور وہ بڑے فخر سے کہنے لگی، میں ایک شہید کی بیوی ہوں، عدینہ عمر شہید، عمر نے اسے جو کہا تھا وہ اس نے کر ہی دکھایا، سب کو سنبھال لیا، لیکن وہ اپنی یادوں میں ڈوبی رہی، شادی سے پہلے کی یادیں اور بعد کی، سچ ہے یادیں تو سمین ہوتی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نشہ اس موبائل کا

عطاء الحق قاسمی

موبائل فون کی پاکستان آمد بہت تہلکہ خیز تھی۔ لوگ حیرت سے اس آلے کو دیکھتے تھے جس کے ساتھ نہ کوئی تار تھی اور نہ کوئی سوئچ وغیرہ لگانا پڑتا تھا، اس کا سائز اور اس کا بٹس اتنا بڑا تھا کہ رئیس قسم کے "صاحب موبائل فون" اپنے ساتھ ایک ملازم رکھتے تھے جو یہ آلہ ان کے ساتھ ساتھ اٹھائے پھرتا تھا۔ میں نے پہلے دفعہ یہ آلہ ایک زمیندار کے پاس دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ دو ملازم تھے، ایک نے موبائل فون اور دوسرے نے حقہ اٹھایا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا سائز کم ہوتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قیمت میں بھی کمی آئی، اس کے باوجود یہ قیمت اتنی کم نہیں تھی کہ ہر "ایرا غیرا" خرید سکتا چنانچہ اس دور کی میری ایک ڈرامہ سریل "شب دیگ" میں ایک شخص باغ جناح میں جاگنگ کرتے ہوئے موبائل فون پر کسی سے بات کر رہا ہے۔

جس پر میرا ایک کردار "انکل کیوں" سخ پا ہو کر اس سے مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے "تم لوگ اپنی امارت کا اظہار اب سیر گاہوں میں بھی کرنے لگے ہو، تمہارا بس چلے تو تم اپنی دس دس کینال کی کوٹھیوں کو بھی پہننے لگا کر باغ جناح میں لے آؤ اور انہیں جاگنگ کے وقت بھی اپنے ساتھ رکھو" مگر اب یہی موبائل فون جو کبھی امارت کی نشانی تھی اور جسے کسی کے ہاتھ میں دیکھ کر ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے تھے۔ اب اپنی "تا قدری" کا رونا رو تا نظر آتا ہے، میں جب اس کا ماضی یاد کرتا ہوں اور اس کے حال پر نظر ڈالتا ہوں تو دھیان مسلمانوں کے عروج و زوال کی طرف چلا جاتا ہے۔ ان دنوں جس طرح مغربی حکمران جس مسلمان حکمران کو خریدنا چاہیں، اس کی "قیمت" ادا کرنے کے بعد کسی اور حکمران کو خریدنے آگے نکل جاتے ہیں، اسی طرح جس کی جیب میں چند سکے ہیں وہ موبائل فون خرید سکتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ کچھ عرصہ استعمال کرنے کے بعد کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیتا ہے جس طرح امریکہ ہمارے حکمرانوں کو استعمال کرنے کے بعد انہیں کوڑے کے ڈبے میں پھینکنے میں تامل نہیں کرتا اس وقت پاکستان کی سب سے بڑی انڈسٹری موبائل فون ہی ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق 18 کروڑ کی آبادی میں سے دس کروڑ افراد کے پاس یہ فون موجود ہے۔ یہ وہ سائنسی ایجاد ہے جو خرید کر، چھین کر یا چوری کر کے اپنے استعمال میں لائی جا سکتی ہے، بقول شخصے، ایک شخص نے اپنے دوست سے شکایت کی کہ تم میرا فون نہیں اٹھاتے، چنانچہ وہ دوسرے روز اس کا فون "اٹھا" لایا۔

موبائل فون کی جو رہی سہی عزت تھی وہ بھی اس کے

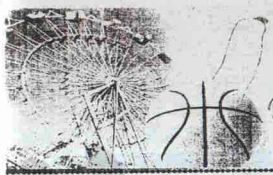
"فقرے" قسم کے خریداروں نے ختم کر دی ہے۔ وہ فون تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اسے استعمال کرنے کے لئے اس میں "بیلنس" کا ہونا ضروری ہے چنانچہ مجھے اکثر اس مضمون کا ایک ایس ایم ایس وصول ہوتا ہے۔ "برادران اسلام، میں ایک ہسپتال میں بستر مرگ پر پڑا ہوں میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ آپ کو خدا اور اس کے رسول کا واسطہ ہے۔ مجھے دس روپے کا بیلنس بھیج دیں" چنانچہ میں ہر بار اس کے نمبر پر فون کرتا ہوں تا کہ اس کی دوسری ضروریات کے بارے میں بھی دریافت کر سکوں لیکن "بستر مرگ" سے دس روپے کا "بیلنس" مانگنے والا وہ شخص فون ہی نہیں اٹھاتا، دراصل اس طرح کے لوگ قناعت پسند ہوتے ہیں۔ انہوں نے آپ سے صرف دس روپے مانگے ہیں۔ وہ آپ بھیج سکتے ہیں تو بھیج دیں۔ انہیں فون کر کے کیوں پریشان کرتے ہیں۔ اگر ایک دن میں اللہ کے ایک سو نیک بندے بھی انہیں دس دس روپے بھیج دیں تو ایک ہزار روزانہ کے حساب سے تیس ہزار روپے ماہوار بنتے ہیں۔

یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ میں نے کبھی ایسے اجنبی فون نمبر پر کال نہیں کی جس کے نتیجے میں آپ کا سارا بیلنس ادھر منتقل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ واردات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے شنید ہے کہ بیلنس کی بھیک اب خواتین بھی مانگنے لگی ہیں۔ حالانکہ وہ جانتی ہیں کہ آوارہ قسم کے لوگ بعد میں اس بیلنس کو "بیلنس" کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کی ایجاد کو اس گھٹیا سطح پر لانے میں موبائل فون کمپنیوں کی اس اشتہاری مہم کا بھی بہت حصہ ہے جو آپ کو زیادہ سے زیادہ فون استعمال کرنے پر اکساتی رہتی ہیں۔ یہ اشتہاری مہم اتنی "اشتہا انگیز" ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ فون کی طلب محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ان میں بچت کے نام پر فضول خرچی کا پیغام مضمر ہوتا ہے، چنانچہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر جب آپ ان کے بتائے ہوئے "بچت" کے منصوبے پر عمل شروع کرتے ہیں تو مہینے کے آخر میں اجنبی لوگوں کو پھر اسی قسم کے ایس ایم ایس بھیجنا پڑتے ہیں کہ "برادران اسلام۔ آپ کو خدا اور اس کے رسول کا واسطہ ہے کہ....."

میں نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ مغرب سے جو ایجاد ہمارے ہاں آتی ہے وہ اپنے ساتھ ایسا کچھ بھی لاتی ہے اور میں نے اس کی کچھ مثالیں بھی پیش کی تھیں لیکن یہ واحد ایجاد ہے جو اپنے ساتھ اپنا کچھ نہیں لائی۔ مغربی ادب آداب کے تحت کسی کو فون کرتے وقت پوچھا جاتا ہے کہ آپ اس وقت مصروف تو نہیں ہیں، کیا آپ سہولت سے بات کر سکتے ہیں؟ دوسرا اگر گرین سگنل دے تو گفتگو کا آغاز کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے۔ بہت بری طرح ٹریفک میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ کھانا کھا رہے ہیں اور لقمہ آپ کے حلق میں پھنسا ہوا ہے۔ آپ کو کھانسی کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ آپ کسی تقریب میں بیٹھے ہیں یا اسی طرح کی کسی اور "بھموڑی" میں پھنسے ہوئے ہیں کہ فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ آپ جیسے تیسے اس شریف آدمی کو بتاتے ہیں کہ میں اس وقت اس مشکل میں گرفتار ہوں۔ لہٰذا آپ سے بعد میں بات ہو گی، مگر وہ آپ کو "سوری سوری" بھی کہتا جائے گا اور اپنی بے ہودہ گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رکھے گا۔

دراصل یہ ایجاد نہیں، ایک نشہ ہے جو آپ کے لہجے کی ترشی بھی نہیں اتار پاتی۔ ہمارے ہاں ان دنوں ایک ایس ایم ایس زوروں پر ہے کہ فون پر یا عام مہمل ملاقات کے دوران ایک دوسرے کو "ہیلو" نہ کہیں کیونکہ یہ "ہیلو" دراصل HELL یعنی دوزخ سے نکلا ہے۔ اس نکتہ آفرین پر لاحول کے علاوہ اور کیا پڑھا جا سکتا ہے جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شراب، چرس، افیم اور دوسری نشہ آور چیزوں کے علاوہ موبائل فون کے "نشے" کے خلاف مہم چلائی جائے کہ یہ نشہ بھی اب قوم کو اس کی قدروں سے دور اور بداخلاقی کے نزدیک لانے کا باعث بن رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سہانا بچپن

بچپن کسی کا بھی ہو، بہ ظاہر ہر غم سے بے نیاز، ہر فکر سے آزاد، ہر پریشانی سے دور صرف بچپن ہوتا ہے۔ اس دور میں کی گئیں شرارتیں، کھیلے گئے کھیل اور کی گئی حرکتیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں، بچپن کے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کی یاد بار بار آتی ہے اور ہر بار ایک نیا لطف دیتی ہے۔ اپنی ان یادوں میں ماہنامہ حیا کی قارئات و قارئین کو بھی شامل کر لیجئے۔ ہم یہ واقعہ شکریہ کے ساتھ آپ کے نام سے شائع کریں گے۔

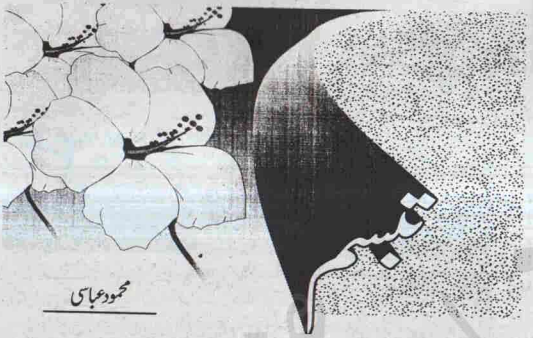
فائزہ صدیقی

اماں کی مسلسل ڈانٹ نے ہمیں دیہاتی کے طور پر جنبش کرنے پر مجبور کر دیا، مگر لحاف چھوڑ کر اٹھ جانے کے ارادے کو ہم نے فی الحال ملتوی کر دیا اور ایک مرتبہ پھر سونے کی کوشش کرنے لگے، نیند کی وادیوں میں پہنچنے ہی والے تھے کہ اچانک سعیدہ باجی کی آواز ہماری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہائے امی! کہاں ہیں آپ" سعیدہ باجی نے گھر میں داخل ہوتے ہی امی کو پکارا، آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ سعیدہ باجی رو رہی ہیں، ایسی صورت حال نے ہمیں اپنے نرم گرم بستر سے نکلنے پر مجبور کر دیا، امی نے سعیدہ باجی کو یوں اچانک اور وہ بھی روتا ہوا دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ کا اظہار کیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سعیدہ باجی کے سب سے چھوٹے فرزند لاپتہ ہیں، پھر کیا تھا فوراً ہمیں ان کی تلاش کے لئے دوڑا دیا گیا اور صرف ہمیں ہی نہیں، اماں نے محلے کی تمام خواتین کو عثمان میاں کے غائب ہونے کی اطلاع دی، جس پر محلے کی خواتین نے اپنے پورے گڈو، منو، چنو، للو، چھوٹو، موٹو سب کو ہی دوڑا دیا، یہ دیکھ کر ہمیں کچھ اطمینان ہوا کہ ہماری مدد کو بہت سے اور لوگ بھی یہاں موجود تھے اور یوں ہم سب عثمان کی تلاش میں ادھر ادھر مٹر گشت کرتے نظر آنے لگے۔

کافی دیر ادھر ادھر کی خاک چھاننے کے بعد دور ہمیں ایک بچہ نظر آیا، ہم نے ہیں ٹھہر کر اس بچے کا جائزہ لیا اور یہ کہا کہ اول تو اتنا صاف ستھرا ہمارا بھانجا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ سوچ کر کہ اتنا چھوٹا سا بچہ اتنی دور کیسے آسکتا ہے، ہم نے مزید آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ "یقیناً کسی نہ کسی کو تو عثمان اب تک مل ہی گیا ہوگا" اس خیال کا ذہن میں آنا تھا کہ ہم نے گھر کا رخ کر لیا، گھر پہنچے تو وہاں بھی سکون میسر نہ آسکا، سعیدہ باجی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہم سے رہا نہ گیا اور ہمیں بھوک سے نڈھال ہونے کے باوجود تلاش جاری رکھنا پڑی، کچھ دور ہی گئے تھے کہ خبر ملی عثمان کو منو نے ڈھونڈ لیا ہے، اس خبر کے ملتے ہی ہم نے گھر کا رخ کیا، آخر عثمان پر رعب جھاڑنے کا حق ہمیں بھی حاصل تھا، صبح سے اس کی وجہ سے ہم بھوکے پیاسے خاک چھانتے پھر رہے تھے، اس نیک ارادے کے ساتھ ہم نے گھر کا رخ کیا۔

گھر پہنچے تو ہمارے تمام ارادے بدل گئے اور کچھ اپنی غلطی محسوس ہونے لگی، کیونکہ سعیدہ باجی کی گود میں بیٹھا عثمان وہی بچہ تھا جس کو ہم دور سے دیکھ کر چھوڑ آئے تھے، حیرت انگیز طور پر آج عثمان بالکل صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس نظر آرہا تھا، بقول سعیدہ باجی کے آج انہوں نے صبح صبح ہی عثمان کو نہلا کر صاف کپڑے پہنائے تھے۔



تبسم

محمود عباسی

دو کا کروچ ICU میں لیٹے تھے۔

پہلا: یار میں تو پاؤں کے نیچے آگیا تھا، تمہیں کیا ہوا ہے؟

دوسرا: کچھ نہیں رے، ایک لڑکی مجھے دیکھ کر اتنی زور سے چلائی کہ ہارٹ اٹیک آگیا۔

☆.....☆.....☆

چار دوست بیٹھے تھے، میز پر رکھا ہوا ایک موبائل بجا۔

آدمی: Hello

بیوی: میں بازار میں ہوں، کیا میں جیلری سیٹ خرید لوں؟

آدمی: ہاں، کیوں نہیں۔

بیوی: ایک ساڑھی بیس ہزار کی مل رہی ہے، وہ لے لوں؟

آدمی: ایک نہیں دو چار ساڑھیاں لے لو۔

بیوی: تمہارا Credit card میرے پاس ہے، اسی سے لے رہی ہوں۔

آدمی: ہاں، ٹھیک ہے۔

سارے دوست بولے: کیا تو پاگل ہے۔

آدمی: وہ سب چھوڑو، یہ بتاؤ کہ یہ موبائل کس کا ہے؟

(انتخاب:.....فائزہ صدیقی، واہ کینٹ)

☆.....☆.....☆

"کیا تمہاری بیوی کا پارہ بھی چڑھتا اتارتا رہتا ہے۔"

دوست نے آہ بھر کر کہا۔

"نہیں وہ چڑھتا اترتا نہیں ہمیشہ ایک سو دس پر رہتا ہے۔"

(انتخاب:.....حنا صغیر، پی آئی بی، کراچی)

☆.....☆.....☆

ایک شخص نے دوسرے سے کہا۔

"میرے دوست کی بیوی بھاگ گئی اور دوسرے دن وہ بھی بھاگ گیا۔"

"وہ کیوں؟"

"ڈرتا تھا کہیں وہ واپس نہ آجائے۔"

(انتخاب:.....محمد یوسف خان، قصبہ کالونی)

☆.....☆.....☆

عمران: عاصم سے، آپ کہاں پیدا ہوئے۔

عاصم: سرگودھا میں۔

عمران: مگر کون سا حصہ۔

عاصم: میں سارا وہی پیدا ہوا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمران (عرفان سے) بھائی ٹینس کے بارے میں، میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔

عرفان: اچھا تو پھر یہ بتائیں کہ ٹینس کے نیٹ میں سوراخ کتنے ہوتے ہیں۔"

(انتخاب:.....عمران کاٹا، نیلم کالونی بلاشن کراچی)

☆.....☆.....☆

باپ (بیٹے سے) کیا تم نے ماچس خریدتے وقت دیکھ لیا تھا کہ ماچس بالکل ٹھیک ہے اور اس کی تیلیاں جل سکتی ہیں۔

"بیٹے نے کہا، ابا جان میں نے ساری تیلیاں جلا کر اچھی طرح چیک کی تھیں۔

(انتخاب:.....یاسر خان، خان ٹی اسٹال، کراچی)

☆.....☆.....☆

امیدوار: یہاں نوکری ملے گی؟

منیجر (سرپیٹ کر) میں تو یہ کہتے کہتے تنگ آ گیا ہوں کہ یہاں کوئی نوکری نہیں ہے۔

امیدوار: تو پھر آپ مجھے اس لئے نوکر رکھ لیں کہ میں ہر آنے والے سے کہہ دوں کہ یہاں نوکری نہیں ہے۔

(انتخاب:.....نورین آفتاب، کراچی)

☆.....☆.....☆

استاد: کیا تم ایسا کام کر سکتے ہو جو دوسرا نہ کر سکے۔

شاگرد بڑے اعتماد سے بولا: جی ہاں سر میں اپنی ہینڈ رائٹنگ پڑھ سکتا ہوں۔

(انتخاب:.....عمر حیات، سرگودھا)

☆.....☆.....☆

فقیر عورت سے بولا: "آپ کے پاس کوئی پھٹا پرانا کوٹ ہو تو مجھ غریب کو دے دو۔"

عورت نے کہا:

"مگر آپ نے جو کوٹ پہنا ہوا ہے وہ تو نیا ہے۔"

فقیر نے کہا:

"آپ کا کہنا بجا ہے بیگم صاحب، مگر اس نئے کوٹ نے ہی میرا دھندا چوپٹ کر رکھا ہے۔"

(انتخاب:.....سہیل وڑائچ، کراچی)

☆.....☆.....☆

ٹریفک سپاہی، ڈرائیور سے، میں نے اشارہ کیا تو تم رکے کیوں نہیں۔

ڈرائیور: میں سمجھا آپ سلام کر رہے ہیں۔"

(انتخاب:.....یوسف خان، بنارس کراچی)

☆.....☆.....☆

مالک: اے بدھو آج کا اخبار کہاں ہے۔

بدھو: اسے تو میں کل سے تلاش کر رہا ہوں کم بخت مل نہیں رہا۔

(انتخاب:.....کامران رضوی، نیو کراچی)

☆.....☆.....☆

مریض: ڈاکٹر صاحب میں چشمہ اتار کر دیکھتا ہوں تو مجھے ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر: شکر کرو تمہیں صرف دو نظر آتے ہیں، میں تو جب بھی چشمہ اتار کر دیکھتا ہوں ایک کے چار نظر آتے ہیں۔

(انتخاب:.....شوکت، نیلم کالونی، کراچی)

☆.....☆.....☆

استاد: لطیفہ کسے کہتے ہیں۔

شاگرد: لطیف کی بیوی کو؟

(انتخاب:.....دانش کلیم، کراچی)

☆.....☆.....☆

سیٹھ صاحب (ڈرائیور سے) کار کیوں آہستہ ہوئی ہے۔

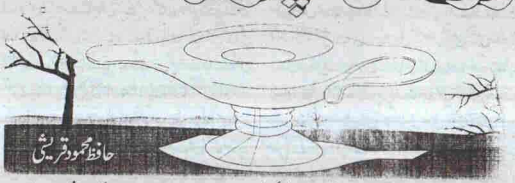
ڈرائیور: جناب گیئر بدلہ ہے۔

سیٹھ: او نمک حرام نکل جا کار سے باہر، میری موجودگی میں گیئر بدلہ ہے، اگر میں نہ ہوتا تو پوری کار بدل دیتا۔

(انتخاب:.....فیصل انور، کراچی)

☆.....☆.....☆

روشنی چراغ



حافظ محمود قریشی

ماں کا لفظ آتے ہی بے لوث محبت، شفقت اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ ماں محبت و رحمت کا سرچشمہ ہے۔ ماں کی آغوش کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں ریشم کی طرح نرم مگر وقت پڑنے پر پہاڑوں کی طرح سخت ہو جاتی ہے۔ ماں صرف ماں ہوتی ہے..... محبتیں بانٹتی اور لٹاتی ہوئی، اپنا تن من دھن نچھاور اور قربان کرتی ہوئی، چاندنی پھیلاتی ہوئی اور ہر دکھ درد اپنے دامن میں سمیٹتی ہوئی..... پرخلوص کیوں جب یہی ماں ساس بنتی ہے تو لفظ کے معنی اور حیثیت بدل جاتے ہیں۔ ماں کا لفظ اپنے اندر جو شیرینی اور حلاوت لئے ہوئے ہے، ساس میں تبدیل ہوتے ہی کڑواہٹ اور تلخی کا تاثر دینے لگتا ہے۔ ساس کا لفظ آتے ہی ایک ناخوشگواری، ایک تلخی اور ایک نفرت کا احساس ہوتا ہے۔ وہی گھر جو ماں کی محبتوں، شفقتوں اور قربانیوں سے گھر بنتا ہے، ماں کے ساس بنتے ہی ناچاقیوں، رقابتوں اور الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ماں جب ڈانٹتی بھی ہے تو لہجے میں ڈانٹ مگر چہرے پر مسکراہٹ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ ساس بنتے ہی چہرے کا زاویہ، بولنے کا لہجہ اور زبان کی مٹھاس بھی بدل جاتی ہے۔ ماں جب تھی تو سراپا رحمت اور چھاؤں تھی۔ جب ساس بنی تو رحمت زحمت میں اور چھاؤں تپش میں بدل گئی..... لیکن ایسی بے شمار ساسیں بھی ہیں جو حقیقت میں ماں کا نعم البدل ہیں اور تھیں، جن کا وجود سراپا خیر برکت اور رحمت ہے اور تھا۔ وہ تیز دھوپ میں گھنا سایہ، اندھیری رات میں روشن چراغ اور مایوسیوں میں امید کی کرن ہیں اور تھیں..... چراغ سے چراغ جلتا ہے اور نیکیوں سے نیکیاں پھیلتی ہیں۔ خیر کے اس تبرکے میں آپ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جایئے۔ یہ سلسلہ بہنوں کی دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ بھی آگے بڑھیں اور ایسی شفیق ساسوں کے متعلق ہمیں لکھ کر بھیجیں جن کے وجود سے ماں کی خوشبو اور مہک آتی ہے۔

امید ہے آپ کی نگارشات سے یہ سلسلہ سجا اور جاری رہے گا

میری روشن ہستیاں میرے والدین ہیں جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن ان کی پاکبازی اور ان کے اعمال صالحہ کی روشنیاں آج بھی میرے دل و دماغ کو منور کرتی ہیں، میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزار چلا، لیکن بچپن، لڑکپن، جوانی کے جو ادوار میں نے اپنے والدین کے زیر سایہ گزارے، ان کی یادیں آج بھی میرے دل کو گداز کرتی ہیں، میرے والدین میرے آئیڈیل ہیں، خاص کر میری والدہ جیسی نیک اور پاکباز خاتون، جس کی کل کائنات اس کا گھر، اس کا شوہر اور اس کے بچے تھے، اس کے علاوہ وہ کچھ نہ جانتی تھی، میں کیسے ان عظیم ہستیوں کا لفظوں میں حصار کروں، اگر ایسے لوگ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں، میرے والدین کا آبائی تعلق ہندوستان سے تھا، قیام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاکستان کے کافی عرصے بعد پاکستان آئے، والد اسلامی اصولوں کے پابند اور غیر شرعی کاموں کے پکے دشمن تھے تو والدہ بھی ریاضت میں ان سے کم نہ تھیں، والد غصے کے تیز اور اپنے قول وفعل میں پکے تھے، حق بات کہنے میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے، جو کہتے اس پر ڈٹ جاتے، کسی تقریب میں غیر شرعی کام ہوتا دیکھتے تو ناراضگی کا اظہار کرتے اور تقریب ادھوری چھوڑ کر گھر چلے آتے، نظم وضبط کے بہت پابند تھے، اللہ رب العزت کی محبت ان کے پور پور میں بسی ہوئی تھی، جو کام بھی ہوتا، اللہ کی رضا کے لئے ہوتا، دنیاداری کے جھمیلوں سے بہت دور، تصنع وبناوٹ کا ان کے قریب سے گزر بھی نہ ہوا تھا، پورے خاندان پر ان کا رعب اور دبدبہ تھا، اللہ رب العزت نے معاشرے میں ان کو ایک مقام عطا کیا تھا، خاندان میں کوئی بھی چھوٹا، بڑا ان کی بات سے انحراف کی جرأت نہ رکھتا، سب ان کا دل سے احترام کرتے تو اللہ رب العزت نے بیوی بھی ایسی ہی وفاشعار اور نیک عطا کی جو علم اور بردباری میں ان سے آگے تھیں، میری والدہ، بہت جہاندیدہ خاتون تھیں، والدین کا ازدواجی زندگی کا دورانیہ تقریباً 45 سال پر محیط رہا، لیکن ہم نے کبھی اپنی والدہ کو والد کی کسی بات سے انحراف کرتے نہ دیکھا، جانے وہ ان پر کتنی ہی دشوار ہوتی، والدہ ان کے ہر حکم پر سر خم کردیتیں، کبھی معمولی سی پیچیدگی بھی ان کے مابین نہ ہوئی، الحمدللہ۔

"راہ وفا میں ہر سو کانٹے دشوار زیادہ سائے کم"
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم"

کبھی والد کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولیں، کبھی بے ادب ہوکر نہ بیٹھتیں، بہت سادہ مزاج خاتون تھیں، گھر میں الحمدللہ کسی چیز کی کمی نہ تھی، لیکن ہمیشہ سادگی ہی کو اپنا شعار بنایا، ہم نے بہت کم انہیں رنگین کپڑے پہنے دیکھا، بہت سنجیدہ اور باوقار شخصیت کی مالک تھیں، ہم الحمدللہ تین بھائی اور آٹھ بہنیں اور تین بہنیں ہیں، گیارہ بہن بھائیوں کی پرورش میں اپنا آپ تج کردیا، سخت سردیوں کی ٹھٹھراتی راتوں میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرتیں اور اگر چھوٹے بہن بھائیوں کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ ناپاک ہوجاتا تو اس کو دھوتیں اور نماز فجر ادا کرتیں، والد تہجد گزار اور اللہ رب العزت کی یاد میں بہت زیادہ رونے والے اور گڑگڑانے والے تھے، اکثر وبیشتر خشیت الٰہی سے ان کی آنکھیں بھیگی رہتیں، ساری زندگی ان کو ایک ہی طرح کے لباس میں دیکھا، سفید کرتا تہبند بند اور دوپلی ٹوپی کے ساتھ پر وقار رہتا اور آخر منہ وغیرہ صاف کرنے کے استعمال میں آتا، لمبی داڑھی، ٹوپی، تسبیح، کتاب ضرور سرہانے رکھی رہتی، عمدہ کھانوں کے بہت شوقین اور اس رب کی نعمتوں کے بہت قدردان اور شکر گزار تھے، ہر ایک کو کھلا کر بہت خوش ہوتے، اجنبی اور مسافروں کا بہت اکرام کرتے، نیک صالح لوگوں اور علماء حضرات کی بہت دعوتیں کرتے اور خوش ہوتے، آئے دن رشتہ داروں کی بھی دعوتیں کرتے رہتے اور مہمان کے سامنے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے۔

"کیوں نہ میں قربان جاؤں اپنے اس مہمان پر
اپنے نصیب کا کھا رہا ہے میرے دسترخوان پر"

والدہ بھی امور خانہ داری کے گُر جانتی تھیں اور سلیقہ مند تھیں، ہر قسم کے اچار، مُربے وغیرہ گھر میں ہی بنایا کرتیں، والد پردے کے معاملے میں سخت تھے تو والدہ نے بھی کبھی انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا، کبھی گھر کے دروازے پر کھڑی نہ ہوئیں (جیسا کہ اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے) گھر سے بہت کم باہر نکلتیں، ساری زندگی میں کبھی بازار کی شکل بھی نہ دیکھی، اپنے تمام بچوں کی شادیاں بھرپور انداز میں کیں، والد ضرورت کی ہر چیز پہلے ہی لاکر رکھ دیتے، تاکہ موقع پر پریشانی نہ ہو اور ہر چیز کا خیال رکھتے، عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ اپنے میکے ہندوستان گئیں، واپسی پر بھائیوں نے بطور ہدیہ سونے کنگن دیئے جو بہوؤں کے واسطے اٹھا کر رکھ دیئے، ساری زندگی قناعت، صبر اور سادگی میں گزار دی، آخری وقت میں وفات سے چند روز قبل کردوں کی خرابی کی بناء پر ڈائلیسز کٹوں نے ڈائلیسز کا مشورہ دیا اور کہا کہ یہ ضروری ہے، جب ان کو پتا چلا تو کسی طور پر راضی نہ ہوئیں، بس اسی خوف کو دامن گیر رکھا کہ ڈاکٹر (نامحرم) مجھے ہاتھ

لگائیں گے اور اکیلے کمرے میں لے جائیں گے، میں کسی صورت نہ جاؤں گی، اپنے رب کے احکامات پر جان دینے والی کا اس کے رب نے بھی بھرم رکھا اور اس وقت سے پہلے ہی انہیں اپنے پاس بلالیا۔

میرے چرخِ نیلی نام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کیب گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

والد بھی وفات سے پہلے چالیس روز تک علیل رہے، انہیں اپنی موت کا علم ہوچکا تھا، بس ذکر الٰہی میں مشغول رہتے، وفات سے تقریباً 10 دن قبل ان کے ہاتھ پاؤں اور دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا، مگر اللہ کی قدرت کہاں تو وہ اپنی طاقت سے ہل جل بھی نہ سکتے تھے، بول بھی نہ سکتے تھے، لیکن بعض دفعہ وضو اور نماز کے طریقے پر ان کے ہاتھ پیر حرکت کرنے لگتے، کبھی آنکھیں بند کرلیتے، کبھی کھل جاتیں، چھت کی طرف دیکھتے، مسکراتے اور پھر آنکھیں بند کرلیتے، اسی حالت میں ان کی وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ رب العزت میرے والدین کی مغفرت فرمائیں، ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں، انہیں روزِ محشر اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے اور جنت میں انہیں وہ اعلیٰ مقام عطا فرمائے کہ جس پر اصل جنت بھی رشک کریں، آمین۔

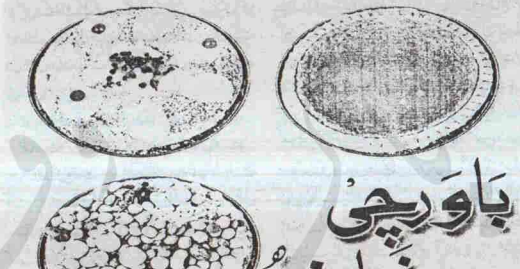
"دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
سب کے ساتھ رہ کر بھی سب سے جدا رہے
کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
انہی میں تجھ سے طلب گار تیرے رہے"

☆.....☆.....☆

روشن چراغ میں جس شخصیت پر قلم اظہار ہی ہوں، اس شخصیت کا تذکرہ آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ بہن "اقراء یونس" نے اپنے خیالات بہت اچھے بیان کئے، مگر میں نے جب سے پڑھا مایک بات میرے دل میں اچھلتی اور زبان پر مچلتی رہتی ہے "محترمہ باجی حفصہ صلیہ" پر لکھنے کی جسارت کروں، مگر یہی ڈر رہا کہ باجی صلیہ ڈانٹیں گی، کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ باجی صلیہ کو ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں، باجی کو اگر کہوں کہ آپ تو اتنی اچھی ہیں تو باجی خوش ہونے کی بجائے کہتی ہیں کہ اللہ اچھا بنائے، باجی نے ایک دفعہ کسی بات پر ہماری کلاس کے بارے کہا تھا کہ مجھے گمنامی پسند ہے، اللہ کے ہاں شہرت ہو، عزت ہو، دنیا کی شہرت کیا کرنی ہے" یہ انسان کو تکبر میں مبتلا کردیتی ہے، جب اقراء، بہن کا مضمون پڑھا تو سوچا کہ باجی کو شاید پتہ نہ چلا ہو، پھر میں نے قلم کاغذ سنبھال لی، کیونکہ میرا مقصد کوئی اور نہیں صرف قاریات کا اچھائی کا نمونہ پیش کرنا چاہتی ہوں، شاید یہ پڑھ کر کسی قاریہ کی ذہنیت بدل جائے، میں معذرت کے ساتھ کہتی ہوں کہ میں اپنا نام نہیں لکھوں گی، کیونکہ مجھے باجی سے ڈر لگتا ہے کہ میں جب باجی سے ملنے جاؤں تو باجی ناراض نہ ہوں، میں کہتی ہوں کہ اقراء صاحبہ نے "باجی حفصہ صلیہ" کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ شاید اس سے بھی زیادہ کی مستحق تھیں، کہتے ہیں کہ ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہوتی ہیں، حیرت کی بات تو یہ ہے کہ باجی لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج کے مطابق پیش آنے والی ہیں، محترمہ اقراء نے تو کہا ہے ناں کہ باجی قہقہہ نہیں لگاتیں، بجا کہا..... باجی مزاجیہ لوگوں کے ساتھ مزاحیہ ہوتی ہیں، سنجیدہ لوگوں کے ساتھ سنجیدہ، بچوں کے ساتھ بچوں جیسی اور بڑوں کے غموں، دکھوں میں تسلی دینے والی ہیں، باجی کی شاگردی اختیار کرنے کا موقع مجھے بھی ملا، بعض اوقات احادیث کا سبق پڑھاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے کے لئے بے چین ہوتے مگر مہارت دیکھو کہ لڑھکنے نہ دیتیں کہ تکبر کا شائبہ نہ ہو، ایک دفعہ میں نے کہا کہ باجی آپ تو عمل کرتی ہیں، دعا کیا کریں کہ ہمیں بھی نصیب ہو، باجی نے فوراً کہا مایے نہ کہو، اللہ بنائے ہمیں باعمل۔ زیادہ نہیں لکھوں گی، کیونکہ میرے دل میں کھٹک رہا ہے کہ باجی ناراض ہوں گی، میری گزارش قاریات سے کہ باجی کے لئے اور ہم سب کے لئے دعا کیا کریں، اللہ باجی کو اور ہم سب کو اپنے دین کے لئے قبول کرے۔ (آمین)

(بنت محمد ابراہیم)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بیٹھا بیٹھا کھاؤ، بیٹھا بیٹھا بولو کیوں کہ بیٹھے بول میں جادو ہے۔

سیخ کباب

اشیاء:

قیمہ.....ایک کلو (ایک بار مشین سے نکلا ہوا)
کچا پپیتا (پسا) .....دو چائے کے چمچے (چھلکوں سمیت)
پیاز.....دو چائے کے چمچے (براؤن کریں)
ادرک لہسن پیسٹ.....دو چائے کے چمچے
تکہ مصالحہ.....تین کھانے کے چمچے
نمک.....حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر.....چائے کا چمچہ
لیمن جوس.....دو چائے کے چمچے
دہی.....دو چائے کے چمچے
تیل.....دو چائے کے چمچے
مکھن.....سیخوں پر لگانے کیلئے

ترکیب:

قیمہ میں کچا پپیتا، پیاز، ادرک لہسن، پیسٹ، نمک، مصالحہ، نمک، لال مرچ پاؤڈر، لیمن جوس، دہی اور تیل لگا کر کم از کم تین گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ پھر سیخوں پر چڑھا کر آگ پر سینکیں۔ وقفے وقفے سے مکھن سے برش کرتے رہیں۔ اگر سینک نہ سکیں تو فرائی پین میں ہلکا مکھن اور تھوڑا تیل ڈال کر فرائی بھی کر سکتے ہیں، بہت مزیدار سیخ کباب ٹماٹو کیچپ کے ساتھ آپ کی خوشیوں کو ضرور دوبالا کردے گا۔

☆.....☆.....☆

ریشمی کباب زعفرانی

اشیاء:

قیمہ.....ایک کلو
انڈے (پھینٹے ہوئے).....دو عدد
زیرہ پاؤڈر.....دو چائے کے چمچے
پیلا مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
نمک.....حسب ذائقہ
کاجو پیسٹ.....تین کھانے کے چمچے

ادرک پیسٹ.....چار چائے کے چمچے
کچی پیاز کا پیسٹ.....چار چائے کے چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
زعفران.....ایک چٹکی (گرم دودھ میں حل کرلیں)
(زعفران کو دودھ کے تین چمچے گرم دودھ میں حل کرلیں)
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا).....چار چائے کے چمچے
پنیر (کدوکش کی ہوئی).....سو گرام
تیل.....چار چائے کے چمچے

ترکیب:

قیمے میں انڈے، ذیرہ پاؤڈر، پیلا مرچ پاؤڈر، سفید مرچ پاؤڈر، نمک، کاجو، ادرک، کچی پیاز، گرم مصالحہ پاؤڈر، زعفران، ہرا دھنیا اور پنیر کو اچھی طرح مکس کرلیں۔ سلاخوں پر قیمے کے لیے کباب بنالیں، آگ پر سینکیں یا پھر اوون میں تیار کریں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد تیل کا پچارہ لگائیں۔ اور براؤن ہونے تک آگ پر رکھ کر پکائیں، سلاخوں سے اتار کر گرم گرم سرو کریں۔

☆.....☆.....☆

ہنٹر بیف

اشیاء:

گوشت.....دو کلو کا ٹکڑا
قلمی شورہ.....ایک چائے کا چمچہ
نمک.....چار چائے کے چمچے
کالی مرچ.....آدھا چائے کا چمچہ
کچی شکر (براؤن).....چار چائے کے چمچے
بڑی الائچی.....ایک عدد

ترکیب:

گوشت دھو کر خشک کرلیں، اب گوشت پر لگانے کے لئے مصالحہ تیار کریں۔ نمک، کالی مرچ، کچی شکر اور بڑی الائچی کو قلمی شورہ کے ساتھ باریک پیس لیں، ایک لیموں مصالحہ میں نچوڑ کر پیسٹ بنالیں تمام مصالحہ جات گوشت پر ملیں اور اسے فریج میں رکھ دیں۔ تقریباً پانچ گھنٹے تک تاکہ مصالحہ گوشت میں اچھی طرح جذب ہوجائے اب ایک پتیلی میں دو پیالی پانی ڈال کر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیں، جب تک پانی خشک نہ ہو اسے دھیمی آنچ پر پکائیں اور اس دوران گوشت الٹتی پلٹتی رہیں، اگر گوشت پھر بھی کچا رہ جائے تو ایک پیالی پانی ڈال کر مزید پکائیں، جب یہ گل جائے اور پانی خشک ہوجائے تو ایک پھیلی ہوئی ڈش میں نکال کر چھری گرم کرکے گوشت کے چوکور پارچے کاٹ لیں، اگر آپ انہیں خستہ اور سخت بنانا چاہتی ہیں تو تھوڑا سا تیل فرائی پین میں ڈال کر پارچے تل لیں، انار دانے کی چٹنی، رائتہ اور کیچپ کے ساتھ نوش کرسکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

پشاوری مصالحہ کباب

اشیاء:

قیمہ.....آدھا کلو (دو دفعہ مشین سے نکلا ہوا)
انڈا.....ایک عدد (پسا ہوا)
بیسن.....ایک کھانے کا چمچہ
نمک.....حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر (پسا ہوا).....ایک عدد
ہری مرچ.....تین یا چار عدد (باریک کٹی ہوئی)
ثابت دھنیا.....ایک چائے کا چمچہ (کرش کرلیں)
کڑی کے لئے:
ٹماٹر.....ایک کلو (چوپ کرلیں)
پیاز (بڑی).....ایک عدد (چوپ کرلیں)
پانی.....دو کپ
لیموں.....ایک عدد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمک.....حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ.....ایک چائے کا چمچہ
لہسن پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا.....حسب ضرورت (باریک کٹا ہوا)
تیل (تلنے کیلئے).....حسب ضرورت

ترکیب:

قیمہ میں انڈا، بیسن، نمک، کالی مرچ پاؤڈر، ٹماٹر، ہری مرچ اور ثابت دھنیا کُٹ کس کریں، اس کے لئے سیخ کباب بنالیں، تیل گرم کریں اور کبابوں کو گرم تیل میں فرائی کرلیں، تلنے کے بعد نکال کر حسب ضرورت ٹکڑے کرلیں، ایک دیگچی میں ٹماٹر، پانی ڈال کر پکا کر گلالیں، اس میں لیموں کا رس، نمک، مرچ شامل کر کے گرانٹیڈ کرلیں۔

ایک دیگچی میں آدھا کپ تیل گرم کریں، زیرہ ڈالیں کڑکڑانے لگے تو پیاز ڈال کر براؤن کرلیں، اس کے بعد لہسن ڈالیں، ایک منٹ کے بعد کٹے ہوئے کباب، ٹماٹر پیسٹ ڈالیں، 10 منٹ ہلکی آگ پر پکائیں، تیل الگ ہوجائے تو ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا چھڑک کر گرم سرو کریں۔

☆.....☆.....☆

سیخ کڑی مصالحہ

اشیاء:

قیمہ (مشین کا باریک).....آدھا کلو
ادرک لہسن پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
نمک.....آدھا چائے کا چمچہ
دھنیا (کٹا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ (بھون کر زیرہ (بھنا اور پسا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ
انڈا.....ایک عدد (پھینٹ کر)
ڈبل روٹی کے سلائس.....دو عدد (دودھ یا پانی میں بھگو کر)
قیمہ میں ادرک لہسن پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر لگا کر آدھا گھنٹہ رکھ دیں، اس کے بعد پھر سیخوں پر لگا کر کوئلے پر سینک لیں یا پھر اوون میں 20-25 منٹ 180 ڈگری پر بیک کرلیں۔

برائے گریوی:

پیاز.....ایک کپ موٹی کاٹ کر
پانی.....1/4 کپ
ہلدی پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
(پیاز میں پانی اور ہلدی ڈال کر ابال لیں پھر بلینڈ کرلیں)
تیل.....آدھا کپ
لال مرچ پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
نمک.....ایک چائے کا چمچہ
ادرک لہسن پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
دہی.....آدھا کپ
ٹماٹر.....تین یا چار عدد (کاٹ کر)
کھوپرا پاؤڈر.....دو کھانے کے چمچے (بلینڈ کرلیں)
ہری مرچیں.....دو یا تین عدد
ادرک.....دو کھانے کے چمچے (باریک کاٹ لیں)
مکھن.....دو یا تین کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (کاٹ لیں).....دو یا تین عدد

ترکیب:

دیگچی میں مکھن اور تیل گرم کریں، پیاز کا آمیزہ، ادرک لہسن اور ٹماٹر ڈال کر بھونیں اس کے بعد لال مرچ پاؤڈر، نمک، گرم مصالحہ پاؤڈر، دہی اور کھوپرا پاؤڈر ڈال کر بھونیں، جب تیل اوپر آنے لگے تو سیخ کباب مصالحے میں ڈال کر ادرک، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر دم پر رکھ دیں۔

☆.....☆.....☆



قارئین کے قلم سے

''ماہنامہ حیا'' کی قاریات کے لئے ایک رنگا رنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ''گلدستہ حیا'' آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

مسلمانوں کے اخلاق

☆.....حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے شام کے کئی بڑے بڑے شہروں کو فتح کرلیا، شام کا ملک روی سلطنت کا حصہ تھا، جب روم کے بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی فوجیں ہر جگہ مسلمانوں سے ہار رہی ہیں تو اس کو سخت غیرت آئی اور اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ اپنی ساری طاقت جمع کر کے مسلمانوں کو ہر قیمت پر شام سے نکال دیا جائے، چنانچہ اس نے اپنی سلطنت کے ہر حصے سے فوجیں طلب کیں، یہ سب فوجیں شام کے شہر انطاکیہ میں جمع ہوگئیں، اس طرح ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوگیا، جس کے پاس بے انتہا ساز و سامان تھا، ادھر مسلمانوں کو رومیوں کی فوجی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ شام کے جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہوچکا ہے، وہاں سے فوجیں نکال لی جائیں اور وہاں کے عیسائی اور دوسرے غیر مسلم باشندوں کو وہ روپیہ واپس کردیا جائے جو ان سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیا گیا تھا، اس رقم کو جزیہ کہا جاتا ہے، پھر یہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہوکر انطاکیہ میں جمع ہونے والے رومی لشکر کا مقابلہ کریں، اس فیصلے کے مطابق مسلمانوں نے جن جن شہروں کو خالی کیا، وہاں کے باشندوں کو جزیے کی وہ ساری رقم واپس کردی جو ان سے وصول کی گئی تھی، مسلمانوں کے اس اعلیٰ اخلاق کا ان لوگوں پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رونے لگے، ان کے مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے سب رو رو کر مسلمانوں کو دعائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے مسلمانو! اللہ تمہیں فتح دے اور واپس لائے۔ مسلمانوں کا یہی اخلاق تھا جس نے دشمنوں کے دل موہ لئے اور انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں سارا شام فتح کرلیا۔

(انتخاب: ..... فائزہ صدیقی، واہ کینٹ)

☆.....☆.....☆

طلب سچی ہو تو منزل دور نہیں

☆..... ان سے ملنے کا شوق تو بہت زیادہ تھا، کئی مرتبہ ارادہ بھی کیا ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا، پر کوئی موقع نہ مل سکا اور کچھ اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے لمبا سفر نہیں کرسکتی تھی، پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مجھے میرے خاوند نے بتایا کہ وہ ہمارے قریب ایک شہر فتح پور میں تشریف لا رہی ہیں، میری تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، خدا خدا کر کے وہ دن آ ہی گیا، پھر ہم نے وہاں جانے کی تیاری شروع کی۔ "سارا" کو جلدی سے تیار کیا، پھر وقت پر ہم وہاں پہنچ گئے، وہاں دیکھا تو لوگوں کا کافی اژدھام تھا، میری نظریں چاروں طرف گھما کر تلاش کرنا چاہ رہی تھیں، جس کو تلاش کرنا چاہ رہی تھیں وہ آخر مل ہی گئی، کچھ دیر کے بعد ان کا بیان شروع ہوگیا، ان کا بیان بہت سادہ عام فہم مگر پُر تاثیر تھا، بیان کا انداز اتنا تاثیر بن تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ یہ ختم ہی نہ ہو، وہ پوری کی پوری سادگی کا شاہکار تھیں، سادہ لباس ہر قسم کی آرائش سے بری تھیں، دیکھ کے بہت خوشی و حیرت ہوئی کہ اللہ پاک نے جتنا رتبہ بلند کیا ہے، اتنی ہی عاجزی عطا کی ہے۔ سبحان اللہ..... جیسے ہی بیان ختم ہوا، وہ مہتمم مدرسہ کے گھر کی طرف تشریف لے گئیں، میں جلدی سے ان کے پیچھے سے لپکی، ان سے مصافحہ کیا، نماز عصر کی جلدی تھی، لہٰذا ان سے مزید بات نہ ہوسکی، تشنگی باقی تھی گفتگو کرنے کی، سو میں نے ان کی نماز کے اختتام کا انتظار کیا، جیسے ہی وہ نماز سے فارغ ہوئیں، میں ان سے دوبارہ مصافحہ کا شرف حاصل کیا، پھر ان سے گفتگو کی، ان کی خیریت دریافت کی، ان کو یاد دلائی کہ آپ سے میری تین چار بار فون پر بات ہوچکی ہے، آپ نے 10 محرم الحرام کو میرے نکاح والے دن بھی مبارکباد دی تھی، پھر انہیں کچھ مزید باتیں یاد کروائیں، ان کے بات کرنے کا انداز بہت ہی شفیقانہ تھا، ان کے چہرے پر بہت نورانیت تھی اور خصوصاً جب وہ مسکراتی تھیں تو بہت حسین لگتی تھیں..... بہت میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی تھیں، پھر انہیں جانے کی جلدی تھی، ان سے دعاؤں کی درخواست کی، میں نے اپنی بیٹی "سارا" کے سر پر ان سے ہاتھ پھروایا۔ آتے ہوئے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، پھر خوشی خوشی گھر آگئے.....

قارئین کرام! میں نے ابھی تک تو آپ کو بتایا نہیں کہ وہ عظیم شخصیت تھیں کون؟ جی ہاں، جی وہ عظیم خاتون تھیں "ام حسان صاحبہ" خطیب لال مسجد حضرت مولانا (محمد) عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم کی اہلیہ محترمہ..... میری بہنو! اگر آپ کسی چیز کا شوق رکھتے ہوں اور طلب بھی سچی ہو تو منزل ضرور ہی مل جایا کرتی ہے۔

(مراسلہ: ..... زبیدہ مولانا محمد اصغر نعمانی، ضلع لیہ)

☆.....☆.....☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مبارک

☆..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شام کی مہم سر کرنے میں مصروف تھے، ایک دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بطور تفریح دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر 20 ہزار عیسائیوں کی فوج پر حملہ کیا، جب یہ لوگ

(صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کفار کے لشکر کے پاس پہنچے تو انہیں کفار نے چاروں طرف سے اس طرح گھیر لیا، جیسے ایک سفید بادل کو لاکھوں سیاہ بادل گھیرتے ہیں، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں غبار کے اڑنے کے سبب کچھ نظر نہ آتا تھا، سوائے تلوار چلانے کے کچھ خبر نہ تھی، یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ تلوار چلاتے چلاتے شل ہوگئے، بعض صحابہؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا، اے خالد! آج ضرور کفار کے ہاتھوں ہماری شہادت ہے، کیونکہ ہم دس ہیں اور دشمن ساٹھ ہزار سے زیادہ، یہ سن کر حضرت خالدؓ نے فرمایا..... لوگو! تم اللہ ذوالجلال پر بھروسہ کرو اور گھبراؤ نہیں، اس لئے کہ میرے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک ہے، جب اور جس وقت میرے پاس تبرک ہوتا ہے، ضرور میں جنگ میں غالب آتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے کہا، کہ وہ تبرک کیا ہے، خالدؓ نے فرمایا کہ میرے سر کی ٹوپی میں کچھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال ہیں۔ اے لوگو! بارہا کا تجربہ ہے کہ جب وہ ٹوپی میرے پاس ہوتی ہے تو کبھی میں مغلوب نہیں ہوتا، یہ فرما کر جو خالدؓ نے اپنا ہاتھ سر کی طرف اٹھا کر دیکھا تو قضاء الٰہی سے وہ ٹوپی حضرت خالدؓ اپنے خیمہ میں رکھی ہوئی چھوڑ آئے تھے، جب ٹوپی حضرت خالدؓ کو سر پر نہ ملی، ایک سناٹا چھا گیا، فرمایا، اے لوگو! آج ضرور ہماری قضا آئی ہے، کیونکہ وہ فتح و نصرت کا سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ٹوپی میرے پاس موجود نہیں ہے، افسوس کہ میں اسے خیمہ ہی میں بھول آیا، لیکن اب مارکر مرنا مناسب ہے، جب تک جان ہے لڑو۔ یہ معرکہ ٹھیک دوپہر کے وقت تھا، اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ اپنے لشکر میں آرام فرما رہے تھے کہ یک بیک غیب سے آواز آئی کہ اے ابوعبیدہؓ! تو آرام کرے اور خالدؓ غفار کے گھیرے میں گھر گیا ہو، اٹھ جلد ان کی مدد کو پہنچ۔ یہ سن کر حضرت ابوعبیدہؓ اٹھے اور غل مچا کر لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ لوگو! جلد چلو، دیکھو خالد بن ولید کل دس آدمیوں کی تعداد کے ساتھ ساٹھ ہزار کا مقابلہ کر رہے ہیں اور عنقریب ان کی شہادت ہوا چاہتی ہے، یہ آواز سن کر سارا لشکر کمر بستہ ہو کر اس طرف روانہ ہوا، حضرت ابوعبیدہؓ نے دیکھا کہ چند سوار لشکر کے آگے بھاگے چلے جاتے ہیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے آواز دے کر ان سواروں کو روک کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں جاتے ہو، ایک سوار ان میں سے نکل کر آیا اور کہا، اے سردار! میں بی بی ہوں حضرت خالدؓ کی اور یہ میری سہیلیاں ہیں، ہم آپ کی آواز سن کر خالدؓ کی مدد کو جاتے ہیں، یہ سن کر حضرت خالدؓ کی بی بی سے حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اچھا تم نہ جاؤ، لشکر کے ساتھ چلو، حضرت خالدؓ کی بی بی نے کہا کہ مجھے اور کام ضروری ہے، اس لئے میں پہلے جاتی ہوں، پوچھا، وہ کیا کام ہے، حضرت خالدؓ کی زوجہ نے کہا کہ اے سردار! جب آپ نے آوازدی کہ خالدؓ ساٹھ ہزار کے گھیرے میں ہیں تو میں نے کہا کہ خالدؓ اگر ساٹھ لاکھ کے گھیرے میں گھر جائیں تو بھی فتح خالدؓ ہی کی ہوگی، کیونکہ ان کی ٹوپی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے بال ہیں، لیکن یک بیک جو میری نظر پڑی تب میں نے دیکھا کہ وہ متبرک ٹوپی خیمہ میں رکھی ہے، میں نے جان لیا کہ آج خالدؓ زندہ نہ آئے گا، اس خیال میں سے نے جلد گھوڑے پر سوار ہو کر خالدؓ کے پاس جانے کا ارادہ کیا کہ شاید اگر خالدؓ کو بچانا ہوگا تو یہ تبرک خالدؓ تک پہنچ جائے گا، یہ تھوڑا سا کلام کر کے حضرت خالدؓ کی زوجہ فوراً کفار کے لشکر کی طرف دوڑی، وہاں پہنچ کر سوائے گرد و غبار کے کچھ نظر نہ آیا، مگر اس غبار میں تلواریں بجلی کی طرح چمکتی محسوس ہوتی تھیں، حضرت خالدؓ کی زوجہ اس گھمسان میں گھس گئیں، جب لشکر کے اندر پہنچیں تو حضرت خالدؓ کی اللہ اکبر کہنے کی آواز سنی، دوڑ کر وہ متبرک ٹوپی حضرت خالدؓ کو دی، حضرت خالدؓ نے وہ ٹوپی لے کر اپنے سر مبارک پر رکھی، ٹوپی کا سر پر رکھنا تھا کہ اس کلاہ مبارک سے ایک بجلی جو نور میں سے آسمان تک پھیل گئی، اس چمک سے کفار کی آنکھیں اندھی ہوگئیں اور وہ میدان سے بھاگ نکلے، پھر تھوڑی دیر میں مسلمانوں کا لشکر بھی حضرت ابوعبیدہؓ کی ہمراہی میں آن پہنچا، پھر تو ہزارہا کفار کو واصل جہنم کیا، کفار بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسلامی لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔ سبحان اللہ حسن مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں یہ برکت رکھی گئی تھی، خدا جانے ان ذات خاص میں کیا برکت ہوگی۔ (افضل المواعظ)

(انتخاب:.....سیدہ عطیہ، میانوالی)

☆.....☆.....☆

دو سوکنوں کا تقویٰ

☆.....بغداد میں ایک بہت بڑا سوداگر رہتا تھا، وہ بڑا ہی دیانت دار و ہوشیار تھا، خدا نے اس کا کاروبار خوب ہی چمکایا تھا، دور دور سے خریدار اس کے یہاں پہنچتے اور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے، اپنی کے ساتھ ساتھ خدا نے اس کو گھریلو سکھ بھی دے رکھا تھا، اسکی بیوی نہایت خوب صورت، نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی، سوداگر بھی دل و جان سے اس کو چاہتا تھا اور بیوی بھی سوداگر پر جان چھڑکتی تھی اور نہایت عیش و سکون اور میل محبت کے ساتھ ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ سوداگر کاروباری ضرورت سے کبھی کبھی باہر بھی جاتا اور کئی کئی دن گھر سے باہر بسر کرتا، بیوی یہ سمجھ کر کہ یہ گھر سے غائب رہنا کاروباری ضرورت سے ہوتا ہے، مطمئن رہتی، لیکن جب سوداگر جلدی جلدی سفر پر جانے لگا اور زیادہ زیادہ دنوں تک گھر سے غائب رہنے لگا تو بیوی کو شک ہوا اور اس نے سوچا ضرور کوئی راز ہے۔ گھر میں ایک بوڑھی ملازمہ تھی، سوداگر کی بیوی کو اس پر بڑا بھروسہ تھا اور اکثر باتوں میں وہ اس ملازمہ کو اپنا راز دار بنا لیتی، ایک دن اس نے بڑھیا سے اپنے شک کا اظہار کیا اور بتایا کہ مجھے بہت بے چینی ہے، بڑھیا بولی: ارے بی بی! آپ پریشان کیوں رہی ہیں؟ پریشان ہوں آپ کے دشمن، آپ نے اب کہا ہے، دیکھیے میں چٹکی بجانے میں سب راز معلوم کر لیتی ہوں اور بڑھیا تو یہ کہہ کر چلی گئی اور جب سوداگر گھر سے نکلا تو یہ بھی پیچھے لگ گئی اور آخر کار اس نے پتہ لگا لیا کہ سوداگر صاحب نے دوسری شادی کر لی ہے اور یہ گھر سے غائب ہو کر اس نئی بیوی کے پاس عیش کرتے ہیں، بڑھیا یہ راز معلوم کر کے آئی اور بی بی صاحبہ کو سارا قصہ سنایا، سنتے ہی بی بی کی حالت غیر ہو گئی، سوکن کی جلن مشہور ہی ہے، لیکن جلدی ہی اس کی بیوی نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سوچا کہ جو کچھ ہونا تھا، سو ہو ہی چکا ہے، اب میں خواہ مخواہ پریشان ہو کر اپنی زندگی کیوں اجیرن بناؤں اور اس نے میاں پر قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اس راز سے واقف ہے، وہ ہمیشہ کی طرح سوداگر کی خدمت کرتی رہی اور اپنے برتاؤ اور خلوص و محبت میں ذرا فرق نہ آنے دیا، دوسری طرف شریف سوداگر نے بھی اپنی بیوی کے حقوق میں کوئی کمی نہ کی، اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آنے دی اور ہمیشہ کی طرح اسی خلوص و محبت سے بیوی کے ساتھ سلوک کرتا رہا، شوہر کے اس نیک برتاؤ نے بیوی کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور اس نے یہ طے کر لیا کہ وہ شوہر کے اس جائز حق میں ہرگز روڑا نہ بنے گی، اس نے سوچا کہ آخر میاں مجھ سے ظاہر کر کے بھی تو دوسرا نکاح کر سکتا تھا، میاں نے اس طرح چھپا کر یہ نکاح کیوں کیا؟ اسی لئے کہ میرے دل کو تکلیف ہوگی، میں سوکن کے جلاپے کو برداشت نہ کر سکوں گی، کتنا پیارا ہے میرا شوہر، اس نے میرے نازک جذبات کا کیسا خیال رکھا، پھر اس نے نئی دلہن کی محبت میں مست ہو کر میرا کوئی حق بھی تو نہیں مارا، اس کے سلوک اور محبت میں بھی تو کوئی فرق نہیں آیا، آخر مجھے کیا حق ہے کہ میں اس کو اس حق سے روکوں، جو خدا نے اس کو دے رکھا ہے، مجھ سے زیادہ ناشکرا اور نالائق کون ہوگا جو ایسے مہربان شوہر کے جائز جذبات کا لحاظ نہ کرے اور اس کے دل کو تکلیف پہنچائے، بیوی یہ سوچ کر بالکل ہی مطمئن ہو گئی، سوداگر بیوی کا خوش گوار سلوک اور محبت کا برتاؤ دیکھ کر یہی سمجھتے رہے کہ شاید خدا کی اس بندی کو یہ راز معلوم نہیں ہے اور پوری احتیاط کرتے رہے کہ کسی

طرح معلوم نہ ہونے پائے اور دونوں ہنسی خوشی پیار و محبت کی زندگی گزارتے رہے، آخر کچھ سالوں کے بعد سوداگر کی زندگی کے دن پورے ہوئے اور ان کا انتقال ہو گیا، سوداگر نے چونکہ دوسری شادی شہر سے دور بہت خاموشی سے کی تھی، اس لئے اس کے رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی یہ راز معلوم نہ تھا، سب یہی سمجھتے رہے کہ سوداگر کی بس یہی ایک بیوی تھی۔ چنانچہ جب ترکے کی تقسیم کا وقت آیا تو لوگوں نے یہی سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا اور اس نیک بیوی کو اس کا حصہ دے دیا، سوداگر کی بیوی نے بھی اپنا حصہ لے لیا اور یہ پسند نہ کیا کہ اپنے مرے ہوئے شوہر کے اس راز کو فاش کرے جو زندگی بھر سوداگر نے لوگوں سے چھپایا، لیکن اس نیک بیوی نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ وہ سوداگر کی دوسری بیوی کا حق مار بیٹھے، بے شک کسی کو یہ خبر نہ تھی اور نہ اس کی طرف سے کوئی دعویٰ کرنے والا تھا، لیکن اس خدا کو تو سب کچھ معلوم تھا، جس کے حضور ہر انسان کو کھڑے ہو کر اپنے اچھے، برے اعمال کا جواب دینا ہے، سوداگر کی بیوہ یہ سوچ کر کانپ گئی اور اس نے یہ طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو گا، وہ اپنے حصے میں سے آدھی رقم ضرور اپنی سوکن بہن کو بھجوائے گی اور اس نے ایک نہایت معتبر آدمی کو یہ ساری بات بتا کر اپنے حصے میں سے آدھی رقم حوالے کی اور اپنی سوکن کے پاس روانہ کیا اور اس کے یہاں کہلوا بھیجا کہ افسوس آپ کے شوہر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے، مجھے ان کی جائیداد اور ترکے میں سے جو کچھ ملا ہے، اسلامی قانون کی رو سے آپ اس میں برابر کی شریک ہیں، میں اپنے حصے کی آدھی رقم آپ کو بھیج رہی ہوں، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گی، یہ پیغام اور رقم بھیج کر نیک بیوی بہت مطمئن تھیں، ان کو ایک روحانی سکون تھا، کچھ ہی دنوں میں وہ شخص واپس آ گیا اور اس نے وہ ساری رقم واپس لا کر سوداگر کی بیوہ کو دی، سوداگر کی بیوہ فکر مند ہوئیں اور وجہ پوچھی، قاصد نے جیب سے ایک خط نکالا اور کہا کہ اس کو پڑھ لیجئے، اس میں سب کچھ لکھا ہے، آپ فکر مند نہ ہوں۔

سوکن کا سبق آموز خط:..... پیاری بہن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! مجھے آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے بڑا رنج ہوا کہ آپ کے اچھے شوہر کا انتقال ہو گیا اور آپ ان کی سر پرستی سے محروم ہو گئیں، خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کی بارش فرمائے، میں کس دل سے آپ کے خلوص و ایثار کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ان کے ترکے میں سے اپنے حصے کی آدھی رقم مجھ کو بھیجی، میں آپ کی اس نیک روش سے بہت متاثر ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ سوداگر کے اس راز سے کوئی واقف نہ تھا، میرا نکاح بہت ہی پوشیدہ طریقے پر ہوا تھا، مجھے تو یقین تھا کہ آپ کو بھی اس کی خبر نہیں ہے اور میں کیا خود سوداگر محروم بھی یہی سمجھتے رہے کہ آپ کو اس دوسری شادی کی اطلاع نہیں ہے، اب آپ کے اس خط سے یہ راز کھلا کہ آپ ہمارے راز سے واقف تھی، سوکن کی جلن طبعی بات ہے، آپ کو ضرور اس واقعے سے تکلیف پہنچی ہوگی، لیکن اللہ اکبر آپ کا صبر و ضبط، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس صبر و ضبط سے کام لیا، اس کی نظیر نہیں مل سکتی، کبھی اشارے کنائے سے بھی تو آپ نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آپ ہماری اس خفیہ شادی سے واقف ہیں، آپ کا یہ ایثار اور صبر و تحمل واقعی حیرت انگیز ہے، میں تو آپ کے اس کمال سے انتہائی متاثر ہوں، دولت کس کو کاٹتی ہے، دولت کے لئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے، لیکن آفریں آپ کی ایمانداری کو یہ جانتے ہوئے کہ میرا نکاح راز میں ہے اور دولت کے لئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے، لیکن آفریں آپ کی ایمانداری کو یہ جانتے ہوئے کہ میرا نکاح راز میں ہے اور وہاں کوئی ایک بھی ایسا نہیں، جس کو اس کی خبر ہو اور جو میری طرف سے وکالت کرے، مگر آپ مجھ خدا کے خوف سے میرے حق کا خیال رکھا اور اپنے حصے میں سے آدھی رقم مجھے بھیج دی، خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہو تو ایسا ہو اور خدا کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا جذبہ ہو تو ایسا ہو۔ اچھی بہن! میں آپ کی اس دیانت خلوص اور حق شناسی سے بہت متاثر ہوں، خدا آپ کو خوش رکھے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، لیکن بہن! میں اب اس حصے کی مستحق نہیں رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں، خدا آپ کا یہ حصہ آپ ہی کو مبارک کرے، صحیح ہے کہ سودا گر مرحوم نے مجھ سے نکاح کیا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ میرے پاس آ کر کئی کئی دن رہتے تھے، بے شک ہم نے بہت دنوں عیش و مسرت کی زندگی بسر کی، لیکن ادھر کچھ دنوں سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا، سودا گر مرحوم نے مجھے طلاق دے دی تھی، اس راز کی آپ کو بھی خبر نہیں ہے، میں اس خط کے ساتھ آپ کی بے مثال محبت، عنایت، ایثار، خلوص اور ہمدردی کا پھر شکریہ ادا کرتی ہوں۔ والسلام آپ کی بہن

سودا گر کی بیوہ نے اس خاتون کا یہ خط پڑھا تو بہت متاثر ہوئی اور اس کی سچائی، دیانت اور نیکی نے اس کے دل میں گھر کر لیا، اور پھر دونوں میں مستقل طور پر خلوص و محبت، پیار اور رفاقت کا رشتہ قائم ہو گیا۔ (بکھرے موتی)

(انتخاب:..... میمونہ، میر پور خاص)

☆.....☆.....☆

ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنا

☆..... سلف صالحین کے اخلاق میں سے ہے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے، چنانچہ جب ان کا چھوٹا کسی معاملے میں بڑے کو نصیحت اور خیر خواہی کی بات بتلاتا، برا پھوپھے و ادب سکھاتا تو کوئی کسی سے ناراض نہ ہوتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی جوان کا بوڑھے کو نصیحت کرنا، اسی طرح بوڑھے کا جوان کو نصیحت کرنا نہایت مرغوب ہے، اس کے ذریعے تائب جوان اللہ تعالیٰ کا حبیب بن سکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو جوانوں کی نسبت نیکی کی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ نہایت نرم دل ہوتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا، پس جوان تو میرے ہم مجلیس بنے اور بوڑھوں نے میری مخالفت کی، لوگوں نے اس کے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں:

ان الغصون اذا لم ینتہا اعتدلت
ولن یلین اذا لا یبتد الخشب

ترجمہ: اگر شاخوں کو تم نرم کر کو سیدھی ہو سکتی ہیں اور اگر خشک لکڑی کو نرم کرنا چاہا تو ہر گز نرم نہ ہو گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جوان کم عبادت کرتے تھے، لیکن جب آپ کی وفات ہو گئی تو انہوں نے اپنی عبادات میں اضافہ کر لیا اور کہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہمیں نزول عذاب سے امن تھا، مگر اب آپ کا وصال ہو گیا، اس لئے وہ امن دور ہو گیا۔ احمد بن حرب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انسان کو چالیس سال کی عمر میں جب اس کے بال سفید ہو رہے ہوں اور بڑھاپا شروع ہو چکا ہو تو اس وقت لہو و لعب اور گناہوں میں مشغول ہونا بہت ہی معیوب اور نہایت برا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چالیس سال سے پیشتر یہ تمام امور مباح ہیں، یہ اسی قبیل سے ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو نصیحت ترک کرنا لازم ہے، تو کیا غیر روزہ دار کو نصیحت جائز ہے؟ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ یوں تو نصیحت ہر حال میں قابل ترک ہے، مگر روزہ کی حالت میں تو بدرجہ اولیٰ ترک کر دینا چاہئے۔ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انسان اگر چہ دنیا میں عرصہ دراز تک رہے، مگر جنت کی زندگی کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر ہے، پس جو شخص ایک سانس جس کے ذریعے وہ دائمی خوشحال زندگی حاصل کر سکتا ہے، اس کو ضائع و برباد کر دے، تو بلاشبہ وہ بہت نقصان اور خسارے میں ہے۔ اے دوست! اس بیان کو یاد رکھ اور جوانی کو غنیمت شمار کر اور بڑھاپے کو کثرت استغفار سے پیسنا لگا، شاید اسی طرح تو اپنے

دین کو کامل کر لے۔ (منتخب اخلاق سلف اردو ترجمہ)

(انتخاب:..... بنت عبداللطیف، بنت مبارک حسین، مدرسہ فیض القرآن، للبنات، ہیر آباد)

☆.....☆.....☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا

☆..... حضرت عبداللہ بن سید الصنا بحی نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ اس مجلس میں لوگوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کا تذکرہ کیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم خاموش ہو جاؤ، میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ ہم ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، یا ابن الذبیحین! اسے ذبح شدہ کے بیٹے، اس سے کچھ کہن کر مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! وہ ذبح ہونے والوں سے کون مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت عبدالمطلب نے آب زم زم کا کنواں تلاش کرنا چاہا تو یہ قسم کھائی تھی، اگر مل گیا تو میں ایک بیٹا ذبح کروں گا۔ جب کنواں ظاہر ہو گیا تو قرعہ ڈالا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام نکلا، بالآخر ان کے بدلے سو اونٹ قربان کئے تھے اور وہ دوسرے ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ (ماخوذ از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹیں)

(انتخاب:..... میمونہ قاری عزیز الرحمٰن، فاروق اسٹیٹ، جمیل ٹاؤن)

☆.....☆.....☆

احترام انسانیت کا نبوی نمونہ

☆..... ثمامہ بن اثال ایک صحابی ہیں، وہ یمامہ میں رہتے تھے، ان کی طرف سے مکہ والوں کو گندم آیا کرتی تھی، جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کو پتہ چلا کہ مکہ والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد گندم کا ایک بھی دانہ ادھر سے مکہ کو نہیں پہنچے گا، چنانچہ مکہ والے مصیبت میں پڑ گئے۔ روایت میں ہے، جب ثمامہ بن اثال مکہ میں آئے تو کہہ دیا کہ جب تک میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے، یمامہ سے گندم کا ایک بھی دانہ نہیں آئے گا، پھر کیا ہوا؟ مکہ والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام رقعہ لکھا، آپ تو رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہماری گندم بند ہو گئی اور ہم بھوک کی وجہ سے مرنے لگے ہیں، آپ رحم فرمائیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا کہ اے ثمامہؓ! ان کی گندم نہ روکو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر مکہ والوں کی گندم دوبارہ شروع ہو گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ (احترام انسانیت) کی وجہ سے۔

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے — جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ — وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

(انتخاب:..... آمنہ لیاقت، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوش رہنا

☆.....خوش رہنا اور خوش رکھنا بعض اوقات بے حد مشکل ہو جاتا ہے، کسی کو آپ خوش رکھیں گے تو آپ بھی خوش رہیں گے، اگر آپ ٹینشن میں ہیں تو آپ کسی رشتہ دار کے ہاں چلے جائیں، آپ کی طبیعت بھی بہل ہو جائے گی اور آپ کے رشتے دار بھی خوش ہو جائیں گے، اگر آپ ٹینشن میں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ دوسروں کو بھی اپنے رویے سے ہرٹ کر دیں، جب آپ کسی سے ملیں تو حتی الامکان اپنے آپ کو فریش اور ریلیکس ظاہر کریں، یہ نہ ہو جب کوئی آپ سے ملنے آئے تو آپ کے چہرے پر بارہ بجے ہوں، بعض اوقات کسی کے ساتھ بات شیئر کرنے سے بھی ٹینشن ہو جاتی ہے، کچھ لوگ ہوتے ہیں جو خواہ مخواہ پریشان رہتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو مصروف رکھیں، کوئی اچھا سا مشغلہ اختیار کریں، مثلاً باغبانی کریں، گھر میں خوبصورت سے پھول اور سبزیوں کے پودے لگوائیں، اس سے آپ کا دھیان بھی بٹ جائے گا، آپ کو تازہ تازہ سبزیاں مل جائیں گی، خواتین گھر میں مطالعہ کریں، مطالعہ کرنے سے آپ کو بہت اچھی سی مصروفیت مل جائے گی، یاد رکھیں کہ اگر آپ ٹینشن میں ہیں تو صرف سوچنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، اگر کوئی مسئلہ ہے تو آپ کسی قابل بھروسہ والے بندے سے مشورہ کریں، شاید آپ کا مسئلہ حل ہو جائے، میں تو یہی کہتی ہوں اگر آپ ٹینشن میں ہیں تو دوسروں کو پریشانی دینے کے بجائے ان کی پریشانی بانٹیں، دوسروں کو خوش رکھیں، کوئی ایسا عمل کریں جس سے آپ کے ساتھ رہنے والوں کے چہروں پر خوبصورت سی مسکراہٹ پھیل جائے، یقین مانیں آپ ان کو ہنستے دیکھیں گے تو آپ بھی ریلیکس ہو جائیں گے، بعض اوقات تنہائی سے بھی انسان گھبرا جاتا ہے اس لئے وقتاً فوقتاً محلے داروں، رشتہ داروں کے گھر جائیں اور انہیں بھی آنے کی دعوت دیں، رشتے دار بھی خوش اور آپ کا جی بھی بہل جائے گا۔

(انتخاب:.....حنیفہ اعوان)

☆.....☆.....☆

خوش نصیب انسان

☆.....نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے جگہ عطا فرمائیں گے، جس دن اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک وہ آدمی بھی ہوگا جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑیں۔ (صحیح البخاری)

☆.....☆.....☆

خوفِ خدا، اقوال صحابہ کی روشنی میں

☆.....حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے رونا میرے نزدیک ایک ہزار دینار صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

☆.....حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے خوف سے روؤں اور میرے آنسو میرے رخساروں پر بہنے لگیں، یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنے وزن کے برابر سونا صدقہ کروں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

جاہلیت کے کام

☆.....سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”جس نے رخساروں کو پیٹا، گریبان کو چاک کیا اور جاہلیت کے بول بولے، وہ ہم میں سے نہیں۔“

☆.....☆.....☆

نوحہ و ماتم کرنے والی عورتوں پر لعنت

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو ملعون اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور قرار دیا ہے، جو مصیبت کے وقت شرعی حدود سے تجاوز کر جائیں، نوحہ و ماتم کریں، چہروں کو پیٹیں اور گریبان پھاڑ ڈالیں۔

☆.....حضرت ابوامامہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: اللہ نے چہرہ نوچنے والی، گریبان چاک کرنے والی اور ہلاکت و تباہی مانگنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔

رونا پیٹنا یہ دور جاہلیت کی رسم ہے، ہر کسی کو موت پر آہ و بکا اور نوحہ و ماتم کی صفیں بچھ جاتیں، بالوں کو نوچا جاتا، مگر جب نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے تو سختی سے منع فرمایا نوحہ ماتم کرنے سے.....اور صبر کی تلقین فرمائی۔

(انتخاب:.....حفصہ اکرم، کراچی)

☆.....☆.....☆

غرور و تکبر کی نحوست

☆.....ایک ترکی بزرگ جو مولانا جامیؒ کے مرید تھے، ان کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ اپنے سر پر ایک نور کا مشاہدہ کرتے تھے، وہ حج کو گئے اور فارغ ہو کر واپس آئے تو نور بجائے بڑھنے کے بالکل ختم ہو گیا، انہوں نے اپنے مرشد مولانا جامیؒ سے اس بات کا تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا: حج سے پہلے تمہارے اندر تواضع و انکسار تھا، اپنے آپ کو گنہگار جان کر اللہ تعالیٰ کے سامنے الحاج و زاری کرتے تھے، حج کے بعد تم اپنے آپ کو نیک اور بزرگ سمجھنے لگے، اس لئے یہ حج ہی تمہارے غرور کا سبب بن گیا ہے، اسی وجہ سے نور زائل ہو گیا۔

(انتخاب:.....نازش کنول، رہاں)

☆.....☆.....☆

سات قیمتی کلمات

☆.....فقیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشہور ہے کہ جو شخص سات کلمات یاد کر لے تو وہ اللہ کے ہاں باعزت ہو جاتا ہے، فرشتے اس کی تعظیم کرتے ہیں، اللہ پاک اس کے گناہ بخش دیتے ہیں، خواہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں، ایسا شخص طاعت میں لذت محسوس کرتا ہے، اس کی حیات اور موت دونوں اس کے حق میں بہتر بن جاتی ہیں: اول ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، دوسرا ہر چیز کے ختم پر الحمدللہ کہنا، تیسرا یہ کہ کوئی لغو بات کر بیٹھے، کم ہو یا زیادہ اس کے بعد استغفر اللہ کہنا، چوتھا یہ کہ جب یوں کہے کہ کل فلاں کام کروں گا تو ساتھ ہی ان شاء اللہ کہے، پانچواں یہ کہ جب کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناپسندیدہ بات دیکھیے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے، چھینکا یہ جب کوئی مصیبت پیش آجائے، جان کی ہو یا مال کی تھوڑی ہو یا زیادہ، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے، سات دن کے اوقات ہوں یا رات کے لمحات، اس کی زبان پر لا الہ الا اللہ جاری رہے۔ (ماخوذ: تنبیہ الغافلین)

(انتخاب:..... حافظ محمود قریشی، کراچی)

☆.....☆.....☆

دعا کی برکت

☆..... قبیلہ بنو سعد کے غلام حضرت عروہ اُمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو یحانہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سمندر کا سفر کر رہے تھے، وہ اپنی کچھ کاپیاں سی رہے تھے، اچانک ان کی سوئی سمندر میں گر گئی اور انہوں نے اسی وقت یوں دعا مانگی، اے میرے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو میری سوئی ضرور واپس کردے، چنانچہ اسی وقت وہ سوئی سطح سمندر پر ظاہر ہوئی اور حضرت ابو یحانہ رضی اللہ عنہ نے وہ سوئی پکڑ لی۔ (بحوالہ: حیاۃ الصحابہ)

(انتخاب:..... شاہینہ رفیق، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

بدنظری سے پرہیز کا خاص انعام

☆..... جو شخص اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے، اسے آخرت میں دو انعامات ملیں گے: (۱) ہر نگاہ کی حفاظت پر اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ (۲) ایسی آنکھیں قیامت کے دن رونے سے محفوظ رہیں گی۔ حدیث پاک میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی، سوائے اس آنکھ کے جو خدا کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہے اور وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں جاگی رہے اور وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئے، کیونکہ اس میں سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکلے۔

(انتخاب:..... ضحا سلطان، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

غیبت سے بچنے کا نسخہ

☆..... غیبت کے جتنے عذاب بیان کئے گئے ہیں، ان سب کا روزانہ مراقبہ کیا جائے، ان شاء اللہ غیبت چھوڑنے کی ہمت پیدا ہوگی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم غیبت سے تو بچ جاتے ہیں، لیکن جب کوئی دوسرا کسی کی غیبت شروع کردیتا ہے تو نہ اسے خاموش کرسکتے ہیں اور نہ وہاں سے اٹھ سکتے ہیں، اس بارے میں سوچیں جو شخص کوئی بری بات آپ کے کان میں لاکر ڈالتا ہے گویا کہ وہ اپنے برتن کی نجاست آپ کے برتن میں ڈالنا چاہتا ہے، جو شخص آپ کے سامنے کسی کی غیبت شروع کرے تو آپ اس سے یوں کہیں کہ شاید وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم سے بہتر ہو، آپ کے اظہار ناپسندیدگی سے وہ آپ کے سامنے غیبت نہیں کرے گا۔

(انتخاب:..... امامہ زینب، کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ)



پیاری بہنوں، السلام علیکم!

آپ کے خطوط میرے سامنے ہیں، اپنی پوری ٹیم کے ساتھ میں آپ کے خلوص و محبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں، آپ کے مشورے اور آپ کی ہدایات ہی ہمارے لئے مشکل سفر کو آسان بناتی ہیں! اچھی بہنوں اور بھائیوں، شکایت سر آنکھوں پر کہ کہانیاں اور افسانے آٹے میں نمک کے برابر ہیں، لیکن یہ گلہ تو ہمیں کرنا چاہئے، آپ اپنے رسالے کے لئے اس کے معیار کے مطابق لکھئے، ''میری پسند'' سلسلہ اس کے شمارے سے شروع کیا جارہا ہے، منتخب اشعار بھیجئے! اسی طرح ''روپ بہروپ'' کے لئے بھی لکھنا شروع کردیں۔ آپ کے مضامین اور خطوط کی منتظر

مہر افروز مہر

م بنت نسیم احمد سکھروی للھتی ہیں: محترمہ و مکرمہ السیدۃ اموقرہ والختی العزیزۃ الحبیبۃ المدیرہ صاحبہ (بارک اللہ فی حیاتک) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! باعث تحریر ہے کہ آنجناب مع ٹیم کے خیر و عافیت سے ہوں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) ماہنامہ ''حیا'' کراچی بہت اچھا جارہا ہے، اس کے تمام سلسلے بہت خوب ہیں، آپ کی عنایت پر تہہ دل سے مشکور ہوں، آپ نے میری کہانی شائع فرمائی، اللہ کریم آپ کو بے مثل اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آپی جان! آپ سے ایک چھوٹی سی درخواست گزار ہوں، وہ یہ کہ میری جو کہانی شائع ہوئی، اس میں بہت سی غلطیاں سامنے آئیں جبکہ بندی نے اپنی فوٹو کاپی ہوئی صفحات پر دیکھی تو جملے درست تھے، کچھ الفاظ بہت عجیب تھے، سمجھنے میں دشواری کا سامنا ہوا، بہت سی خطائیں پرنٹنگ کی محسوس ہوئیں، امید ہے کہ آئندہ خیال فرما کر تشکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گی، گستاخی و بے ادبی معاف فرمائیں گی، میری یہ کہانی ''دیدۂ دل وا کرے کوئی'' امید ہے کہ پسند فرما کر حیا کے صفحات میں جگہ عنایت فرمائیں گی۔ دعاؤں کی خصوصی طالب ہوں۔ والسلام

م بنت نسیم احمد سکھروی، پروف ریڈنگ کی غلطیوں پر ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ ''دیدۂ دل وا کرے''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی چھاٹ جاری ہے، ان شاء اللہ آپ اپنا قلمی تعاون برقرار رکھیں گی۔

سیدہ اقراء صدیقہ، میانوالی سے لکھتی ہیں: محترمی و مکرمی مدیرہ آپی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! بعد از سلام امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور "حیا" کے تمام منتظمین، اسٹاف اور معاونین کے ساتھ نئے شمارے کی تیاری میں مصروف ہوں گی، دعا ہے خدا آپ کو تمام دنیاوی فتنوں سے اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ رکھ کر اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین)..... فراغت کے کچھ دن نصیب ہوئے تو جنوری اور دسمبر کے رسالوں پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھا، سو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ دسمبر کے شمارے میں شیریں آنٹی کا خط پڑھ کر معلوم ہوا کہ آپ کا گرنے سے فریکچر ہو گیا ہے، بہت افسوس ہوا، خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور صحت وتندرستی عطا فرمائے۔ (آمین)..... دسمبر کے شمارے کی سب سے اہم بات مولانا عبدالحق خان کا خط لگا اور امید ہے کہ وہ مولانا سرفراز خان صفدر کے بارے میں کچھ انمول نگارشات لکھ کر بھیجیں گے۔ علیہ کا خط بھی زبردست لگا، پڑھ کر بہت مزا آیا، ام حیات آنٹی کی "ایک زندگی ایک کہانی" باقاعدہ کہانی ہے، مسئلے کو اتنے احسن طریقے سے سلجھاتی ہیں کہ مزا آجاتا ہے، یاسمین سردار کی "نامعلوم دشمن" بھی بہت پر اسرار تھی، ڈاکٹر حسرت کی "دوسری ہجرت" زبردست تحریر تھی، دسمبر کے شمارے میں نئے ناول "داستان مجاہد" دیکھ کر خوشی ہوئی۔ بہت اچھی کہانی تھی۔ اب ذرا جنوری کے شمارے کی طرف قدم کا مزن کرتے ہیں، جنوری کے شمارے کا دیدہ زیب اور رنگین ٹائٹل رسالے کی جان محسوس ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا عبدالقیوم حقانی اور ڈاکٹر عبدالقدیر جیسی عظیم شخصیات کے خطوط پڑھے، بہت خوشی ہوئی اور آپ تمام کی محنت کو سراہا، یقیناً یہ اسٹاف کی محنت ہی ہے، علمائے کرام کا "حیا" کے بارے میں تبصرہ بہت فخر کی بات ہے، "حیا" رسالہ آج کے پرفتن دور میں بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے، تمام بہنیں اچھے سے اچھا لکھ رہی ہیں، ان میں تعریف کی زیادہ مستحق منا جیہ آپی، بنت مسعود اور امامہ زینب ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ ان کے قلم میں اور زیادہ زور پیدا کرے۔ جنوری کے شمارے میں پروفیسر خیال آفاقی صاحب کی تحریر کا اختتام ہوا، پروفیسر صاحب کو میری طرف سے خوبصورت سی مبارک باد پیش ہو، ان کے والد صاحب کو خدا جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ بنت مولانا عبدالمجید کی کہانی مزاح کا روپ اوڑھے ہوئے تھی، بہت پسند آئی، لیکن جنوری کے شمارے میں بھی طیبہ طاہرہ کے رویے پر افسوس ہوا، ان کا یہ کہنا کہ آپ صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کے خطوط شائع کرتی ہیں، نامناسب بات ہے، لیکن آپ نے بہت خوب صورت انداز میں جواب دیا، آپ اگر تنقیدی خطوط کا جواب تنقید سے دینے لگیں تو تنقید کا یہ سلسلہ تنقید در تنقید بڑھتے لگے گا، دسمبر کے شمارے میں بھی طیبہ طاہرہ کا علماء کے بارے میں لکھنا مناسب نہ لگا، آپ سے صرف یہی کہنا تھا کہ علما تو دین کی سربلندی کے لئے دن رات کوشاں رہتے ہیں، ان کے لئے ایسے کلمات کہنا مناسب نہیں، امید ہے آپ اس کو تنقید نہیں سمجھیں گی۔ پیارے رسالے "حیا" کی وساطت سے حنیفہ اور مہوش کا خوب صورت سا سلام ہم تک پہنچا تو بہت خوشی ہوئی۔ جنوری کا شمارہ ابھی زیر مطالعہ ہی ہے یقیناً معلومات افزاء ہوگا اور تحاریر کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ شمارے کے توسط سے تمام قارئات کو ڈھیروں سلام ہوں، آپی جان، ذرا بتایئے تو آپ کو دسمبر اور جنوری کے شماروں کی تحاریر پر کیا گیا تبصروں کا سکیچر کیسا لگا.....؟ امید ہے پسند آئے گا، آپ کی دعاؤں کی طلبگار۔

حیا کا ادارہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے، آپ بہت توجہ سے حیا کا مطالعہ کرتی ہیں، لکھتی بھی اچھا ہیں، تو پھر تحریر کا انتظار کروں، پروفیسر آفاقی صاحب شکریہ ادا کرتے ہیں، بہن راحت کی تحریر نے آپ کی شکایت دور کر دی ہوگی، طاہرہ طیبہ نے محبت ہی میں شکایت کی تھی اور شکایت ان ہی سے ہوتی ہے جو ہمارے قریب ہوتے ہیں۔ آپ کے خوبصورت تبصرہ کا انتظار رہے گا۔

☆.....☆.....☆

بنت محمد اشفاق، جامعہ حمیرا للبنات، رحیم یار خان سے لکھتی ہیں: پیاری باجی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! سلام کے بعد امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور اللہ کے دین کے کاموں میں مصروف ہوں گی، اللہ تعالیٰ تمام غموں کو عافیت سے رکھے اور ہمارے محبوب ترین رسالہ "حیا" کو قیامت تک جاری وساری رکھے اور اسے حاسدین کے حسد سے بچائے اور شر پسندوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)..... جنوری کا پورا رسالہ زبردست تھا، ہر چیز قابل تعریف تھی اور خاص طور پر ہم کو یعنی مجھے اور میری کلاس میں پڑھنے والی جامعہ کی طالبات کو بنت عبدالمجید کی دو قسطیں ہیں راہیں مگر ویران تو نہیں" سب سے زیادہ پسند آئی۔ میں "حیا" میں لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں، بلکہ تو نہیں سکتی لیکن شوق جذبہ نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے، میں نہ تو ادیب ہوں، نہ ہی کالم نگار ہوں، نہ ہی میرے پاس دلیلوں اور حدیثوں کا انبار ہے، نہ ہی کچھ الفاظ ہیں کہ لکھ سکوں، کہاں "حیا" کے اتنے بڑے بڑے لکھاری اور کہاں میں، بس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں کچھ بھی خود نہیں لکھ سکتی، نہ ہی کر سکتی، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اگر وہ چاہے تب ہی کچھ ہو سکتا ہے، اس امید پر بھیج رہی ہوں کہ انشاء اللہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ آخر میں دعاؤں کی درخواست کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔ والسلام

بنت محمد اشفاق، دعاؤں میں یاد رکھنے کا شکریہ، بنت عبدالمجید ہماری اچھی لکھنے والی ہیں، وہ آپ کا شکریہ ادا کر رہی ہیں، بیٹی! آپ کیوں نہیں لکھ سکتیں، اللہ نے خلوص نیت سے دعا کریں اور لکھنے بیٹھ جائیں، بس پھر دیکھے قلم کے کمال، اللہ نے چاہا تو آپ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوں گی۔

☆.....☆.....☆

فائزہ صدیقی، واہ کینٹ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اپنا خط "حیا" کی محفل میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور آپ کا جواب پڑھ کر اس سے بھی زیادہ خوشی ہوئی، آپ نے قلمی تعاون کرنے کو کہا، بہت بہت شکریہ، ان شاء اللہ کوشش کروں گی کہ "حیا" کے معیار کے مطابق کچھ مزید لکھ سکوں، مگر کیا کروں، وقت بہت کم ملتا ہے اور میرے بورڈ کے پیپرز بھی ہونے والے ہیں، میٹرک کا سال چل رہا ہے اور میری کوئی خاص تیاری بھی نہیں ہے، آپ میرے لئے ضرور دعا کیجئے گا کہ میرے اچھے سے نمبر آجائیں، پھر میری چھٹیاں پڑ جائیں گی اور بہت سارا وقت مل جائے گا، تب دل کھول کر جھوٹی سچی کہانیاں لکھوں گی، بس دعا کرے گا میرے پیپر اچھے ہو جائیں۔ والسلام

فائزہ بیٹی ابھی آپ میٹرک کا امتحان دیں، بس اس کے بعد آپ کو اپنے رسالہ کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ہے۔ ہمیں انتظار رہے گا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیدہ عطیہ، میانوالی سے لکھتی ہیں: پیاری آپی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے آپ اور ''حیا'' کا سارا اسٹاف خیر، عافیت سے ہوگا، میری طرف سے ''حیا'' کے تمام اسٹاف اور قاریات کو ڈھیروں سلام اور دعاؤں کی درخواست، جنوری کا شمارہ ملا، بہت پسند آیا، ہر ایک تحریر قابل تعریف تھی، یوں تو تمام رسالہ ازحد پسند آیا لیکن ایک خط تھا ایسا کہ جس کے لفظ لفظ نے افسردہ کردیا، طیبہ طاہرہ صاحبہ کا خط پڑھ کر افسوس ہوا، اللہ انہیں ہدایت دے، ضرور کوئی تو نہیں کہ ہر چیز شامل اشاعت ہو، یہ تو آپ لوگوں کا حوصلہ ہے کہ ہمارے تنقید سے بھرپور خط بھی شائع کردیتے ہیں، ورنہ سمر کے رسالے پر تبصرہ نہ کرسکی جس میں آپ نے میرا طویل تبصرہ شائع کیا، امید ہے اب میرا ہر مختصر سا خط پڑھ کر آپ کی تھکاوٹ اتر جائے گی۔ اللہ حافظ

سیدہ عطیہ، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہم سب اس کی حفظ وامان میں ہیں، میری بہن تنقید ہی ہمارے لئے مشعل راہ ہوتی ہے، ایسے خطوط پڑھ کر زیادہ خوشی ہوتی ہے اور آپ جیسی چاہنے والی ''حیا'' کی بہنیں جن کے تبصرہ سخن حوصلہ دیتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

محترمہ مدیرہ حیا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! کیا حال ہے، باجی صاحبہ میں آپ کو کافی ماہ بعد خط لکھ رہی ہوں، وقت گزرنے معلوم نہیں ہوتا کہ کتنے ماہ گزر گئے، اسی طرح زندگی بھی گزرتی جاتی ہے، اللہ پاک ہم سب کو نیکی کے کاموں میں سبقت کی توفیق دے، باجی جان کافی شکوے ''حیا'' کے پڑھ لئے، مگر تبصرہ نہ کرسکی، معذرت چاہتی ہوں، اور اپنی طرف سے ہر بہن ہماری خوب محنت کر کے کہانی لکھتی ہے، یہ اور بات ہے کسی کو پسند آتی ہے اور کوئی اعتراض کرلیتا ہے اور ہم اصلاحی نیت سے پڑھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں، رب تعالیٰ سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلائے، آمین، آپ سب کو میری طرف سے سلام اور دعاؤں کی درخواست۔

☆.....☆.....☆

حمیرا حیا شیخ لکھتی ہیں: محترمہ ومکرمہ قابل صد احترام مدیرہ آپی صاحبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! بعد سلام تمام نیک کاموں اور ارادوں کی قبولیت کی دعا ہے، رب تعالیٰ کی طرف سے ماہنامہ ''حیا'' ہمارے ایک انمول تحفہ ہے اور اس پر فتن اور پرآشوب دور میں یہ پاکیزہ چراغ اصلاح کے لئے بہت ہی کارگر ثابت ہو رہا ہے، ماہنامہ ''حیا'' کے کسی ایک رسالے یا ایک تحریر کی میں تعریف نہیں کروں گی، ماشاء اللہ شروع سے آج تک تمام شمارہ اور تمام تحریریں شاندار رہیں اور بحکم اللہ تا قیامت امت مسلمہ اس رسالے سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔

خدا کرے میرے ارض پاک پہ اترے وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو!

محترمہ مدیرہ آپی صاحبہ، میلاد النبی کے حوالے سے میں نے نہایت ہی جامع اور پرمغز تحریر لکھی ہے، اکابر علماء دیوبند کی بے شمار کتابوں سے نہایت ہی رغبت اور عرق ریزی سے مضمون تیار کیا ہے، میں نے جگہ جگہ ان کتب کا حوالہ اس لئے نہیں دیا کیونکہ پھر تحریر میں وہ تاثیر نہیں رہتی جو ہونی چاہئے، اگر میری تحریر آپ کے معیار پر پوری اترے تو میری اس تحریر کو ماہنامہ ''حیا'' کے صفحات کی زینت بنا کر میری حوصلہ فرمائی کیا، اور یہ سب اللہ رب العزت ہی کا فضل وکرم ہے کہ ماہنامہ ''حیا'' کو ماہ بہ ماہ نیا رنگ، پراثر انداز دیتے چلے آرہے ہیں، اور آئندہ بھی اسلام کو پھیلانے میں اللہ رب العزت آپ کی اور تمام معاونین اسلام کی حمایت ونصرت فرماتے رہیں گے اور تا قیامت کروڑوں انسانوں کے دل ان اسلامی جرائد سے منور ہوتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ)..... آخر میں اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

اسلام کی بنیاد پہ یہ ملک بنا ہے اسلام ہی اس ملک کا سامان بقا ہے
بنیاد پہ قائم نہ رہے گا تو فنا ہے دنیا کی نگاہوں سے نہیں بات یہ مستور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

حمیرا حیا شیخ: ''حیا'' آپ ہی کا ہے اور اس کی تعریف میں آپ سب کا ہی حصہ ہے، آپ کا مضمون ہمیں تاخیر سے موصول ہوا ہے، قرعہ اشاعت میں شائع ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ آپ سب کی دعاؤں کے طفیل اپنے نبی پاک ﷺ کے صدقے میں اس ملک کو اسلامی نظام کے تحت قائم ودائم رکھے۔ آمین

☆.....☆.....☆

حافظہ جویریہ یونس، بمیدگاہ کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! پیاری آپی مہر افروز مہر صاحبہ! اللہ تعالیٰ سے واثق امید ہے کہ آپ اور آپ کا اسٹاف خیریت وعافیت سے ہوں گے، وہ 22 نومبر منگل کا دن تھا، جب ہم بہت اداس اداس بیٹھے کیمسٹری کے ٹیسٹ سے کھپ رہے تھے، اور سوچ رہے تھے کہ کل آپی تاریخی تھیس کہ مدرسے ''حیا'' آگیا ہے تو پھر ابھی تک ہمارے گھر کیوں نہیں آیا، دل ودماغ میں ایک جنگ برپا تھی کہ دروازے پر بہت زور دشور سے دستک ہوئی، بھائی باہر دیکھنے گئے، ہمارا تو روان رواں کان بن گیا، دل میں امید کی کرن پیدا ہوئی کہ شاید.....! اور پھر جب بھائی اندر لوٹے تو ان کے ہاتھ میں ہمارا پیارا سا ''حیا'' پکڑا دیکھا تو منہ سے بے اختیار چیخ نکلی، نومبر کا شمارہ جلد مل جانے کی خوشی میں! سوئی ہوئی آپی کو جگا کر خوشی سے کانپتی آواز میں بتایا کہ ''حیا'' آگیا ہے، پھر آپی نے سونے اور میں نے پڑھنے کا ارادہ بالائے طاق رکھتے ہوئے ''حیا'' پڑھنے کا فیصلہ کیا، فہرست میں قسط وار کہانیوں کو دیکھا تو آپی مناجیہ جبین کو غائب پا کر بہت افسوس ہوا، خیر یہ سوچ کر کہ فارغ تائم میں جی بھر کے افسوس کریں گے، میں نے فٹ سے بنت مسعود کی تحریر ''ہر شب تاریک کے دامن میں ہے تاباں سحر'' پڑھنی شروع کردی اور میں جیسے جیسے پڑھتی جارہی تھی، آنکھوں میں آنسو آرہے تھے، پھر جب علیزہ کو بانو سے مار پڑنی تو میں نے باقاعدہ رونا شروع کردیا، بنت مسعود نے نہایت اچھے انداز میں کہانی کا اختتام کیا، علی اور سعدیہ کا ہمسایوں کے گھر چیزیں پھینکنا، ارما اور علی کا تعلق.....؟؟ دل میں اک کھٹکی سی تھی جسے بنت مسعود نے آخر میں دور کردیا، میری طرف سے بنت مسعود کو اتنی زبردست تحریر لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو، اللہ آپ کو مزید ایسی تحریریں لکھنے اور ہم کو پڑھنے کی توفیق دے۔ دوسری کہانیوں میں سے ''امامہ زینب'' کی تحریر پہلے نمبر پر رہی، بہت زبردست تحریر تھی، امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمیں اپنی تحریریں پڑھنے کا شرف بخشتی رہیں گے، مریم غازی کی تحریر ''برادر جو ادھر کو جاتی ہے'' ایک پراثر تحریر تھی، جس میں آج کل کے پاکستان ناسازگار کے حالات کو بیان کیا گیا تھا (اللہ ہم سب پر اپنا رحم فرمائے) ایک زندگی ایک کہانی میں ''ام حیات ہنگورا'' زندگی کی الجھنوں کو بڑے اچھے انداز میں سلجھا جاتی ہیں، اب تک جتنا ''حیا'' پڑھا تھا اس پر تبصرہ کردیا اور ہاں آپ نے نومبر کے شمارے میں پوچھا تھا کہ آپ ''حیا'' کے لئے کیا کررہی ہیں، میں ''حیا'' اپنی دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیتی ہوں لیکن تب مجھے بہت افسوس ہوتا ہے، جب دو تین ''حیا'' کی شکل بگاڑ دیتی ہیں، اب آپ ہی بتائیں میں کروں بھی تو کیا؟ ارے ارے یہ کیا؟ ردی کی بالٹی لٹکائی ہوئی نظروں نے میرے خط کو دیکھ رہی ہے، کیونکہ خط کافی طویل ہوگیا ہے، اس سے پہلے کہ آپ میرے پیچارے سے خط کو غصے سے ردی کی بالٹی میں پھینکیں، اجازت دیجئے۔ (اللہ حافظ)

حافظہ جویریہ یونس، کمالیہ سے آپ کی دعاؤں کا شکریہ، ردی کی نوکری کہنا مانتی ہے اور کسی خط کو لپٹا کر نہیں دیکھتی، بہن جویریہ کی تمام دوستوں سے التماس ہے کہ کسی بھی کتاب کی شکل نہ بگاڑیں اور پھر اپنے پیارے حیا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ یہ سلوک، شاباش اچھی بیٹیاں کہنا مانتی ہیں، بنت مسعود، ام حیات، ہنگورا، آپ کا شکریہ ادا کررہی ہیں، ارے ہاں یہ امامہ زینب اور مریم نمازی بھی ان کے ساتھ شامل ہیں، شاباش جلدی سے دوسرا خط لکھو۔

☆.....☆.....☆

نصیر احمد، منسہرہ سے لکھتے ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ویسے اچھا تو نہیں لگ رہا، ایک خالص خواتین کے رسالے میں خط لکھتے ہوئے، لیکن چونکہ میں اپنی ہمشیرہ کے لئے خریدتا ہوں اور ان کو دینے سے پہلے خود ہی سارا رسالہ چاٹ لیتا ہوں، اس لئے خط لکھنے میں زیادہ جھجک محسوس نہیں ہورہی، رسالہ ''حیا'' مکمل ہی اچھا ہوتا ہے مگر ''گلدستہ حیا'' بہت اچھا لگتا ہے، اس لئے سب سے پہلے وہی پڑھنے کی چاہت ہوتی ہے کیونکہ اس میں بہت ساری علمی دنیا ہوتی ہے، اس کے بعد ''آئینہ'' دیکھتا ہوں، ارے میرا مطلب ہے فہرست مضامین دیکھتا ہوں، اگر بابا اشتیاق احمد یا مہر افروز مہر صاحبہ کا نام ہو تو سب سے پہلے وہی پڑھتا ہوں، نہ ہو تو کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ جنوری کے شمارے میں سب سے بہترین تحریر ''قرآن مجید کا اعجاز'' تھی۔ ''اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں واقعہ'' پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، دو برس سے یہ واقعہ میرے ذہن میں گردش کررہا تھا، وجہ یہ تھی دو برس قبل غالب 2010ء میں کسی مسئلے کے استدلال میں، میں نے یہ واقعہ پیش کیا تو مجھ پر شدید اعتراض کیا گیا کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے، مجھے سو فیصد نہیں تو ننانوے فیصد یقین تھا کہ واقعہ میں نے دیکھا ہی بیان کیا ہے جیسا میں نے پڑھا تھا لیکن بچپن میں پڑھا تھا، اس لئے حوالہ ذہن کے نہاں خانوں میں نہیں تھا، اس لئے میں خاموش ہو، ہالا در آج جب یہاں پڑھا تو انتہائی خوشی ہوئی، آخر میں پہنچ کر اس بات پر افسوس ہوا کہ اب بھی اصل ماخذ اور حوالہ نہیں ملا کیونکہ مفتی محمد ساجد نعیمی صاحب نے حوالہ نہیں لکھا تھا۔ ''حیا'' کے لکھاریوں میں پروفیسر خیال آفاقی صاحب بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اس شمارے سے ''نسیم حجازی'' اور ''مولانا عبدالحلیم شرر'' کے ناول بھی شائع ہوئے ہیں۔ ''نسیم حجازی'' ناولوں کی دنیا میں ایک بہت مقبول نام ہے، ان کے کئی ناول قیصر و کسریٰ، محمد بن قاسم، خاک و خون، شاہین، یوسف بن تاشفین وغیرہ، میں نے بھی پڑھے تھے لیکن ''داستان مجاہد'' کہیں دیکھا نہیں تھا، یہ نظروں سے اوجھل رہا، ''حیا'' والے اس کو بھی کھینچ کر لے آئے، اچھا ہوا کہ اوپر مذکور ناولوں میں سے کوئی نہیں ورنہ کوئی دلچسپی نہ رہتی۔ (میرے لئے) ''مولانا عبدالحلیم شرر'' کے نام ادیبوں میں اکثر سنا تھا لیکن ان کی کوئی تحریر یاد نہیں پڑتی کہ میں نے پڑھی ہے، اب ان کا ناول بھی سامنے آگیا اور ایک اور اچھا لکھنے والا مل گیا۔ اللہ کریم سب ذوالجلال سے دعا ہے کہ وہ ''حیا'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں اور ''حیا'' کی پوری ٹیم اور اس میں لکھنے والے سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ (آمین) والسلام

بھائی نصیر احمد سلام مسنون، تحریر پسند کرنے کے لئے شکریہ، ویسے اشتیاق صاحب، وہ تو ہمارے بھی پسندیدہ مصنف ہیں، پروفیسر خیال آفاقی بھی آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، نسیم حجازی اور مولانا عبدالحلیم شرر (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) ان کا شمار تو اردو کے بہترین تاریخی مصنفین میں ہوتا ہے۔

☆.....☆.....☆

رافعہ میمونہ بی بی، ڈھوک رتہ سے لکھتی ہیں: محترمہ و مکرمہ مدیرہ ماہنامہ حیا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام معاونین ''حیا'' کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرمائے اور حوادث زمانہ سے محفوظ رکھے، محرم الحرام کا ماہنامہ ''حیا'' پڑھا، اس مرتبہ اس میں راحت ارشد کا سلسلہ وار ناول ''فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' جتنا یہ ناول بہترین ہے، اتنا ہی اس کا نام ہوتا ہے۔ ''حیا'' میں اس کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے، ویسے بھی انتظار کی گھڑیاں بہت ہی طویل ہوتی ہیں، برائے مہربانی نامہ سے گریز کریں، دوسرا منافقہ جبین کی کہانی بھی گدھے کے سر

سے سینگ کی طرح غائب تھی، اس کی کمی بھی بہت محسوس ہوئی، کیونکہ لگتا ہے کہ وہ کہانی اختتام کے نزدیک نزدیک ہے، ''رسول اعظم'' اپنی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے، اس کے تو کیا کہنے، اس کے علاوہ اس میں میرا مضمون ''زبان کی حفاظت'' موجود تھا، یقین نہیں تھا کہ اتنی جلدی آجائے گا، دیکھ کر خوشی ہوئی، اس مرتبہ بھی ایک مضمون ''گناہ'' اور ایک کہانی بھیج رہی ہوں، کہانی کے مکمل حصہ روانہ کررہی ہوں، کہانی کا آخری حصہ کا بقیہ اس خط کے ساتھ موجود ہے، کہانی مکمل پڑھ کر ضرور بتائیں کہ یہ ماہنامہ حیا کی زینت بن سکتی ہے یا نہیں، ماہنامہ ''حیا'' کی باقی سب تحریریں ہی بہت اچھی تھی، بس پر مختصر خط لکھا ہے، اب اجازت طلب کرتی ہوں۔ والسلام

بی بی رافعہ میمونہ! اتنا مختصر خط ہے، جٹ پٹ آسان سی ڈش بنادی، ''رسول اعظم'' کی تعریف کے لئے الفاظ قلم اور زبان قاصر ہے۔

☆.....☆.....☆

امام زینب، راولپنڈی سے لکھتی ہیں: مدیرہ محترمہ ماہنامہ ''حیا'' صاحبہ، السلام علیکم! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی اور ''حیا'' کا شمارہ تیار کرنے میں مصروف ہوں گی، نومبر کے شمارے میں اپنی تحریر دیکھ کر از حد خوشی ہوئی، اس سے پہلے جو تحریر ''پتھروں کی بستی میں'' شائع ہوئی، وہ مکمل نہیں ہے، اس لئے دوبارہ ارسال کررہی ہوں، امید ہے کہ اس دفعہ اسے مکمل شائع کیا جائے گا، بنت مسعود کی تحریر خاصی مختلف سی تھی، انہیں چاہئے کہ وہ ہر ماہ آتی رہیں، دوسری قسط وار کہانیاں بھی باقاعدگی سے لگنی چاہئے، اس کے علاوہ منافقہ جبین کی کہانی بھی اس دفعہ غائب تھی، ہم ایک دفعہ پھر تمام لکھنے والی بہنوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی تحریریں لے کر آجائیں کہ اب تو ہم سے انائی بھی میدان میں آگئے ہیں، مزید ہم ''حیا'' کی روشنی کو پھیلانے کی پوری کوشش کررہے ہیں، اس سلسلے میں ہم نے چند لوگوں کو ''حیا'' سے متعارف کرایا ہے، اللہ آپ کی مشکلات کو آسان کرے، آمین

امام زینب راولپنڈی، بیٹا پرانے لکھنے والے احتجاجاً کم لکھ رہے ہیں تاکہ آپ لوگ میدان ادب میں آئیں، شاباش فور ایک اچھا سا مضمون لکھ دو۔

☆.....☆.....☆

حافظہ اقراء خضر، تونسہ شریف سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ''حیا کی محفل'' میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں، تمام سلسلے بہت ہی اچھے ہیں، بنت مسعود کی کہانی ''پُرشب تاریک کے دامن میں'' بہت زبردست تھی، ان کو ڈھیروں مبارک باد اور پیار بھرا سلام، اور ان سے گزارش ہے کہ لکھتی رہئے گا، اور بنت مولانا عبدالمجید کی کہانی ''کٹھن ہیں راہیں.....'' کی پہلی قسط پڑھی، بہت اچھی لگی، نسیم حجازی کا ناول ''داستان مجاہد'' بہت ہی اچھا جارہا ہے اور بنت محمد فاروق کا ناول ''وقت ایک جیسا رہتا نہیں'' کا اختتام پڑھا رہا ہے ''دشت جنوں کی نقش پائی'' اور ''کہ غم گہرا ہے اور دردِ سوا ہے'' پر تبصرہ بعد میں کریں گے، کیونکہ ہمیں ابھی یہ شمارے نہیں ملے، اگلے تبصرے تک کے لئے اجازت اور ہاں! آمنی راحت ارشد کہاں چلی گئی ہیں؟

حافظہ اقراء تو نسہ شریف، آپ نے تبصرہ اچھا لکھا ہے، لیکن کچھ تشنگی سی رہ گئی ہے، راحت ارشد صاحبہ ایسی جگہ ہیں، جہاں جانے کی خواہش ہر مسلمان کے دل میں ہر وقت رہتی ہے، مصروفیات زیادہ ہیں، ان کی جدائی کا اثر میرے قلم پر بھی پڑا ہے، ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

طیبہ، منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں: محترمہ مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ کے بعد عرض یہ ہے کہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیریت سے ہیں اور آپ کی خیریت کے طالب ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے آپ کے ذہن میں ایسی بات ڈالی کہ ان کے خط شائع کئے جائیں، ہم سب سے پہلے اللہ کے شکر گزار ہیں اور پھر آپ کے بھی شکر گزار ہیں کہ آپ نے بلاتکلف شائع کروا دیئے ہیں، آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی، ہم بھی آپ کے لئے دعا گو اور گواہ ہیں اور دعا کرتے بھی رہیں گے، آپ ہمارا خط شائع کریں یا نہ کریں ہم آپ کے لئے دعائیں کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ، اب میں آپ کو کچھ اقوال زریں لکھ رہی ہوں، وہ بھی شائع کردیں، مہربانی ہوگی اور کچھ اسلامی شعر لکھ کر بھیجوں گی، پلیز شائع کردیجئے گا، ہاں، باجی ہم سب گھر والوں نے مل کر اپنا خط پڑھا، بہت خوش ہوئے اور اللہ کا اور آپ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ کے رسالے کے جو بھی سلسلے اور ناول اور کہانی شائع ہوتی ہے، سب بہت بہت اچھی ہوتی ہیں اور نصیحت آموز ہوتی ہیں، ہم بھی ان سے بہت سا سبق حاصل کرتے ہیں، آپ ہر گھر کے زیادہ سے زیادہ خط شائع کیا کریں اور اپنا رسالہ مہنگا کردیں، اس میں سب کچھ لکھ دیا کریں، تو ہر کسی کو موقع مل جایا کرے گا، پھر آپ کو ہر کوئی دعائیں دیا کرے گا اور آپ کا نامہ اعمال نیکیوں سے بھر جائے گا، ہر ایک کو خوش رکھا کریں اور خود بھی خوش رہا کریں، جو دوسروں کو خوش رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو خوش رکھتے ہیں، میں نے آپ کو اپنے چھوٹے بھانجے کی بچپن کی کہانی لکھی ہے، کیا آپ شائع کردیں گے، اس کا بچپن بہت زبردست ہے اور بہت مزاحیہ بھی ہے، وہ ایسی باتیں کرتا اور ایسے کام کرتا ہے کہ بے اختیار ہنسی آتی ہے، وہ سب گھر والوں کو ہنساتا رہتا ہے اور سب گھر والوں کو خوش کرتا رہتا ہے، ہمارا دل کررہا ہے کہ وہ جب بڑا ہوگا تو خود پڑھ لے گا، اگر آپ اس کی کہانی شائع کریں گے تو مہربانی ہوگی آپ کی، جو میں نے آپ کو پہلے خط میں باتیں لکھی تھیں، آپ کو ان پر یقیناً غصہ آیا ہوگا، میں آپ سے معذرت کرتی ہوں، دراصل میں بہت غصہ میں تھی کہ جب بھی خط لکھتی ہوں، شائع نہیں ہوتا اور ساتھ میری دو سنوں نے زیادہ غصہ دلوایا کہ کچھ بھی شائع نہیں ہوتا، اس لئے میں نے ایسی باتیں لکھی، میں آپ سے بہت زیادہ معذرت چاہتی ہوں، معاف کردینا، معاف کردینے والے کو اللہ پسند کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، آپ معاف کردیں، کیونکہ غلطی کو جلدی معاف کردینا اللہ کو پسند ہے، لہٰذا آپ بھی معاف کردینا، مہربانی ہوگی، باقی باتیں میں دوسرے خط میں لکھوں گی۔ والسلام

طیبہ، منڈی بہاؤالدین، بیٹا دعاؤں کا شکریہ، آپ کے خط شائع کرنا ہماری ذمہ داری ہے، ہم بھی ان سے دلی مسرت حاصل کرتے ہیں، دیکھو! یہ موٹا پا برا مرض ہے اس لئے ہمارا رسالہ انتہائی اسمارٹ ہے، ہمیں پہلے بھی آپ کا خط پڑھ کر غصہ نہیں آیا تھا، خیر، چھوڑو اس بات کو، ہاں تم غصہ مت کرو کیونکہ یہ اچھی عادت نہیں ہے اور سہانا بچپن کے لئے تم لکھو، ہم انتظار کریں گے۔

☆.....☆.....☆

کلثوم اختر، منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں: السلام علیکم کے بعد عرض کہ ہم خیریت سے ہیں، آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب چاہتے ہیں، ہمیں جنوری کا ماہنامہ ''حیا'' ملا، پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ آپ نے ہمارا خط شائع کیا، اب ہمارا گلہ شکوہ ختم، آپ سے اپنی امی کی دعا مغفرت کے لئے کہا تھا، آپ نے امی کے لئے دعا کی، ہم آپ کے بہت مشکور ہیں، آپ کی بہت مہربانی، اللہ آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کو، آپ کی پوری ٹیم کو خوش وخرم رکھے اور ہم آپ کے لئے ہر وقت دعا گو ہیں، آپ بھی ہمارے لئے دعا کرنا، جب سے ہماری امی اس دنیا سے رخصت ہوئیں، کسی کام کسی مطالعہ کو دل نہیں کرتا، پھر بھی اس ماہنامہ ''حیا'' رسالے کو پڑھ لیا کرتے ہیں، آپ ہمارے لئے دعا کرنا، ہمارے گھریلو حالات ٹھیک ہوجائیں، مہربانی، شکریہ، باقی آپ کے

رسالے کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں، ''فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' نہیں تھی، وہ ضرور ضرور شامل کیا کریں اور باقی تمام کہانیاں ٹھیک ہیں، ''فردوس بریں'' کچھ خاص نہیں، ''روحانی ڈاک'' بھی شامل کریں، یہ سلسلہ بہت اچھا ہے، ہم نے اپنے بھانجے کا ''سہانا بچپن'' لکھ کر بھیج دیا ہے، وہ شائع کردینا اور بھی لکھ کر بھیج دیں گے، شکریہ، باقی تمام لکھاریوں کو ہماری طرف سے سلام اور ان کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اچھے سے اچھا لکھنا نصیب کردے، اگر ہم آپ کو وظائف لکھ کر بھیج دیں تو آپ ان کو شائع کردیں گے؟ اگر خط میں آپ کی شان کے خلاف باتیں لکھی ہوں تو معاف کرنا، باورچی خانہ کی آسان ترکیبیں لکھا کریں، یہ خط میں شام کو لکھ رہی ہوں، ایک بار پھر آپ سے اور آپ کی ٹیم کے لئے دعا گو ہیں۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
کتابوں پر مریں گے ورق ہوں گے کفن اپنا
نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے
سمجھیں دنیا سے کیا مطلب شہادت ملے مشن اپنا
پہاڑوں پر مریں کہ برف ہوگی کفن اپنا

☆.....☆.....☆

حافظ شاراحمد ولد حاجی صالح محمد، تحصیل تلہ گنگ، ضلع چکوال سے لکھتے ہیں: محترم جناب منیجر ماہنامہ ''حیا'' صاحب، السلام علیکم! مودبانہ گزارش ہے کہ آپ کا ماہنامہ ''حیا'' پڑھا اور بہت خوشی ہوئی، آپ سے التماس ہے کہ پہلے ماہنامہ ''حیا'' کو ڈاک کے ذریعہ منگوانے کا مکمل پتہ، اور ڈاک خرچ کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمائیں، آپ کی مہین نوازش ہوگی، شکریہ

محترم حافظ شاراحمد صاحب، آپ کے تعاون کا شکریہ ''حیا رسالہ'' کے پہلے صفحہ پر ہی ساری تفصیلات درج ہیں، وہی ملاحظہ فرمائیں۔

☆.....☆.....☆

محمد آصف، تحصیل وضلع نارووال سے لکھتے ہیں: عزیز محترم ماہنامہ ''حیا'' السلام علیکم! عزیز محترم آپ کا رسالہ ''حیا'' پڑھتے ہیں، بہت اچھا لگتا ہے، اس میں دینی مسائل بھی بہت ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ دین کی ایسے ہی خدمت کرتے رہیں اور اللہ آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین..... محترم آپ کے ماہنامہ کے ذریعے ایک مشورہ طلب کرنا تھا، کیونکہ کافی پہلے میرے پاس ایک دکان تھی، لیکن اب بحران کی وجہ سے بند ہوگئی ہے اور خرچہ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر گھر میں جھگڑا رہتا ہے، آپ سے یہ گزارش ہے کہ کوئی بچوں کی کھانے والی چیزوں کا کوئی فارمولا تحریر کرکے بھیج دیں یا کسی جوس وغیرہ یا آئس کریم کیک یا گولی ٹافی کا کوئی آئٹم کا فارمولا جو زیادہ مہنگا نہ ہو، امید ہے کہ آپ ہمیں ضرور تحریر فرمائیں گے، ہم آپ کے منتظر رہیں گے اور بچے بھی دعائیں دیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کے کام اور زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

محمد آصف، ضلع نارووال، اللہ تعالیٰ آپ کے رزق وعمر میں برکت دے، میرے بھائی کام کوئی بھی کریں محنت اور ایمانداری سے کریں، بچوں کے کھانے والی چیز گھر میں بنانے سے بہتر ہے، ہول سیل سے مختلف بچوں کے آئٹم خرید لیں اور مناسب منافع سے فروخت کریں، نماز کی پابندی اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ بزرگوں کی دعائیں لیں! اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کی مشکلات دور کرے گا۔ آمین

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہناز بنت محمد ابراہیم لکھتی ہیں: محترمہ مدیرہ صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! کیا حال ہیں آپ کے، اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، یہ کچھ تحریریں اپنے "حیا" کے لئے لکھی ہیں، بہت خوشی ہوگی اگر انہیں "حیا" کے اندر جگہ ملے گی، تو اگر اشاعت کے قابل نہ ہوں، تب بھی بتا دیجئے گا، اخیر میں اتنا کہوں گی کہ میری نسبت طے ہوگئی ہے، انشاء اللہ دو تین ماہ میں شادی ہوگی، خاص طور پر دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ پاک خیر والا معاملہ رکھیں، ہر معاملے کو خیر وعافیت کے ساتھ نمٹا دیں اور اللہ پاک ہمارے "حیا" کو دن رات ترقی دے۔ والسلام

شہناز بنت محمد ابراہیم، اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ازدواجی خوشیاں نصیب کرے اور تمام معاملات بخیر و خوبی انجام پائیں، آمین

☆.....☆.....☆

اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی لکھتی ہیں: پیاری باجی مہر افروز مہر، السلام علیکم! امید ہے آپ سلامتی سے وقت کو دین کی خدمت میں گزار رہی ہوں گی، اس ماہ کا ماہنامہ "حیا" پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور ہم نے آپ کی کہانی "گھر کہانی" کو بھی پسند کیا تو اب ہم نے چند کہانیاں جلدی میں تحریری کی ہیں، تاکہ وقت پر آپ کو موصول ہو سکیں، اب آپ کو کیسی لگیں گی، آپ خود بتائیں گی، پڑھنے کے بعد اور باجی ضرور پڑھ کر جواب دیں، شائع ہو سکیں گی یا نہیں اور تبصرہ بھی کرنا ہے، فی الحال قسط وار کہانی مجاہدانہ جو ہے "داستان مجاہد" بڑی اچھی لگی، انتظار کرنا ہوتا ہے، قسط وار کہانی کا اور بنت المجید کی نئی قسط وار بھی اچھی لگ رہی ہے، آگے کیا ہوگا ابتداء تو اچھی لگی اور "فردوس بریں" پڑھ تو لیتے ہیں بہر حال سب ہی اچھا لکھ کر رسالے کو خوبصورت بناتے ہیں، ماشاء اللہ سب قارئین "حیا" کو سلام قبول ہو اور دعاؤں کی التماس ہے آپ سب کی دعاؤں کی محتاج۔

اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی، "گھر کہانی" پسند کرنے کا شکریہ، تمام بہنوں سے درخواست ہے کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل پر لکھئے تاکہ ہمارے معاشرے سے یہ اخلاقی گھٹن دور ہو۔

☆.....☆.....☆

حفصہ محمد اکرم، جامعہ دار العلوم الصفۃ للبنات سے لکھتی ہیں: محترمہ ومکرمہ مدیر باجی صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے آپ خیریت کے ساتھ ہوں گی اور اللہ رب العزت سے خیر وعافیت ہی مطلوب ہے۔ میں "حیا" کی شروع سے ہی قاریہ ہوں اور کچھ عرصے سے "حیا کی محفل" میں بھی شرکت کرتی ہوں۔ کچھ چیزیں پہلے بھی ارسال کی تھیں، اب ایک مضمون بھیجا ہے "نقوش پائے مصطفیٰ" کے موضوع پر، یہ ایک کتاب ہے جو ہمارے استاد محترم نے تصنیف فرمائی اور اب حال ہی میں اس کتاب کو صدارتی ایوارڈ ملا، اس کتاب کے ضمن میں، میں نے اپنے استاد محترم کے بھی کچھ احوال بھیج دیئے ہیں۔ اگر آپ کو یہ اشاعت کے قابل لگے تو شائع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ مجھے لکھنا نہیں آتا، نہ کبھی خود سے تحریر لکھی، یہ میری پہلی کاوش ہے، اگر اس میں اغلاط ہوں تو تصحیح فرما کر شائع کر دیں، اگر قابل اشاعت ہوں، میں نے تو اس تحریر کے واسطے سے اپنے جذبات بیان کئے کہ اللہ پاک نے اس کتاب کو اپنے دربار عالی میں قبول فرمایا۔ باقی "حیا" کی تمام سلسلے وار تحریریں بہت اچھی جا رہی ہیں۔ اللہ پاک "حیا" کے ساتھ ہمارا سلسلہ تادم حیات قائم رکھے کیونکہ ہمیں اپنا یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ جو آج کے اس پرفتن دور میں بھی دین کی خدمت کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ تمام قارئین کو سلام۔ والسلام

☆.....☆.....☆